مواعظ اشرفیہ

حصہ اول

الاستغفار

این	متیٰ	کم	کیف	ماذا	من ای شان	لم	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	کس طبقہ کو زیادہ مفید ہے	کیوں ہوا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جامع مسجد سہارنپور	۱۱ صفر ۳۲ھ	ڈیڑھ گھنٹہ	بیٹھ کر	استغفار کی ضرورت	ہر طبقہ کو مفید ہے	سہارنپور اتفاقاً جانا ہوا لوگوں کی درخواست پر بیان	محمد عبداللہ عفی عنہ گنگوہی	۲۰۰۰	اہل علم کا کم اور عام لوگوں کا زیادہ مجمع تھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ **اما بعد**

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یا قوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السماء علیکم مدرارا ویزدکم قوۃ الیٰ قوتکم ولا تتولوا مجرمین۔ اس آیۃ کریمہ کا مضمون ہودؑ کا خطاب ہے اپنی قوم کو حقتعالیٰ نے اس مقام پر اسکو نقل فرمایا ہے۔ اس آیۃ کو اختیار کرنیکی وجہ یہ ہوئی کہ ہر چند کہ ہماری ہر حالت ایک سے ایک زیادہ ایسی ہی ضروری ہے کہ اُسکے متعلق بیان کیا جاوے تاہم بعض حالت کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ اُسکے اشتراک اور عموم کیوجہ سے مناسب سمجھا جاتا ہے کہ اُسکے متعلق اہم سمجھکر بیان کیا جاوے اسوقت مسلمانونکی یہ حالت دیکھکر کہ کم و بیش سب پریشانی میں مبتلا ہیں مناسب معلوم ہوا کہ اس مضمون کو اختیار کیا جاوے کہ اس میں معالجہ ہے تمام پریشانیونکا۔ **ترجمہ** سے معلوم ہوگا کہ وہ کیا مضمون ہے اور نیز معلوم ہو جائیگا کہ اُسکی ضرورت ہے۔

خلاصہ آیۃ کا یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں یا قوم استغفروا ربکم الخ

یہاں پر شبہ نہ کیا جاوے کہ ہم لوگ تو امت محمدیہ ہیں ہمکو ہودؑ کا ارشاد سنانے سے کیا فائدہ اسلئے کہ یہ مسلم ہے کہ امم سابقہ کے احکام بلا انکار اگر اللہ و رسول ہمکو سنادیں تو وہ ہمارے لئے بھی حجت ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ اصول یعنی عقائد اور اخلاقِ حمیدہ کے مامور بہ ہونے میں سب انبیاء کا ایک مشرب ہے اس میں کسی نبی کا اختلاف نہیں مثلاً توحید رسالت کا اعتقاد ظلم کا برا ہونا عدل کا مستحسن ہونا سچ بولنا یہ بالاتفاق مسلم ہیں اسی فہرست میں سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگنا بھی ہے جسکا اس آیت میں بیان ہے پس جبکہ اللہ تعالےٰ نے اس ارشاد کی نقل کے بعد انکار نہیں فرمایا اور نیز یہ ان اعمال سے ہے کہ جنکا مامور بہ ہونا تمام شرائع میں یکساں رہا ہے تو لامحالہ ہم بھی اسکے ضرور مخاطب ہونگے رہی یہ بات کہ اگر اس مضمون کو بیان ہی کرنا تھا تو حضور کا کوئی ارشاد نقل کردیا جاتا حضرت ہودؑ کا ارشاد کیوں نقل کیا گیا اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت ہودؑ کا ارشاد نقل کرنے میں ایک خاص مصلحت ہے وہ یہ کہ آپ جبکہ معلوم ہوجاوے کہ یہ مضمون بہت ہی اہتمام کے قابل ہے اسلئے کہ قوم عاد بہت پرانی قوم ہے پس جبکہ وہ بھی اس مضمون کے مخاطب ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات کوئی نئی نہیں ہے بلکہ یہ وہ بات ہے کہ ہمیشہ سے انبیاء اپنی اپنی قوم کو کہتے آئے ہیں ہ حضرت ہودؑ اپنی قوم کو ارشاد فرماتے ہیں اے میری قوم اپنے رب سے مغفرت مانگو پھر اس کی طرف متوجہ ہوجاؤ خلاصہ ارشاد کا اصلاح کے دو درجے ہیں اول تو اپنے گناہ معاف کرانا اسکے بعد خدا تعالیٰ کیطرف طاعت کیساتھ متوجہ ہونا اسپر کیا ثمرہ مرتب ہوگا یرسل السماء الخ یعنی استغفار اور رجوع الی اللہ کا ثمرہ دنیا میں تمکو یہ ملیگا کہ اللہ تعالےٰ تمپر بارش بھیجیں گے اور تمہاری قوت موجودہ کے اندر اور قوت بڑھادینگے قوم عاد قوت کے اندر مشہور ہیں آگے ارشاد ہے اور خدا کے حکم سے روگردانی مت کرو جرم کرتے ہوئے۔ یہ آیۃ کا ترجمہ ہوا ترجمہ سے مضمون کی اجمالی تعیین ہوگئی ہوگی کہ اسکے دو جزو ہیں اول مغفرت مانگنا دوسرے طاعت کیطرف رجوع کرنا خلاصہ وحاصل یہ ہے کہ آیۃ میں دو مامور بہ ہیں استغفار اور رجوع الی الطاعۃ اور دو اسکے ثمرے ہیں بارش ہونا اور قوت بڑھ جانا اور کمزوری وضعف کا جاتا رہنا اور ایک منہی عنہ ہے وہ مجرم ہوکر اعراض کرنا ہے۔ ہودؑ نے جو اس میں فرمایا باعتبار مقصود ایراد کے یہ درحقیقت اللہ تعالےٰ ہی کا ہمکو ارشاد ہے گویا اللہ تعالےٰ ہمکو ارشاد فرمارہے ہیں کہ اگر تمکو کسی قسم کی شکایت قحط کی یا کمزوری یا پستی یا ادبار یا تنزل کی ہو تو اُسکی تدبیر اور اُسکا علاج وہ ہے جو ہمنے بتلایا ہے اور وہ نہیں ہے جو تمنے اختیار کیا ہے یہ حاصل ہے اس مقام کا ترجمہ سے مضمون کی تعیین اور

ف امم سابقہ کو خطابات الٰہی ہمارے لئے بھی حجت ہیں

ف خلاصۂ آیۃ یقوم استغفروا ربکم الخ وحاصل مقام

ف استغفار کے مضمون کی ضرورت

حاصل سے اُسکی ضرورت کا علم ہوگیا ہوگا کہ اس مضمون کی کیا ضرورت ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مسلمانوں کو عموماً دیکھا جاتا ہے۔ کہ پریشان ہیں اور یوں تو ہر شخص کو خاص خاص پریشانیاں ہیں مگر ایک عام پریشانی اور مشترک وجدید شکایت تو تنزل اور پستی کی ہے کہ یہ پرانی شکایت ہے دوسری جدید

پریشانی قحط اور قلت باراں کی ہے یہ دو پریشانیاں اسوقت ہم سبکو عام ہیں اسلئے انکا انتظام ضروری ہے کیونکہ انسان کو جو مصیبت لاحق ہوتی ہے عقل اسکو مقتضی ہے کہ اُسکی تدبیر کرے اور تدبیر بھی وہ جو صحیح تدبیر ہے ہمارے بھائیوں کی یہ حالت ہے کہ بعضے تو اُن میں ایسے جوان مرد ہیں کہ تدبیر کی پرواہی نہیں کرتے اور بعضے جو کچھ کرتے بھی ہیں وہ الٹی تدبیر کرتے ہیں پس یہ کہنا صحیح ہے کہ بالکل تدبیر کرتے ہی نہیں چنانچہ بعضے تو صرف یہ کرتے ہیں کہ بس شکایت کرتے ہیں کوئی تو کہتا ہے کہ امسال ایسی خشکی ہوتی ہے کہ مویشیوں کو چارہ تک نہیں ملتا ہے بھوکے مرے ہیں کوئی کہتا ہے اس فصل میں بارش نہوئی تو گرانی بہت زیادہ ہو جائیگی جو ذرا دیندار ہیں وہ کہتے ہیں کہ میاں یہ سب ہماری شامت اعمال ہے مگر اصلاح وہ بھی نہیں کرتے جو باصطلاح جدید ذرا مہذب ہیں وہ ترقی و تنزل پر لکچر دیتے ہیں کوئی بیماری کی شکایت کرتا ہے میرے پاس بھی خطوط آتے ہیں کہ بعض جگہ بیماری شروع ہو گئی ہے کوئی کہتا ہے کہ خیر بھائی ہمارے یہاں تو امن ہے تو گویا بالکل بےفکر ہی ہوگئے یہ اور بھی غضب ہے یاد رکھو کہ جیسے تمہارے یہاں بیماری ہونا اندیشہ ناک ہے اسی طرح تمہارے آس پاس ہونا یہ بھی خوفناک ہے اللہ تعالیٰ نے کفار کو ان دونوں سے خوف دلایا ہے چنانچہ ارشاد ہے ولا یزال الذین کفروا تصیبہم بما صنعوا قارعۃ او تحل قریبا من دارہم پس ہمارے شہر میں ہونا بیماری کا جیسے خوفناک ہے اسی طرح ہمارے ضلع میں ہونا یا ہماری کمشنری میں ہونا یا ہمارے ملک میں ہونا بھی خطرناک اور فکر کی بات ہے غرض دو شکایتیں اسوقت غالب ہیں ایک بیماری و قحط وغیرہ کی اور دوسرے قوم کے ذلیل و روز بروز کمزور ہوتے جانیکی اور باقی خاص خاص شکایتیں یا خاص خاص بیماریوں کی شکایتیں وہ تو معمولی طور پر رہتی ہی ہیں مگر اسوقت غالب و مشترک آفات کے متعلق عرض کرتا ہوں اور مجکو اس میں دو جماعتوں کی شکایت ہے اول شکایت تو عام لوگوں کی ہے اور دوسری مہذب لوگوں کی ہے جو کہ بیدار مغز کہلاتے ہیں سو میں کہتا ہوں کہ یہ پریشانیاں سب صحیح اور واقعی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ انکی کوئی تدبیر بھی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو میں مطلق تدبیر کے متعلق پوچھتا ہوں کہ کسی چیز کی ارجح وانفع تدبیر کونسی ہوتی ہے آیا وہ تدبیر جو عقلاء محض استدلال سے تجویز کریں یا وہ جو کوئی تجربہ کار بعد تجربہ کے تجویز کرے سو بڑا فرق ہے عاقل کی تجویز اور تجربہ کار کی تجویز میں چنانچہ مثل ہے سل المجرب ولا تسئل الحکیم عاقل کی تجویز تو محض تخمینی رائے کیطرف مستند ہوتی ہے اور تجربہ کار کی تجویز تکرار مشاہدہ سے ناشی ہوتی ہے اور ثانی کی ترجیح اول پر ظاہر ہے پس جبکہ تجربہ کار کا علم حالانکہ وہ بھی استدلالی ہے حکیم کے علم پر ترجیح دیا جاتا ہے تو عالم الغیب والشہادۃ کا علم کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا اور اس سوال کے جواب میں یوں کیوں نہیں کہا جاتا کہ حق تعالیٰ سے اسکی تدبیر پوچھو خاص سرکار جو عالم اور حکیم سب کچھ ہیں اگر کسی مرض کا نسخہ عطا فرماویں تو کیوں

ہمارے بھائی مصائب کی نری شکایت کرتے ہیں تدبیر نہیں کرتے

ان دونوں میں تدبیر کس کی صحیح ہے۔

اُسکو استعمال نہیں کیا جاتا اُس دوا سے بڑھکر اور کونسی دوا ہوگی جو مرض اور دوا کے خالق سے عطا ہو
عقلاء اور اہل الرائے تو محض تخمین اور رائے اور قیاس ہی سے کہتے ہیں کہ اس مرض کی یہ دوا ہے مثلاً
طاعون ہی ہے اُس کی دوائیں اور تدبیریں محض ظنی ہیں میں انکی نافعیت کا اور انکے استعمال کرنیکا مخالف
نہیں ہوں یہ اطباء کی ہی عادۃ ہے کہ جس طبیب کا علاج کرو دوسرا نسخہ پینا اُسکے نزدیک جائز نہیں اور
حق تعالےٰ کو یہ حق بدرجہ اولیٰ حاصل تھا کہ وہ یہ فرمادیتے کہ جو ہمنے دوا تدبیر اور دوا بتلائی ہے اُسکو ہی
استعمال کرو خصوصاً اُس صورۃ میں جبکہ تدبیر صحیح کا انحصار بھی اُسی میں ہے لیکن اُنکی یہ رحمت ہے کہ اور تدبیروں
کو بھی ناجائز قرار نہیں دیا اسلئے میں تدابیر ظنیہ مجوزۂ عقلاء کا مخالف نہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ صرف
تدابیر ظاہری اور طب کے ایسے پیچھے کیوں پڑے ہو کہ صحیح تدبیر اور سچی طب کو بالکل ہی بھول گئے ؎
چند خوانی حکمت یونانیاں + حکمت ایمانیاں راہم بداں + صحت ایں حس بجوئید از طبیب + صحت آں حس بجوئید از حبیب +
صحت ایں حس ز معموری تن + صحت آں حس ز تخریب بدن + پس جو طب حکیم حقیقی نے ارشاد فرمائی ہے بالکل کافی ہے
لیکن با وجود اسکے یہ بھی اجازت دیدی ہے کہ اور نسخہ بھی پیو تو حرج نہیں بلکہ ترغیب دی ہے تداووا عباد اللہ جسکی
حقیقت اہل اللہ و مربیان قلب نے سمجھی چنانچہ انہوں نے ترک اسباب کو علی الاطلاق جائز نہیں رکھا ہے
سے وہ شبہ بھی رفع ہوگیا جو کہ بہت لوگ ناتمام باتیں سنکر کہدیا کرتے ہیں کہ یہ مولوی تو چاہتے ہیں کہ دنیا کے
کاروبار ترک کر کے مسجد کے کونہ میں تسبیح لیکر بیٹھ جاویں حاشا و کلا مولویوں کا یہ مقصود ہرگز نہیں بلکہ تم اگر
ایسا کرو بھی تو وہ تمکو روکدیں کیونکہ آدمی بالطبع اسباب ظاہر کا خوگر بنایا گیا ہے پس اگر اسباب کو ترک کرے گا
تو اس کی جمعیت و سکون میں ضرور فرق پڑیگا اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک طبیب کامل ہے اُسکو مریض کے حال پر بہت
عنایت اور شفقت ہے اُس نے مریض کو نسخہ لکھکر دیا لیکن وہ طبیب یہ بھی جانتا ہے کہ اس مریض کو ضعف اور
توہم کی وجہ سے اسپر قناعت نہوگی اور اسکو خیال رہیگا کہ فلاں دوا اگر پیتا تو جلدی کامیاب ہوجاتا اور یہ
اُسکی دہن اور اودھیڑ بن ممکن ہے کہ اس حد تک ہو کہ اصلی دوا سے بھی اعراض کرے اسلئے وہ براہ
عنایت اسکی تسلی کیواسطے کہدیتا ہے کہ دوا تو اس مرض کی یہی ہے جو ہمنے تبلائی ہے لیکن اگر تم کوئی
اور دوا بھی پیو تو تمکو اختیار ہے تو اُس مریض کو اگرچہ شفا اور صحت تو اُسی باقاعدہ اور صحیح نسخہ سے ہوگی اور مریض
خواہ کچھ سمجھے لیکن طبیب کو چونکہ شفقت اور محبت ہے وہ اپنا نام بھی کرنا نہیں چاہتا۔ اُسکا مقصود تو
یہ ہے کہ اُس کو صحت ہوجائے۔ وہی مثل ہے کہ کام تو کسی کا اور نام کسی کا ؎
کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں   مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند
پس اسیطرح حق تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ہمارے بندے کسی طرح اچھے ہوجائیں۔ چاہے وہ حکیم جی ہی کا نام

ترک اسباب علی الاطلاق جائز نہیں

کردیں اور اُنکو پریشانی نہو پس یہ وجہ ہے کہ ترک اسباب کو منع کردیا ورنہ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا کا مقتضی تو یہ تھا کہ سب اسباب ترک کردیتے اور تجارت زراعت نوکری صنعت یک لخت چھوڑ دیتے ہاں اقویاء کو اجازت دی ہے کہ اگر تم ترک اسباب کرو تو جائز ہے اسلئے کہ اُنکو ترک اسباب سے اپنی قوۃ توکل کیوجہ سے پریشانی لاحق نہوگی باقی ضعفاء کو یہی حکم ہے کہ تدبیر کرو ایک صحابی کا قصہ ہے کہ اُن سے تخلف تبوک کی لغزش ہوگئی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی انہوں نے حضور کیخدمت میں آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول فرمائی ہے اس کے شکریہ میں میں چاہتا ہوں کہ اپنا سب مال تصدق کردوں فرمایا نہیں سب مت دو کچھ رکھ لو اس قصہ سے اور نیز شریعت کے ہر ہر حکم سے یہ بات روز روشن کیطرح واضح ہوتی ہے کہ شریعت نے جذبات طبعیہ کی بڑی رعایت کی ہے اور اسلام کے سب احکام فطرۃ سلیمہ کے موافق ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک بی بی نے عرض کیا کہ میں اپنی جائداد وقف کرنا چاہتی ہوں حضرت نے فرمایا کہ نہیں نہیں ایسا نکرو کچھ رکھلو نفس کو کبھی پریشانی ہوجایا کرتی ہے پھر وہ پریشانی دین تک مقتضی ہوتی ہے حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ وہ زمانہ گیا کہ درہم و دینار رکھنا تقوی و توکل کے خلاف تھا اب تو اگر کسی کے پاس کچھ مال ہو تو اُسکو حفاظت سے رکھنا چاہئے کم ہمت انسان جب مفلس ہوتا ہے تو اول اسکا دین ہی برباد ہوتا ہے۔ بعض بزرگوں نے رزق ملنے کی عجیب طریقہ سے دعائیں مانگی ہیں چنانچہ ایک بزرگ نے دعا کی تھی کہ اے اللہ جو کچھ میری قسمت میں لکھا ہے ایکدم سے دیدو ارشاد ہوا کہ کیا ہم پر اطمینان نہیں عرض کیا کہ اطمینان کیوں نہیں شیطان مجھکو بہکاتا ہے اور کہتا ہے کہ کہاں سے کھائیگا میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ دیگا وہ کہتا ہے کہ یہ تو یقینی ہے کہ دیگا مگر یہ تو خبر نہیں کہ کب دیگا اس سے میں پریشان ہوتا ہوں آپ مجکو اگر ایکدم سے دیدینگے تو میں کوٹھری میں بند کرکے رکھلونگا جب شیطان کہیگا کہ کہاں سے کھائیگا۔ میں کہدونگا کہ اس کوٹھری میں سے کھاؤنگا وہ اس میں کوئی شبہ نہ ڈال سکیگا اور پریشان نکرسکیگا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلوک میں خاص کیفیات مثلاً باوجود مال نہونیکے پریشانی نہو سو یہ مطلوب نہیں اگر مال رکھکر جمعیت اور تسلی ہو تو رکھے اور اگر خرچ کرکے اطمینان حاصل ہو تو خرچ کردے بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر ان کی ملک میں بہت سی چیزیں ہوں تو اُن کا دل گھبراتا ہے بہرحال اس باب میں سے دوا دارو کی بھی اجازت ہے لیکن دوا کو موثر بالذات نہ سمجھے کہ بغیر اسکے شفا ہی نہوگی بہت لوگ ہمنے دیکھے ہیں کہ دوا بالکل نہیں کرتے ہیں جلال آباد کے ایک رئیس سنے گئے ہیں حکیم کو بلاتے۔ گاڑی بھیجتے فیس دیتے اور حکیم جی سے کہتے کہ آپ بلا تامل جتنے کا چاہیں نسخہ لکھئے دس کا بیس کا پچاس کا چنانچہ حکیم جی نسخہ لکھدیتے بلازم کو دیتے کہ جاؤ بھائی دکھلاؤ عطار کو کتنے کا ہے عطار کہتا کہ پچیس روپیہ کا ہے کہتے لاؤ

ف: اسلام نے جذبات طبعیہ کی بہت رعایت کی ہے

ف: ایک بزرگ کا قصہ

ف: کیفیات مطلوب بالذات نہیں

ف: دوا دارو کی ضرورت اور اس کا درجہ

ف تدبیر حقیقی پر کفایت کرنا کافی ہے اور اسکے متعلق ایک شبہ کا جواب

صندوقچی پچیس روپیہ گنکر دیتے کہ جاؤ خیرات کردو مساکین کو میری یہی دوا ہے چنانچہ جب یہ عمل کرتے فوراً اچھے ہوجاتے ہمارے ایک دوست ہیں وہ بھی دوا نہیں کرتے اس مرتبہ وہ سخت بیمار ہوئے ہر چند انکو سمجھایا گیا کہ علاج کرو مگر ایک نہ سنی آخر لوٹ پوٹ چند روز کے بعد اچھے خاصے ہوگئے معلوم ہوا کہ تدبیر حقیقی پر کفایت کرنا بالکل کافی ہے اگر کوئی کہے کہ اگر تدبیر حقیقی یہی ہے تو کیا وجہ ہے کہ بعضے لوگ نری دوا سے اچھے ہوجاتے ہیں صاحبو تم سمجھتے ہو کہ وہ اچھے ہوگئے وہ اچھے نہیں ہیں ایک بخار تو چلا گیا۔ اسکو ایک بخار اور ہے جو اسکے لئے روح فرسا بن رہا ہے جسکا انجام ہلاک جسمانی ہی نہیں بلکہ ہلاک ابدی ہے اصلی تدبیر طاعت ہی ہے اُسکے ہوتے ہوئے دوا کی اجازت ہے پس جمع کرنا جائز اور نری طبعی تدبیر پر اکتفا کرنا ناجائز۔ ہم لوگ اسی میں مبتلا ہیں کہ اور تدابیر سب کرتے ہیں اور اصلی تدبیر سے غافل ہیں سو طاعون کی تدبیر میں صفائی مکانات کی اور رفائل ہی کافی نہیں ہیں بلکہ دوسری صفائی کی بھی ضرورت ہے

ف بعض بیماری کیلئے تعویذ ونکو کافی سمجھتے ہیں

اور یہ دوسری صفائی وہ نہیں جو بعضے بد مذاق لوگ سمجھتے ہیں یعنی وہ تعویذوں کو کافی سمجھتے ہیں کہ تعویذ دروازہ پر چسپاں کردو طاعون تعویذ سے ڈر کر بھاگ جائیگا یہ اُن سے بڑھکر ہیں جو دوا پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ دوا کا کھانا اور استعمال کرنا بیماری زائل ہوجانے کی طبعی تدبیر تو ہے لیکن تعویذ کا چسپاں کرنا طاعون کے بھاگ جانیکے لئے تو اُس درجہ کی طبعی تدبیر بھی نہیں اور نہ باطنی و حقیقی جیسا کہ اصلاح حالت تدبیر حقیقی ہے پس اسپر اتنا اعتقاد رکھنا بہت ہی عجیب ہے جتنا وہ لوگ رکھتے ہیں جو کہ تعویذوں کے معتقد ہیں یعنی اُنکو کچھ شک ہی نہیں ہوتا گویا ایک پٹہ لکھوا لیا ہے صاحبو طاعون تو جب بھاگے جبکہ باہر سے آتا ہو طاعون تو گھر کے اندر موجود ہے باہر تعویذ لگانے سے کیا ہوتا ہے وہ طاعون کیا ہے

ف سبب اصلی ہر بلا و مرض کا معصیت ہے -

معصیت کیونکہ طاعون ہو یا کوئی اور مصیبت ہو اُسکا اصلی سبب تو معصیت ہے پس جب معصیت بجائے خود ہے تو دشمن تو تمہارے گھر کے اندر ہے باہر کے انتظام سے کیا ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود ۔ حیلۂ فرعون زیں افسانہ بود ۔ یہ موسیٰؑ کے قصہ میں ہے کہ فرعون نے اپنے دشمن کو یعنی موسیٰؑ کو گھر کے اندر رکھا اور اُنکو پرورش کیا اور دشمنوں کا انتظام کرتا تھا صاحبو لوگ باوجود اصلاح نکرنیکے جو تدبیریں کر رہے ہیں یہ فرعونی تدبیر ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی جو اصلی سبب ہے پریشانیوں کا اُسکو چھوڑتے نہیں اور بالائی تدبیریں کرتے ہیں یاد رکھو جب تک کہ مرض کے اصلی سبب کا استیصال نہ کیا جاوے مرض نہ جائیگا پس جب تک کہ معصیت نہ چھوڑینگے ان بلاؤں سے خلاصی نہیں ہوسکتی سو اس

ف امساک باراں کیلئے کوئی تدبیر نہیں کرتا ہے

سبب کیطرف کیکو التفات تک بھی نہیں آپ ہی بتلایئے فیصدی کتنے ایسے لوگ ہیں جنکو اسکا احساس ہو اور وہ یہ تدبیر کرتے ہوں ظاہری تدبیریں کرتے ہیں لیکن اصلی تدبیر سے غفلت ہے اور بعضے کوئی بھی تدبیر نہیں کرتے دیکھئے آجکل بارش

کی کمی ہے بتلایئے اسکے لئے کیا تدبیر کی ہے طاعون میں تو خیر کچھ کرتے بھی ہیں! در وجہ اسکی یہ ہی کہ تدبیر کو منحصر سمجھ لیا ہے اپنی دہمی اور ظنی تدبیروں اور اسباب میں اور طاعون کے کچھ ظاہری علاج بھی ہیں اسلئے اُسکی تدبیر تو کرلی اور بارش برسنے کا کوئی طریقہ کسی کو یاد نہیں اسلئے اُس سے عاجز ہیں بڑے بڑے مدبر اور عقلا موجود ہیں لیکن کسی کی قدرت میں یہ بات نہیں کہ واقعی بارش برسادیں باقی ایک گندی بارش ایک تدبیر سے بھی ہوچکی ہے اُسکی نفی نہیں کرتا چنانچہ ایک حکایت میں نے ایک کتاب میں دیکھی ہے کہ فرعون خدائی کا دعوی کیا کرتا تھا ایک سال بارش نہوئی قحط ہوگیا لوگوں نے آکر شکایت کی کہ ہم لوگ قحط میں ہلاک ہورہے ہیں تم کیسے خدا ہو بارش کیوں نہیں برساتے فرعون نے شیطان سے کہ کسی وقت اُس سے دوستی ہوگئی تھی یہ سب قصہ کہا شیطان نے وعدہ کیا کہ کل بارش ہوگی چنانچہ اس نے سب شیطانوں کو جمع کرکے کہا کہ سب اوپر جاکر موتو چنانچہ بارش تو ہوئی لیکن بدبو کے مارے دماغ پھٹے پڑتے تھے فرعون نے پوچھا کہ یہ کیسی بارش شیطان نے کہا کہ احمق ہوا ہے جیسا تو خدا ہے باطل ہے ویسی ہی تیری بارش ہے اور جیسے وہ خدائے حقیقی ہیں اسیطرح کی انکی بارش ہے اور یہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ دجال جہاں چاہیگا بارش ہوجائیگی تو یاد رکھو کہ اس سے بارش کا اُس کے قبضہ میں ہونا لازم نہیں آتا یا استدراج ہو اُسکے چاہنے پر ابتلاءً بارش اللہ تعالی کی قدرت سے ہوگی اُسکے معتقد سمجھینگے کہ اُس نے بارش کی ہے لیکن یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اسمیں تو تلبیس ہوجاویگی جواب یہ ہے کہ یہ دہوکا کی بات نہیں ہے اسلئے کہ اُسکے ماتھے پر کافر لکھا ہوگا کہ جسکو پڑھا اَن پڑھ سب پڑھ لینگے اور دوسرے یہ کہ وہ کانا ہوگا اور حق تعالے سب عیوب سے پاک ہیں۔ لیکن باوجود اسکے بھی بعضے لوگ گمراہ ہوجاوینگے اور ان دونو علامتوں کی تاویلیں کرلینگے میرے ایک استاد بیان فرماتے تھے کہ ایک مقام پر ایک اندھے نے خدائی کا دعوے کیا تھا ساٹھ ستر آدمی اُسکے ساتھ ہوگئے ایک طالبعلم نے اس سے کہا کہ اگر تم خدا ہو تو اپنی آنکھیں کیوں اچھی نہیں کرلیتے کہنے لگا کہ ہم اپنے بندونکا (نعوذ باللہ) امتحان کرتے ہیں کہ دیکھیں کون ہماری تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب کرتا ہے غرض آنکھ پھوٹی ہوئی اور ماتھے پر کافر لکھا ہوا اس سے زیادہ اور کیا دلیل اُسکے بطلان کی ہوگی یہ تو ایک موٹی بات ہے دوسرے ایک باریک بات اُسکے بطلان کے شناخت کی حدیث میں آئی ہے وہ یہ ہی کہ حضور نے فرمایا کہ تم اس ظاہر بینائی سے اسکو دنیا میں دیکھو گے اور حقتعالے کو دنیا میں ان آنکھوں سے کوئی دیکھ نہیں سکتا اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ خدا نہ ہوگا ان دلائل کے ہوتے ہوئے بھی کوئی بگڑے تو بگڑے

بہرحال بارش کے متعلق کوئی تدبیر ہی نہیں کرتے اور البتہ خالی شکایتیں کیا کرتے ہیں میاں کتنے دن ہوگئے بارش نہیں ہوئی قحط ہوگیا میں کہتا ہوں کہ اس کہنے سے کیا مقصود ہے کس کو سناتے ہو کیا

ف شیطان کا ایک قصہ

ف دجال کا استدراج اور اسکے بطلان کی علامتیں

ف بارش نہ ہونے پر شکایت کرنے والوں کو تنبیہ اور انکی تدبیر کا بیان

یہ اللہ میاں پر اعتراض ہے یا اللہ میاں کو یا کسی آدمی کو صرف سنانا ہے ہو آدمیوں کو سنانا تو ظاہر ہے کہ مقصود نہیں اسلئے کہ آدمی کچھ کر ہی نہیں سکتے اور اللہ تعالیٰ کو بھی صرف سنانا اور خبر دینا ہرگز مقصود نہیں اسلئے کہ وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے اب یہی شق رہی کہ یہ اعتراض ہے اور گویا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ امر خلاف حکمت ہے ایسا نکرنا چاہیئے تو دیکھ لیجئے کہ حق تعالیٰ پر اعتراض کرنا کیا ہوتا ہے اگر قصداً بھی یہ اعتراض ہوتا تو میں اسکو کفر کہتا لیکن اب کہ قصد نہیں ہے سخت بے ادبی اور گستاخی ضرور کہونگا مجھے تو واللہ ان کلمات سے سخت وحشت ہوتی ہے ہاں اگر اس جملہ خبریہ سے یہ مقصود ہو کہ دعا کرو کہ بارش ہو تو دوسری بات ہے لیکن قرائن حالیہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مقصود نہیں اگر کہو کہ ہمارا تو کچھ بھی مقصود نہیں ہوتا یوں ہی ہانک دیتے ہیں تو اس صورۃ میں یہ لغو ہوا اور لغو سے بھی احتراز کرنا چاہیئے حدیث میں ہے من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ غرض ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ فضول اور لغو میں تو مشغول ہیں اور جو اصلی اور صحیح تدبیر ہے اس سے غفلت ہے ف اور وہ تدبیر وہ ہے جو اس آیۃ کریمہ میں مذکور ہے یعنی استغفار اور رجوع الی اللہ۔ اگر کوئی شبہ کرے ف کہ یہ تدبیر بھی کیجاتی ہے چنانچہ دعائیں کرتے ہیں گناہوں سے توبہ کرتے ہیں مگر اس سے بھی کچھ نہیں ہوا تو صاحبو جواب یہ ہے کہ خود آپ دیکھتے ہیں کہ یہ تدبیر کرنیوالے بہت ہی کم ہیں تو یہ کیا تدبیر ہوئی کہ ایک نے تو تدبیر کی اور زیادہ اس کی ضد اور خلاف کریں یعنی ایسے اعمال کریں کہ الٹا اثر ہوا اور اثر غالب اُن ہی لوگوں کا ہوتا ہے جو زیادہ ہوں چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا انہلک وفینا الصلحون تو حضور نے یہی ارشاد فرمایا نعم اذا کثر الخبث پس جب زیادہ سوء تدبیر کے مرتکب ہیں تو باوجود بعض قلیل کے تدبیر کرنیکے مصائب کا نزول کیا محل شبہ رہا باقی یہ بات کہ اُن صلحاء پر تو وہ مصیبت نہ آنا چاہیئے سو بعض حکمتوں سے عادۃ اللہ یہ ہے کہ اس حالۃ میں دنیا میں جو مصیبت آتی ہے اسمیں سب ہی شریک ہوتے ہیں ہاں آخرت میں اپنے اپنے اعمال کیموافق محشور ہونگے اور دنیا میں بھی وہ شرکت ظاہری ہی ہوتی ہے ورنہ صلحاء کے حق میں وہ مصیبت ظاہری حقیقت میں رحمت ہی ہوتی ہے سو بعض صلحاء کے اعتبار سے تو یہ جواب ہے اور بعض صلحاء کے اعتبار سے دوسرا جواب ہے وہ یہ کہ اس زمانہ کے ف بعض صلحاء بھی منکرات کو دیکھتے دیکھتے مداہن ہوگئے ہیں اب جو لوگ علماء اور اتقیاء اور صلحاء کہلاتے ہیں باستثنائے خواص اہل اللہ کے اکثر کی کیفیت یہ ہے کہ نافرمانی کرنیوالوں سے ان کو انقباض نہیں ہوتا بے تکلف میل جول کھانا پینا شادی بیاہ مرنے جینے میں شرکت اہل معصیت کی کرتے ہیں میں نے سنا ہے کہ یہاں لوگ کوکین بہت کھاتے ہیں مگر کوئی ایک ہی ایسا شخص تبلا دیجئے کہ اُسنے اپنے کسی عزیز کو صرف اس وجہ سے چھوڑ دیا ہو کہ وہ کوکین کھاتا ہے برابر ملتے جلتے ہیں کسی طرح کی رکاوٹ نہیں ہوتی اسی طرح ہر معصیت کو سمجھ لیجئے۔ ف حدیث شریف میں امم سابقہ کے قصوں میں ایک قصہ وارد ہوا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام

ف بیماری کا اصل علاج

ف ایک شبہ کا جواب

ف اس زمانہ کے اکثر صلحاء مداہن ہیں

ف منکر پر معصیت سے بیزار ہونا ضروری ہے ایک قصہ عبرتناک

کو ایک گاؤں کی نسبت حکم فرمایا کہ اُسکو اُلٹ دو۔ عرض کیا کہ اے اللہ فیہا فلان لم یعص قط یعنی اسمیں فلاں شخص ہے کہ اُسنے کبھی گناہ نہیں کیا۔ حکم ہوا کہ مع اُسکے اُلٹ دو فانہ لم یتمعر وجہہ فی قط۔ یعنی وہ ہماری نافرمانی دیکھتا تھا اور کبھی اُسکے چہرے پر تغیر تک نہیں ہوا۔ دیکھو جو شخص باغیوں سے ملتا ہے وہ بھی باغی ہی شمار ہوتا ہے۔ ایام غدر میں جس نے باغیوں کو پناہ دی سرکار کے نزدیک وہ بھی مجرم شمار ہوا۔ جبکے ہم وفادار ہونگے تو یہ وفاداری کی بات نہیں ہے کہ اُسکے دشمنوں سے ملیں۔ پس اگر صلحا کہیں ہیں بھی وہ بہت تھوڑے ہیں۔ زیادہ تعداد تو ایسے ہی لوگوں کی ہے جو نافرمانی میں مبتلا ہیں۔ ہاں کوئی یہ ثابت کرے کہ بستی کی بستی صالح ہو اور پھر وہاں بلائیں اور امراض اور قحط ہو سو یہ بہت مشکل ہے۔ صلاحیت اور تقویٰ تو بڑی چیز ہے اُسکا تو اثر ہی دوسرا ہے۔ برائے نام ہی کوئی تھوڑی دیر کے لیے حق تعالی کیطرف رجوع ہو کر دیکھ لے کہ کیا رحمت ہوئی۔ دیکھو (ف ۱) استسقا کی دو ہی رکعت ہیں جو بہت کم بہت دس منٹ میں ہو جاتی ہیں لیکن باستثنائے شاذ و نادر کے بہت کم ایسا ہوا ہے کہ مؤثر نہ ہوں۔ جب کبھی پڑھی گئی ہیں بارش ضرور ہوئی ہے کوئی رجوع ہو کر دیکھے تو۔ سندیلہ (ف ۲) ایک مقام ہے وہاں ایک مرتبہ امساک باران ہوا قحط ہو گیا۔ مخلوق بہت پریشان ہوئی۔ استسقا کی نماز کئی روز پڑھی گئی بارش نہ ہوئی۔ وہاں کے رؤسا کے پاس بازاری عورتیں آئیں اور اُنہوں نے عرض کیا کہ صاحبو یہ سب ہمارے اعمال کے نتیجے ہیں ہم تبہ کار سیہ رُو ہیں۔ ہماری نحوست سے تمکو بھی یہ پریشانی ہوئی ہم کو اجازت دیدیجیے کہ ہم بھی میدان میں جمع ہو کر توبہ کریں۔ لیکن جب ہم جمع ہوں تو ایسا انتظام کر دیجیے کہ وہاں جنگل میں کوئی شخص ہمارے پاس نہ آئے ایسا نہ ہو کہ بجائے رحمت کے اور زیادہ غضب نازل ہو۔ چنانچہ انتظام کر دیا گیا اور وہ سب وہاں گئیں اور سجدے میں پڑ کر رونا شروع کیا اور کہا کہ اے اللہ یہ ہماری نحوست ہے۔ ہم بہت گنہگار ہیں۔ ہم بہت سیاہ رو ہیں۔ ہماری وجہ سے مخلوق کو پریشان نہ کیجیے اور جو کچھ بن سکا حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا۔ حق تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے۔ ناقل اس حکایت کے یوں کہتے تھے کہ اُنہوں نے سر نہیں اُٹھایا تھا کہ بارش شروع ہوئی اور خوب ہوئی مولانا فرماتے ہیں ؎ ما برون را ننگریم و قال را ٭ ما درون را بنگریم و حال را ٭ یعنی ہم ظاہر کو اور الفاظ کو نہیں دیکھتے۔ اگر الفاظ لمبے چوڑے باضابطہ ہوں لیکن خشک ہوں دل میں کچھ نہ ہو تو حق تعالی کے نزدیک اُنکا کچھ مرتبہ نہیں ہم تو دل کو اور حال کو دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے دکھلا دیا کہ تقویٰ طہارت پر کسیکو ناز نہ ہو ہمارے دربار میں تقویٰ طہارت جب ہی مقبول ہے جبکہ اُسمیں عبدیت اور خشوع خضوع ہو اور خشک تقویٰ ہمارے دربار میں قابل قدر نہیں ہے۔ موضع لوہاری (ف ۳) میں ایک مرتبہ اسیطرح امساک باران کیوجہ سے مسلمانوں نے استسقا کی نماز کی طیاری کی۔ بنیئے دیکھکر کہتے تھے کہ ابکے تو بارش ہے ہی نہیں۔ یہ فضول کوشش کر رہے ہیں۔ مسلمانوں نے دُعا کی کہ اے اللہ ہمکو انکے سامنے ذلیل نہ کر۔ ابھی دُعا ہی میں مشغول تھے کہ بارش شروع ہوئی۔ وہ ہی بنئے کہنے

(ف ۱) صلوٰۃ استسقا کی برکت

(ف ۲) مقام سندیلہ میں نماز استسقا کا واقعہ

(ف ۳) موضع لوہاری کی صلوٰۃ استسقا کا واقعہ

لگے کہ یہ مُلّے (مسلمان) رام جی کو بہت جلدی اچی (راضی) کرلیں ہیں - پس جبکہ باوجود ہماری اتنی کوتاہیوں کے تھوڑی سی توجہ میں بھی رحمت ہوجاتی ہے - تو اگر ہم پوری اپنی اصلاح کرلیں اور دل سے توبہ اور رجوع الی الحق کریں تو کیسے رحمت نہ ہوگی ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد	اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

پس یہ فرض فرض محال ہے کہ ہم سب نیک ہوں اور بارش نہو - اور بالفرض اگر نہ بھی ہو تب بھی یوں نہ کہینگے کہ ناکامی ہوئی - اسکو ناکامی کہنا کامیابی کی حقیقت نہ جاننے سے ہوا ہے - میں کامیابی کی حقیقت بتلاتا ہوں اُس سے ناکامی کا علم ہوجائیگا - صاحبو روپیہ ملجانا - ارزانی کا ہونا - روٹی کا ملنا - ہر شئے کا حسب خواہ ملنا لوگ اسکو کامیابی کہتے ہیں - یاد رکھو یہ کامیابی کی صرف صورت ہے کامیابی کی حقیقت نہیں - چنانچہ میں ایک مثال عرض کرتا ہوں اُس سے آپکو اندازہ ہوگا کہ یہ چیزیں اپنی ماہیت میں کامیابی نہیں ہیں - دو شخص فرض کیجے جاویں ایک شخص تو ایسا ہے کہ ایک لاکھ روپیہ اسکی ملک میں ہے اور جائداد ہے نوکر چاکر غرض سب سامان دُنیا کا اسکو میسر ہے لیکن اسپر ایک مقدمہ فوجداری کا قائم ہوگیا اور اُسمیں پھانسی کا حکم ہوگیا - اور ایک دوسرا شخص ہے جو اُسی کے پڑوس میں رہتا ہے جسکی اوقات یہ ہے کہ وہ ہر کا مزدور ہے - مزدوری کی اور کھا کر اپنے بیوی بچوں میں سو رہا - یہ امیر آدمی ہمیشہ اُسکو تحقیر کی نظر سے دیکھتا تھا - اگر آج اُس امیر کو یوں کہا جاوے کہ تم کو ایک صورت سے خلاصی ہوسکتی ہے وہ یہ ہے کہ تم اپنا سارا سامان اُس شخص کو دیدو - بجائے تمہارے یہ اُس جرم کا اقرار کریگا اور اُسکو پھانسی ہوجاویگی اور تم بچ جاؤگے مگر اسکے بعد ناداری سے تمہاری حالت ایسی ہوجائیگی جیسی اُس شخص کی ہے تو وہ امیر یقیناً یہی کہیگا کہ اس سامان کی کیا حقیقت ہے اگر اس سے دونا بھی میرے پاس ہو اور وہ دیکر میری جان بچے تو میں راضی ہوں - اور اگر اُس غریب کو کہا جائے کہ تمکو اتنا روپیہ اور سامان ملتا ہے لیکن تمہاری جان لی جاویگی - وہ کہیگا کہ جب میری جان ہی گئی تو میں اس سامان کو لیکر کیا کرونگا - سو صاحبو اگر یہ روپیہ اور جائداد اور مکانات ہی کامیابی اور مقصود اصلی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آج اُنکو وہ شخص کامیابی کیوں نہیں سمجھتا اور اُنکے دینے پر کیوں راضی ہے اور وہ غریب آدمی کیوں انکے لینے پر راضی نہیں ہوتا - پس معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں کامیابی کی صورتیں ہیں حقیقت کامیابی کی اور شئے ہے وہ کیا ہے راحت قلب - چونکہ مال سے راحت ہوتی ہے اسلیے وہ مقصود ہے بالذات مقصود نہیں ورنہ ہر حالت میں مقصود ہوتا - چنانچہ اس واقعہ نے ثابت کردیا کہ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم + پس بڑی چیز اور اصلی مقصود راحت قلب ہے اسیواسطے وہ دو لاکھ روپیہ دینے پر بے تکلف اور دل سے راضی بلکہ مصر ہے اور وہ ہر کا مزدور اُن پر تھوکتا بھی نہیں - جب یہ ثابت ہوگیا تو اب ہم اُس شبہ کا جواب دیتے ہیں اور دعوے

کرتے ہیں کہ راحت اور سکون حقیقی جو حقیقت ہے کامیابی کی صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے۔ پس اسلیے میں نے کہا تھا کہ صلاح و تقویٰ کے اختیار کرنے کے بعد اگر بارش وغیرہ بھی نہ ہو اور ظاہراً مصیبت بھی دور نہ ہو تب بھی یوں نہ کہیں گے کہ ناکامی ہوئی۔ اُس حالت میں بھی کامیابی ہی ہے اسلیے کہ اس شخص کو اس مصیبت میں بھی پریشانی نہ ہوگی راحت اور سکون ہی ہوگا۔ اور یہ نرا دعویٰ ہی نہیں ہے کہ راحت منحصر ہے اطاعت میں۔ اہل اطاعت کی حالت کا مشاہدہ کر لیجیے کہ اُن کو کوئی شئے پریشان نہیں کرتی اُن کا قلب ہر وقت مطمئن ہے۔ اور جو کچھ حق تعالیٰ کی جانب سے پیش آتا ہے وہ اُس پر دل سے راضی ہیں خواہ وہ نعمت ہو یا نقمت ہو۔ ارزانی ہو یا گرانی بارش ہو یا نہ ہو اور وہ اسی کو دل سے کامیابی سمجھتے ہیں۔ پس یہ ثابت ہو گیا کہ اگر سب نیک ہوں اور پھر بھی بارش نہ ہو تب بھی اسکو ناکامی نہ کہینگے۔ بلکہ وہی عین کامیابی ہے اسلیے کہ قحط اور امساک باران اُسیوقت مصیبت ہے جبکہ اُس سے پریشانی ہو اور جبکہ وہ ہر حالت میں راضی ہیں تو انکے لیے یہ مصیبت ہی نہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب اگر اصلاح کر لیں تو اُسکا کہنا ہی کیا ہے۔ گر ایک شخص بھی اپنی پوری اصلاح کرلے تو وہی کامیاب ہو جاوے گا اسکو ہرگز پریشانی نہیں رہیگی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں جو راحت ہے وہ کسی شئے میں بھی نہیں ہے وجہ اُسکی یہ ہے کہ اہل اللہ کو حق تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے اور محبت ف۱ وہ شئے ہے کہ تمام تلخیوں کو شیریں کر دیتی ہے اور حق تعالیٰ کی محبت میں یہ اثر کیسے نہ ہوگا۔ مجازی عشق میں یہ اثر ہوتا ہے کہ تکلیف کو راحت بنا دیتا ہے مثلاً کسی پر عاشق ہوں اور آپ چلے جا رہے ہوں کہ پیچھے سے کسی نے ایک گھونسہ بڑی زور سے ایسا رسید کیا کہ بڑی تکلیف و اذیت ہوئی۔ پیچھے پھر کر جو دیکھا تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہ گھونسہ مارنیوالا وہ شخص ہے جسکے دیکھنے کی برسوں سے تمنا تھی اور غیبت میں جسکا نام لیکر دل کو تسلی دیا کرتا تھا جیسے ایک حکایت ہے ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد　در بیابانِ غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتان قلم　می نوشتے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنونِ شیدا چیست ایں　می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشقِ نام لیلےٰ میکنم　خاطرِ خود را تسلی میکنم

جس کا نام ہی بجائے مسمّٰی کے تھا اب وہ سامنے جلوہ افروز ہے۔ اب آپ ہی انصاف کیجیے کہ اس حالت میں کیا اس گھونسہ کی اُسکو تکلیف ہوگی۔ اگر عشق میں سچا ہے تو یوں کہیگا کہ ایک گھونسہ نہیں تم میری ذات گھونسے لگا لو مگر میرے سامنے رہو جسم کو تو اُسکے تکلیف ضرور ہوگی لیکن قلب تو یہی کہیگا ؎ نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت + سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی + اور یہ کہیگا ؎ ناخوش تو خوش بود بر جانِ من + دل فدائے یار دل رنجانِ من + اور یہ کیوں ہے محض اسلیے کہ یہ محبوب کی جانب سے ہے۔ ع از محبت تلخہا شیریں بود + جب مخلوق کی محبت میں حالت یہ ہے تو ؎

[illegible] از سالکانِ طریق	کہ باشند در بحرِ معنی غریق	خوشا وقت شوریدگانِ غمش	اگر ریش بینند و گر مرہمش

ف۱ عشق مجازی کا اثر [illegible]

گدایانے از پادشاہی نفور	بامیدش اندر گدائی صبور	دمادم شراب الم در کشند	وگر تلخ بینند دم در کشند

جبکہ تمہارے جیسا آدمی جو تمہاری مثل خون اور کھال اور گوشت پوست سے بنا ہے تمہاری یہ حالت بنا دیتا ہے تو صاحبو محبوب حقیقی کے عشق میں تو یہ اثر کیسے نہ ہوگا۔ پس کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ بعد اصلاح کے بھی ناکامی ہوتی ہے۔ ف۱ رہی یہ بات کہ اگر محبوب ہی کی یہ مرضی ہو کہ مصیبت میں پھنسا رہے پھر تو کامیابی ہونا اور مصیبت سے نکلنا ممکن ہی نہیں تو پھر کامیابی کدھر سے ہوئی۔ بات یہ ہے کہ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ انکو اطمینان اور چین اور سکون ہر وقت رہتا ہے۔ اسکا نام میں نے باعتبار حقیقت کے کامیابی لکھا ہے۔ یہ تو دعویٰ نہیں کیا کہ مصائب اُن پر نہیں آتے مصائب صوریہ آتے ہیں مگر اُس سے وہ پریشان نہیں ہوتے۔ از جا رفتہ نہیں ہوتے اور کیوں ہوں اسلیے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ بندہ کیواسطے وہی کرتے ہیں جو اُسکے لیے بہتر ہو۔ حق تعالیٰ کو ماں سے زیادہ شفقت ہے؎ طفل می لرزد زنیش احتجام * مادر مشفق ازاں غم شاد کام * خدا تعالیٰ اُنکو مریض رکھیں یا تندرست مفلس رکھیں یا امیر مگر اُنکو ذلیل اور پریشان نہیں کرتے اسکے خلاف کہیں تبلاوتب تبہ کی گنجایش ہے۔ بہرحال ثابت ہوگیا کہ ان مصیبتوں سے بچنے کی تدبیر حقیقی صرف اطاعۃ کاملہ ہے۔ پس اس تدبیر کو اختیار کرو اور دین کیطرف توجہ کرو اور اُسکے طریقہ سے توجہ کرو۔ ف۲ بہت لوگ اسکے متعلق بھی غلطیوں میں مبتلا ہیں یعنی اگر دین کیطرف آتے ہیں تو نئے رنگ سے اور جو اُسکا اصلی طریق ہے اُس طریقہ پر نہیں چلتے۔ مثلاً کسی بزرگ سے کہتے ہیں کہ حضرت کوئی ایسی تدبیر کیجیے کہ گناہ مجھ سے نہ ہوں۔ گویا حضرت کے پاس کوئی زنجیر ہے کہ آپکو اُسمیں جکڑ دینگے تو گویا وہ نرے بزرگ ہی نہیں بلکہ کوتوال یا داروغہ جیل بھی ہیں۔ ف۳ ایک معقولی مولویصاحب تھے اُنکے ملنے کیلیے ایک خانصاحب رئیس آتے اور وہ رئیس مستاجری پر گاؤں لیا کرتے تھے۔ مولویصاحب نے پوچھا خانصاحب گاؤں کا انتظام کس کے سپرد کر آئے۔ خانصاحب نے فرمایا کہ بڑے پیر صاحب کے سپرد کر دیا۔ مولویصاحب نے فرمایا آہاہم تو یہ سمجھا کرتے تھے کہ بڑے پیر صاحب نرے ولی ہیں معلوم ہوا کہ وہ گاؤں کے بدمعاش بھی ہیں۔ ظاہر میں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مولویصاحب بڑے گستاخ تھے اور واقع میں گستاخ وہ خانصاحب تھے کہ بڑے پیر صاحب کو اُنہوں نے ایسے لغو کام کا سمجھا تو ایسے ہی ہمارے بھائی اول تو دین کیطرف متوجہ نہیں ہوتے اور اگر کچھ ضروری شوق ہوتا ہے تو ایسی بیہودہ فرمائشیں کرتے ہیں؎ اگر غفلت سے باز آیا جفا کی * تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی * ف۴ بعضے کہتے ہیں کہ حضرت اپنے سینہ میں سے کچھ دیدیجیے گویا اُنکے پاس کوئی ٹرنک ہے کہ وہ اُسمیں سے نکالکر دیدینگے ایک بزرگ نے اسکے جواب میں کہا تھا کہ جسکے سینہ میں سے تم مانگتے ہو یہ دیکھو کہ اُسکے سینہ میں کیونکر آیا۔ برسوں انہوں نے محنتیں کیں خدمتیں کیں۔ اپنے حظوظ نفسانیہ پر خاک ڈالی جب کچھ ملا۔ سو تم بھی اسیطرح کرو؎ صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے * بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے * بڑی بڑی سفر سے مراد مجاہدے اور مشقتیں ہیں۔ اتنے مجاہدوں کے بعد خامی گئی ہے۔ غرض یہ نرا خبط ہے۔ بعضے دانشمند ایسے لوگوں کا علاج بھی کر دیتے ہیں۔ جیسے ایک ظریف

ف ۱ — اہل اللہ پر جو مصائب آتے ہیں اُن سے وہ پریشان نہیں ہوتے

ف ۲ — لوگ اگر دین کیطرف متوجہ ہوتے ہیں تو بے ڈھنگے [illegible] سے ہوتے ہیں۔

ف ۳ — ایک رئیس کی حکایت

ف ۴ — بعضے کہتے ہیں کہ سینہ میں سے کچھ دیدیجیے۔

ف ۱ ایک خانصاحب اور ظریف کی حکایت

سیاح شاہ صاحب کی نسبت ایک خانصاحب کو خیال ہو گیا کہ یہ کیمیا جانتے ہیں۔ آئے اور بات شروع ہوئی ۔ خانصاحب السلام علیکم ۔ شاہ صاحب وعلیکم السلام ۔ خانصاحب ۔ شاہ صاحب میں نے سنا ہی آپ کیمیا جانتے ہیں ۔ شاہ صاحب ہاں جانتے ہیں ۔ خانصاحب ۔ ہمکو بھی بتلا دو ۔ شاہ صاحب ۔ نہیں بتلاتے تمہارے باوا کے نوکر ہیں ۔ پھر تو خان صاحب کو اور بھی زیادہ اعتقاد بڑھا اور منت کرنے لگے ۔ شاہ صاحب نے کہا کہ خانصاحب جسطرح ہم نے سیکھی ہے اسطرح سیکھو ۔ خدمت کرو ۔ پاؤں دباؤ ۔ حقے بھرو ۔ جو ہم کھلا دیں وہ کھاؤ ۔ اور جو ہم کہیں وہ کرو ۔ اگر کبھی مزاج خوش ہو گا تو دل میں آجاویگا بتا دینگے ۔ خانصاحب راضی ہو گئے ۔ رات ہوئی شاہ صاحب نے کچھ گھاس پھوس اُبال کر خانصاحب کے سامنے رکھدیا ۔ خانصاحب نے ایسا کھانا کب کھایا تھا ذرا ناک چڑھانے لگے ۔ شاہ صاحب نے کہا ابھی تو اوّل ہی منزل ہی ۔ جب خانصاحب نے یہ رنگ دیکھا تو کیمیا سے عمر بھر کیلئے توبہ کی ۔ صاحبو خدمتیں کرو ۔ محنتیں کرو خدا تعالیٰ فضل فرمانے والے ہیں ۔ طلب کا تو یہ حال پھر چاہتے ہو کہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے ملجائے ۔ یہ تو طریق بزرگی کے

ف ۲ بزرگی کے ثمرات لوگوں نے کیا سمجھے

متعلق کلام تھا ۔ اب اُسکے ثمرات کے متعلق لیجیئے کہ بزرگی کے ثمرات اپنے ذہن میں کیا سمجھ رکھے ہیں مثلاً اگر کوئی اچھا خواب نظر آگیا بس یہ بزرگی ہی اور اگر خواب بند ہو گئے ۔ سمجھ گئے کہ بزرگی ہماری جاتی رہی ۔ میرے پاس بہت خطوط خوابوں کے متعلق آتے ہیں ۔ میں تو جواب میں یہ شعر لکھ دیتا ہوں ؎ نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم ۔ جو دریافت کرو بیداری کی حالت پوچھو ۔ خواب تو اگر یہ بھی دیکھ لو کہ سور کا گوشت کھایا ہے واللہ ذرہ برابر تم کو بعد نہیں ہوا ۔ اور اگر خواب میں یہ دیکھو کہ ہم جنت میں ہیں واللہ اس سے کچھ قرب نہیں ہوا ۔ بہرحال کام کرو ۔ کام کرنے سے کچھ ملتا ہے اور سینہ میں کیا دھرا ہی ۔ ہاں سینہ میں تو بلغم ہی وہ

ف ۳ بعضے لوگ دنیا کیلئے بزرگوں کیطرف متوجہ ہوتے ہیں

تم کو دیدینگے ۔ اور بعضے لوگ اس طرح دین کیطرف متوجہ ہوتے ہیں کہ دنیا لیکر بزرگون کے پاس جاتے ہیں کیا معنی کہ بزرگوں کے پاس جاوینگے اور انکا وقت بھی ضائع کرینگے اور دنیا بھر کے قصے وہاں بیان کریں گے ۔ حضرت بمبئی میں یہ ہو رہا ہے ۔ روم میں یہ قصہ ہوا ۔ روس میں یہ واقعہ ہوا ۔ صاحبو تم کو روم روس کے قصوں سے کیا لینا ہے ۔ خود تمہارے اندر ایک روم روس ہی کہ اُنمیں روزانہ جنگ ہتا ہی ۔ مولانا فرماتے ہیں ؎ اے برادر عقل یکدم باخود آر ٭ دمبدم در تو خزان است و بہار ٭ ؎ ستم ست اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن درآ ٭ تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درآ ٭ حکیم سنائی کہتے ہیں ؎ آسمان ہاست در ولایت جان ٭ کار فرمائے آسمان جہان ٭ در رہ روح پست و بالا ہاست ٭ کوہ ہائے بلند و صحرا ہاست ٭ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎ وانت الکتاب المبین الذی ٭ باحرفہ یظہر المضمر ٭ وتزعم انک جرم صغیر ٭ وفیک انطوی العالم الاکبر ٭ صاحبو تمہارے اندر سب کچھ ہے روم بھی ہی روس بھی ہے ۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہاں مکان بنے ہوئے ہیں مقصود یہ ہے کہ جب تم روم روس کی لڑائی دیکھو یا سنو تو اپنے اندر روح و نفس کی لڑائی کے متعلق بھی غور کیا کرو کہ تم

تمہارا نفس غالب ہے یا روح غالب ہے۔ یہ کیا ظلم و ستم ہے کہ بیرونی لڑائیوں کے تو تذکرے کرو اور اپنے اندر جو لڑائی ہے اُس سے غفلت ہو۔ ع ما قصہ اسکندر و دارا نخواندہ ایم + از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس ؎ یاد رکھو اگر اس سے غفلت میں رہے تو بہت پچھتاؤ گے۔ یہاں تو ناکامی ہو ہی رہی ہے وہاں بھی ناکام ہو گے بہت جلدی اصلاح کر لو۔ اس آیت میں اسکا طریقہ مذکور ہے اور وہ طریقہ[ف۱] مرکب ہے دو جزو سے اور ان دونوں میں ترتیب بھی ہے۔ اوّل تو یہ ہے کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ مگر معافی[ف۲] مانگنا یہ نہیں کہ صرف زبان کی استغفر اللہ استغفر اللہ کہہ لیا۔ یہ تو نقل ہے معافی مانگنے کی۔ جیسے کسی فارسی دیہاتی نے کسی واعظ سے سُنا کہ بے وضو نماز نہیں ہوتی تو آپ فرماتے ہیں بارہا کردیم شد تو نماز "نام اٹھنے بیٹھنے کا سمجھے۔ ہمارے اُستاد مولانا محمد یعقوب صاحب سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ ایک عورت اور مرد میں یہ رشتہ ہے انکا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ نہیں ہو سکتا۔ کہنے لگا کہ ہمنے تو کیا تھا ہو گیا۔ نہ ہونے کا مطلب یہ سمجھا کہ الفاظ ایجاب و قبول کے منہ سے نہ نکل سکینگے۔ بس جیسی یہ نماز اور نکاح ہوا تھا ایسے ہی ہم لوگوں کا استغفار بھی ہے۔ صاحبو ہر گناہ کے استغفار کا طریقہ جدا ہے۔ گناہوں کو دیکھو کہ کیا ہیں۔ اگر حقوق العباد[ف۳] ہیں اُنکی استغفار یہ ہے کہ انکو ادا کرو اُنکی معافی استغفار پڑھنے سے نہ ہوگی۔ اگر روزے نماز ذمہ رہیں اُنکی استغفار یہ ہے کہ اُنکی قضا کرو۔ اگر گناہ ہیں اُنکی توبہ کا طریقہ استغفار بندامت پڑھنا ہے۔ نیز توبہ و استغفار کے لوازم میں سے ہے معاصی کا ترک کرنا خواہ دیانات کے متعلق ہوں یا معاملات کے۔ مثلاً آجکل اکثر لوگ آمدنی و خرچ کے طریقوں میں حدود شریعت کا لحاظ نہیں رکھتے۔ اس زمانہ[ف۴] میں آمدنی کے بہت سے طریقے خلاف شرع شائع ہوئے ہیں کہ جوئے یا ربوا سے خالی نہیں۔ دیوالی کی رات میں جو جوا کھیلا جاتا ہے اسکو تو برا سمجھتے ہیں لیکن آجکل سٹہ جو چل رہا ہے اس سے پرہیز نہیں کرتے۔ ان سٹہ والوں میں بہت لوگ ایسے ہیں کہ نمازی اور داڑھی لمبی ٹخنوں سے اوپر پاجامہ ہاتھ میں تسبیح بڑے متقی۔ لیکن سٹہ سے اُنکا تقوی نہیں ٹوٹتا۔ یاد رکھو یہ بالکل جوا ہے اسیطرح چٹھیاں جو پڑتی ہیں یہ بھی جوا ہے۔ اس سے بڑھکر بیمہ کمپنیاں جو نکلی ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ اُنکے تو شروع ہی میں بیم آگیا ہے۔ (یہ لطیفہ ہے جامع) اور شادی فنڈ اور جان بیما اور ایک قسم کے ٹکٹ کی تقسیم کا سلسلہ یہ سب حرام و قمار و جوا اور ربوا ہیں۔ اور ان میں سخت دھوکہ بھی ہے۔ شریعت میں کوئی معاملہ پیچیدہ نہیں اور ان طریقوں میں سخت پیچیدگی اور دھوکہ ہے۔ یہ تو آمدنی کے طریق ہیں اور خرچ[ف۵] کے اندر تو کچھ پاک ہی نہیں جہاں چاہتے ہیں تنعمات میں فضول سامان میں ناموری کے کاموں میں بے دھڑک خرچ کرتے ہیں سمجھتے ہیں اپنی شے ہے جسطرح چاہیں صرف کریں۔ اور سب سے زیادہ[ف۶] گندہ مصرف جو اس شہر میں کثرت سے ہے کوکین کھانا ہے۔ اس کوکین کی بدولت سینکڑوں گھر برباد ہو گئے۔ ظاہر میں تو ذرا سی چیز ہے لیکن مفاسد اسکے کثیر ہیں۔ شیطان کا شیرہ[ف۷] ہے۔ شیطان کو

ف۱ طریقہ اصلاح کے دو جزو استغفار و اطاعت
ف۲ استغفار کی حقیقت
ف۳ حقوق العباد کی استغفار کیا ہے
ف۴ اس زمانہ میں آمدنی کے حرام طریق بہت شائع ہوئے ہیں
ف۵ خرچ کے طریقوں میں بھی بہت طریق خلاف شرع ہیں
ف۶ کوکین کھانے کی خرابیاں
ف۷ شیطان کی مسخری کی حکایت

کسی نے کہا تھا کہ تو بڑا ملعون ہے گناہ کراتا ہے۔ اُس نے کہا میں کیا گناہ کراتا ہوں میں تو ایک ذرا سی بات کرتا ہوں لوگ اُسکو بڑھا دیتے ہیں۔ دیکھو میں تم کو تماشا دکھلاتا ہوں۔ ایک دوکان پر پہونچے۔ ایک انگلی شیرہ کی بھر کر دیوار کو لگا دی اُسپر ایک مکھی آبیٹھی ایک چھپکلی اُسپر جھپٹی اُسپر دوکاندار کی بلی دوڑی اُسپر ایک خریدار کا جو کہ فوجی سوار تھا کُتا لپکا۔ دوکاندار نے اُس کُتے کے ایک لکڑی ماری۔ سوار کو غصہ آیا اُس نے دوکاندار کے ایک تلوار ماری۔ بازار والوں نے انتقام میں سوار کو قتل کر ڈالا۔ فوج میں خبر ہوئی فوج والوں نے بازار کو گھیر کر قتل عام شروع کر دیا۔ بادشاہ وقت نے دوسری فوج سے ان ظالموں کو سزا میں قتل کرانا شروع کر دیا۔ ایک گھنٹہ میں تمام شہر میں خون کے ندی نالے بہہ گئے۔ شیطان نے کہا دیکھا میں نے کیا کیا تھا اور لوگوں نے اُسکو کہاں تک پہونچایا۔ اسیطرح[ف۱] یہ کوکین بھی شیطان کا شیرہ ہے جبتک اپنے پاس روپیہ رہتا ہے اُسکی خرید کر کھاتے ہیں جب وہ ختم ہو جاتا ہے تو اثاث البیت بیچکر کام چلاتے ہیں جب وہ بھی ختم ہو گیا تو بیوی کا زیور۔ پھر جائداد اور گھر غرض سب اُڑا دیتے ہیں۔ جب اپنا سرمایہ ختم ہو لیا پھر پڑوسیوں پر صفایا شروع کر دیا۔ کسی کے برتن اُٹھالیے کسی کے یہاں نقب دیدی۔ آخر جیلخانہ میں چلے جاتے ہیں وہاں مفت کی روٹیاں کھاتے ہیں گھر رہتے ہیں تو کچھ فکر بھی تھی وہاں کچھ فکر ہی نہیں۔ بعضے ایسے بیحیا ہوتے ہیں کہ جیلخانہ سے جب چھوٹتے ہیں تو کہکر آتے ہیں کہ ہمارا چولہا باقی رکھنا ہم پھر آوینگے۔ غرض یہ کوکین بڑی بلا کی شئے ہے اور ہزاروں اِسمیں مبتلا ہیں اور تعجب ہے کہ سب بلائیں اور مصیبتیں اُٹھاتے ہیں لیکن چھوڑتے نہیں لوگ کہتے ہیں کہ چھوٹتی نہیں۔ صاحبو جب ہمّت قوی کر لیجاوے تو سب چھوٹ جاتی ہے ٭

حضرت[ف۲] مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ایک گاؤں کا رہنے والا مرید ہونے کیلیے آیا۔ حضرت نے کلمات بیعت کے کہ جنکا حاصل معاصی سے توبہ ہے کہلا دیے۔ جب توبہ کر لی تو کہتا ہے کہ مولوی جی افیم سے تو توبہ کرائی ہی نہیں۔ حضرت نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ تو افیون کھاتا ہے۔ اچھا یہ بتلا کتنی کھایا کرتا ہے جسقدر رکھاتا ہو میرے ہاتھ پر رکھدے۔ مگر اُسنے جیب میں سے افیون کی ڈبیہ نکال دُور پھینکی کہ مولوی جی جب توبہ ہی کر لی اب کیا کھاوینگے۔ گھر گیا تو دست شروع ہوئے اُس نے مولانا سے کہلا کر بھیجا کہ حضرت دُعا کیجئے اچھا ہو جاؤں۔ چند روز کے بعد تندرست ہو کر پھر آیا۔ دو روپیہ حضرت کی خدمت میں پیش کیے۔ حضرت نے بعد انکار کے اُسکے اصرار سے قبول فرمائے۔ کہتا ہے مولوی جی یہ تو آپنے پوچھا ہی نہیں کہ یہ روپیہ کیسے ہیں۔ حضرت نے دریافت فرمایا بتلاؤ کیسے ہیں۔ کہا افیم کے ہیں۔ پوچھا افیم کے کیسے۔ کہنے لگا کہ میں دو روپیہ ماہوار کی افیون کھاتا تھا۔ جب میں نے افیون چھوڑی تو میرا نفس بہت خوش ہوا کہ دو روپیہ بچیں گے۔ میں نے کہا کہ میں تیرے لیے نہیں بچاؤنگا۔ میں یہ دو روپیہ اپنے پیر کو دونگا ٭

ف۱ کوکین شیطان کے شیرہ سے کم نہیں

ف۲ حضرت مولانا گنگوہی کے باہمت مرید کا قصہ

بظاہر لوگ اس گنوار کو اسکی گفتگو سے غیر مہذب سمجھے ہونگے - حضرت تہذیب نام لکھنؤ اور دہلی کے الفاظ کا نہیں ہے، وہ تغذیب ہے - تہذیب نام ہے تہذیب نفس کا جسکا بڑا شعبہ خلوص ہے جو اس گنوار میں کمال کے ساتھ حاصل تھا - سو آپ نے الفاظ کو تو دیکھا لیکن یہ نہ دیکھا کہ اس گنوار میں کس درجہ کا خلوص اور تکلف اور تصنع سے کتنا دُور تھا کہ جو بات تھی بلا تکلف سب کہدی - مولانا فرماتے ہیں ؎ ما بروں را ننگریم وقال را + ما دروں را بنگریم وحال را + اور اس گنوار کی قوت علمی و عملی پر غور فرمایئے کہ کس درجہ تھی - قوت علمی تو فہم اسبات کا کہ نفس کے خلاف کرنا چاہیئے اور عملی قوت یہ کہ ایکدم سے ایک مدّت کی عادت کو جو سالہا سال کے مجاہدہ سے بھی نہیں چھوٹتی چھوڑ دی - بہر حال یہ نفس کے حیلہ حوالے ہیں - جب آدمی دل سے ہمّت کرتا ہے اور قصد کرتا ہے کسی کام کے چھوڑنے کا تو حق تعالیٰ ضرور امداد کرتے ہیں - پس کوکین بھی ہمت کر کے چھوڑ دو - اسیطرح اور سب بیہودہ اخراجات ترک کرو - خلاصہ یہ ہے کہ آمدنی اور خرچ کے طرق کی بھی اصلاح کیجئے - نیز توبہ و استغفار کا ایک شعبہ اخلاق ذمیمہ کی بھی اصلاح ہو - ایک ٹول آیت یعنی اصلاح کے دو جزو میں سے ایک جزو میں تو کلام ہو چکا اب فـ۱ دوسرا جزو اصلاح کا جو آیت میں مذکور ہے یہ ہے ثمّ توبوا الیہ یعنی پھر بعد استغفار کے حق تعالیٰ کیطرف طاعت کیساتھ رجوع ہو جاؤ - یہ بھی توبہ کے لوازم سے ہے - آگے اس فـ۲ اصلاح کا ثمرہ بیان فرماتے ہیں یرسل السماء علیکم مدرارا یعنی تم پر بارش بہت برسنے والی بھیجیگا - یہ بارش خواہ ظاہر میں ہو یا اگر ظاہر میں دیر بھی ہوگئی تو اُس بارش کی روح تو ضرور ہی ہوگی اور اُسکو باطن کی بارش کہنا چاہیئے - یعنی قلب پر رحمت کی بارش ہوگی جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے کہ کامیابی کی غایت طمانیت قلب و راحت روح ہے - ویزدکم قوۃ الیٰ قوتکم یعنی دوسرا ثمرہ یہ ہوگا کہ تمہاری موجودہ قوۃ کو بڑھا دینگے - اسوقت تو قوت مالی و جاہی ہے اس اصلاح کے بعد قوت قلب عطا فرمادینگے - پھر جو بھی مصیبت آئیگی وہ صورت مصیبت ہوگی اور حقیقت میں یہ حالت ہوگی کہ اُس مصیبت پر ہزار راحتیں قربان کروگے اور زبان حال سے کہوگے ع ہر چہ از دوست میرسد نیکوست + فـ۳ آگے ارشاد ہے ولا تتولوا مجرمین یعنی اعراض مت کرو مجرم ہو کر مطلق ولا تتولوا نہیں فرمایا اسلیئے کہ تولی کی دو قسمیں ہیں ایک صورت تولی ایک حقیقت تولی - صورۃً تو یہ کہ بشریت سے غلطی ہوگئی - ایسی غلطیوں سے انسان بچ نہیں سکتا اور حقیقت تولی ہوتی ہے مقابلانہ و باغیانہ - تو فرماتے ہیں کہ باغیانہ تولی مت کرو یعنی باغی مت بنو اور گناہ سے تو کیسے پاک ہو سکتے ہیں - لیکن اگر گناہ ہو جائے تو ساتھ کے ساتھ توبہ کر لو - حدیث شریف میں ہے کلکم خطاؤن وخیر الخطائین التوابون یعنی تم سب خطاوار ہو اور بہتر خطاوار توبہ کرنیوالے ہیں + فـ۴ یہ تعلیم ہے حق تعالیٰ کی اور یہ طریقہ وہ ہے کہ جس سے قومی مالی جسمی دینی دنیوی ترقی ہوتی ہے اسکو پلے باندھو - یاد رکھو کہ ہماری دنیوی فلاح دین کیساتھ وابستہ ہے جب کبھی اسکے خلاف ہوا ہے تنزل اور پستی اور ادبار اور قحط سب ہی بلائیں مسلط ہو جاتی ہیں - اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ حقتعالیٰ توفیق عطا فرماویں - آمین ثم آمین +

علاج

فـ۱ دوسرے جزو اصلاح کا بیان

فـ۲ اصلاح کا ثمرہ

فـ۳ ...

فـ۴ ...

وعظ ملقب بہ فوائد الصحبۃ

اَیْنَ	مَتٰی	کَمْ	کَیْفَ	مَاذَا	مَنْ ضَبَطَ	اَلْمُسْتَمِعُوْنَ	اَشْتَات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کتنے تھے	متفرقات
کاندھلہ مکان مولوی رضی الحسن صاحب	۱۰ - ذیقعدہ ۱۳۳۰ ہجری یوم جمعہ	بعد نماز جمعہ مغرب تک باستثنائے مقدار ادائے عصر	کھڑے ہو کر	ضرورت صحبت و مراجعت اہل تحقیق و اہل تربیت	سعید احمد تھانوی مرحوم	تقریباً تین سو سے زائد	اکثر معزز تعلیم یافتہ شریک رہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا ہ

یہ ایک آیت ہے سورہ کہف کی اسمیں ایک نہایت ضروری مضمون مذکور ہے - اور وہ ایسا مضمون ہے کہ اسکی ضرورت عام ہے - عوام و خواص سب کیلئے - اور ظاہر ہے کہ ایسا مضمون جسکی ضرورت عوام و خواص سب سے متعلق ہو نہایت ہی ضروری ہوگا - تفصیل اسکی یہ ہے کہ ضرورتیں بعض تو صرف عوام کے متعلق ہوتی ہیں اور بعض صرف خواص کے - اور بعض عوام و خواص دونوں میں مشترک ہوتی ہیں اور ہرچند کہ پہلی دونوں ضرورتیں بھی اپنے اپنے درجہ میں ضروری ہوتی ہیں لیکن جو ضرورت مشترک ہو وہ نہایت ہی ضروری ہوگی - نیز دوسری وجہ اسکے اہم ہونے کی یہ بھی ہے کہ قاعدہ ہے کہ بعض ضرورتیں

کی تو اہلِ ضرورت کو اطلاع ہوتی ہے مگر کسی وجہ سے اُس پر عمل کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے۔ اور بعض کی تو اطلاع ہی نہیں ہوتی۔ تو یہ بعضے امور ایسے ہوتے ہیں کہ وہ عوام کے نزدیک نہایت ہی خفیف ہوتے ہیں لیکن واقفین حقائق کے نزدیک وہ نہایت ہی اہم ہوتے ہیں۔ اسیطرح اعمال اور امراض میں بھی بعض تو ایسے ہیں کہ اُن کی سب کو اطلاع ہے اور گو وہ بھی ضروری ہوتے ہیں مگر زیادہ ضروری وہ ہیں جن کی اطلاع ہی نہ ہو۔ اِس آیت میں ایسا ہی مضمون بیان کیا گیا ہے جسکی ضرورت مشترکہ کے ساتھ خود خبر بھی بہت کم لوگوں کو ہے۔ اور یہ بیخبری کا دعویٰ یا تو لوگوں کے عقیدے سے دریافت کر لیجئے کہ اِس مضمون کے متعلق کیا عقیدہ ہے۔ یا طرز عمل سے کیونکہ جس امر کے ساتھ غیر ضروری کا سا برتاؤ کیا جاویگا یہی سمجھا جاویگا کہ اسکی ضرورت کی اطلاع ہی نہیں۔ خاص کر جبکہ عقیدہ بھی کسی درجے میں شہادت دے۔ مَیں اس مضمون کی اجمالی تعیین کیئے دیتا ہوں پھر ترجمہ سے تفصیلاً بھی متعین ہو جاوے گا مگر ترجمے سے قبل اس کے شانِ نزول کا بیان کر دینا مناسب ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو شفقت اُمّت پر ہے حتیّٰ کہ اُمّت دعوت پر بھی اس کا پتہ کتب سیر و تواریخ و احادیث سے چل سکتا ہے۔ اِن کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے انتہا شفقت تھی سب پر اور اثر اُس شفقت کا یہ تھا کہ آپ ہر وقت سوچتے رہتے تھے کہ اُمّت کو کس طرح نفع پہونچے۔ اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس سوچنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی کوئی خاص غرض تھی یا اپنے کسی خاص نفع کی تحصیل مقصود تھی ہرگز نہیں بلکہ محض اُمت کے نفع اور اسکی بہبودی کے لیے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اِس تدبر و تبلیغ پر بغیر قصد ثواب مرتب ہو جاوے اور اس طرح حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نفع پہونچے۔ لیکن یہ نفع حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ کے وقت پیش نظر نہ تھا۔ اور اسی نفع اجر تبلیغ کی بنا پر خدا تعالےٰ نے اُن کفار کے متعلق جن سے بالکل یاس ہو گیا تھا یہ فرمایا کہ سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ یہ نہیں فرمایا کہ سَوَآءٌ عَلَیۡکَ کیونکہ آپ کے لیے انذار و عدم انذار مساوی نہیں تھا بلکہ انذار پر ثواب مرتب ہوا جو کہ عدم انذار کی صورت میں نہ ہوتا اور یہیں سے اہل علم کے نزدیک اِس اعتراض کا بھی جواب ہو جاویگا کہ جب آپ کا انذار و عدم انذار مساوی تھا تو ایک عبث فعل آپ کے کیوں سپرد ہوا حاصل جواب کا یہ ہے کہ عبث تو اُسوقت کہا جا سکتا تھا کہ جب آپ کے حق میں بھی برابر ہوتا اور جبکہ آپ کے حق میں برابر نہ تھا لترتب[1] الثواب علی الانذار وانتفائہ علی عدمہ تو یہ فعل عبث نہ رہا۔ غرض ایں

[1] یہ سبب ثواب مرتب ہونیکے ڈرانے پر اور نہ مرتب ہونا نہ ڈرانے پر ۱۲

امت پر حضور کی شفقت

[illegible]

حضور کا انذار سے مقصود ثواب نہ تھا

توشبہ نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ و انذار پر ثواب تو ملتا ہے لیکن گفتگو یہ ہے کہ یہ ثواب آپ کی نظر میں بھی انذار سے مقصود تھا یا نہیں تو حضور کی شفقت دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محض ثواب مقصود نہ تھا کیونکہ اگر آپ کو محض ثواب مقصود ہوتا تو اسقدر دلسوزی کی کیا وجہ تھی - ثواب تو صرف تبلیغ پر بھی مرتب ہو جاتا تھا جس کے باب میں قرآن مجید میں ارشاد ہے - لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ[ف۱] اور وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ[ف۲] اور لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ[ف۳] ان سب آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بیحد غم تھا اُن لوگوں کے ایمان نہ لانے کا - چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو صاف لفظوں میں ارشاد بھی فرمایا - حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میری تمہاری ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی نے آگ روشن کی ہو اور پروانے گرتے ہوں وہ شخص اُن پروانوں کو ہٹاتا ہو لیکن وہ اُسپر غالب آئے جاتے ہوں اسیطرح تم لوگ دوزخ کی آگ میں جان جان کر گرتے ہو اور میں تمہاری کمریں پکڑ پکڑ ہٹاتا ہوں لیکن تم مجھ پر غالب آئے جاتے ہو اور اسمیں گھسے جاتے ہو - اِن الفاظ سے ہر زبان دان کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ زیادہ مقصود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تھا کہ یہ لوگ آگ سے بچیں اور یہی وجہ تھی کہ اگر کوئی ایسی تجویز آپکے روبرو پیش کیجاتی جس سے آپ کو اپنے مقصود حاصل ہونے کی اُمید ہوتی ہو تو آپ اسکو بہت جلد قبول فرما لیتے تھے -

حضرت نبوی میں مشرکین کی ایک لایعنی درخواست

اسی غرض سے کفار مشرکین کو ایک شرارت سُوجھی اور انہوں نے دق کرنے کے لئے ایک مشغلہ نکالا - جیسے آج کل مصلحین کے ساتھ کیا جاتا ہے - چنانچہ کفار نے کہا کہ یارسول اللہ (یہ تو کیوں کہا ہو گا یا محمد کہا ہو گا) ہم آپ کے پاس آیا کریں تو کچھ سُن لیں لیکن چونکہ آپ کے پاس غربا کا مجمع رہتا ہے جن کے پاس بیٹھتے ہوئے ہمیں عار آتی ہے اسلئے ہم نہیں بیٹھتے - اگر آپ ان کو علیحدہ کر دیا کریں اور ہمارے لیے ایک مستقل مجلس علیحدہ کر دیں اور جسوقت ہم آیا کریں اُن کو اُٹھا دیا کریں - کیونکہ ہمارے پاس بیٹھکر اُن کا حوصلہ بڑھیگا - تو ہم حاضر ہوا کریں - اور اس سے انکو یہ ہرگز مقصود نہ تھا کہ ہم مسلمان ہو جائینگے -

---

ف۱ شاید آپ اپنی جان کو ہلاک کرنیوالے ہیں اس وجہ سے کہ یہ ایمان لانیوالے نہیں ہیں ۱۲

ف۲ آپ ان پر وکیل نہیں ہیں ۱۲

ف۳ دوزخ والوں کی نسبت آپ سے سوال نہ ہوگا ۱۲

ف۴ ثم اٰمن بعض منھم بعدہٗ ۱۲ منہ

بلکہ محض وقتی کرنا منظور تھا کہ تھوڑی دیر احباب میں مفارقت ہی رہیگی - کیونکہ صحابہ کرام کو وہ محبت تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ کسی کو نہیں ہوئی - اور یہی سبب تھا اطاعت کاملہ کا ورنہ اگر کامل محبت نہ ہو تو اطاعت کاملہ ہو نہیں سکتی - آج کل اکثر دینداروں میں بھی محض ضابطہ کی محبت ہے، صاحبو بہت بڑا فرق ہے ضابطہ کی محبت میں اور جوش کی محبت میں - اول میں کوئی نہ کوئی غرض پنہاں ہوتی ہے اور اُسمیں ضرور فروگذاشت ہوجاتی ہے وہ محض مصلحت پر مبنی ہوتی ہے - اور بسا اوقات ایک مصلحت کے قائم مقام دوسری مصلحت ہوجاتی ہے تو نفس کہتا ہے کہ مقصود تو آگ سے بچنا ہے اِس گناہ کو کرلو اس کے بعد توبہ کرلینا تو آگ سے تو اس طرح بھی بچ جاؤگے اور یہی وجہ ہے کہ ہم کو ہمارے نفس نے دلیر کردیا ہے تو آگ سے بچنے کی مصلحت ایک محرک عقلی ہے جس پر تقاضائے نفس غالب آسکتا ہے اور محبت محرک طبعی ہے کہ اگر یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ ترک اطاعت پر عذاب ہوگا تو بھی مخالفت سے شرماتا ہے - کیونکہ وہاں داعی الی الاطاعۃ طبعی ہوجاتا ہے - اسی لیے فرماتے ہیں ؎

ضمارہ قلندر سزاوار بمن نمائی	کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

تو صحابہؓ کا اطوع الخلق ہونا اسیوجہ سے ہے کہ وہ عاشق تھے نری مصلحت بین نہ تھے اُنکی یہ حالت تھی ؎

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار	کار ملک ست آنکہ تدبیر و تحمل بایدش

اُن کی اطاعت پر مصلحت بھی مرتب ہوجاتی تھی لیکن محبت اور اطاعت مصلحت پر مبنی نہ تھی اُنکی یہ حالت تھی کہ اگر مخالفت کرنا بھی چاہتے تو نہیں ہوسکتی تھی - صحابہؓ کی محبت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے پختہ مکان ڈاٹ دار کسی مصلحت سے بنالیا کہ وہ مصلحت ضرورت کے درجے میں نہ تھی گو اُنہوں نے کسی درجے میں ضروری سمجھا ہو اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ایک مرتبہ اُسطرف کو ہوا - حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس مکان کو دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کس کا مکان ہے صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ فلاں شخص کا ہے - حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا - اور واپس تشریف لے آئے - جب صاحب مکان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو اُنہوں نے سلام عرض کیا - حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کیطرف سے مُنھ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے آئے آپنے اُدھر سے بھی مُنھ پھیر لیا - اب تو اُن کو بہت فکر ہوئی - اُنہوں نے دوسرے صحابہؓ سے دریافت کیا تو اُنہوں نے کہا کہ کوئی خاص بات تو ہمکو معلوم نہیں ہاں اتنا ضرور ہوا تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے

فرق درمیان محبت ضابطہ و محبت جوش کے

صحابہ کی محبت کا ایک واقعہ

مکان کیطرف تشریف لیگئے تھے اور تمہارے مکان کو دیکھ کر دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ ہمنے تبلا دیا تھا اسپر حضور نے کچھ فرمایا تو نہیں لیکن اسوقت سے خاموش ہیں۔ دیکھئے اس حدیث میں کہیں تصریح نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکان کی بابت کچھ بھی فرمایا ہو اسلیئے اُس صاحب مکان کے پاس اس یقین کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی کبیدگی کی وجہ یہ مکان ہی ہو۔ آج کل کی عقل کا تو جس کی نسبت کسی کا قول ہے ؎ آزمودم عقل دُور اندیش را ۔ بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را ۔ یہ فتوٰی ہوتا کہ پوچھ تو لیتے یہی وجہ ناراضی کی ہے یا کچھ اور۔ اگر یہی ہو تو خیر اسکو گرا دیں۔ بلکہ آجکل تو اسپر بھی اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ پوچھا جاتا کہ حضور اس میں خرابی کیا ہے۔ یہ تو فلاں فلاں مصلحتوں پر مبنی ہے۔ جیسا آجکل ورثۃ الانبیاء کیساتھ اُن کے احکام خداوندی پہونچانے کے وقت اور منکرات پر تنبیہ کرنے کے وقت معاملہ کیا جارہا ہے۔ تو صحابۂ کرامؓ بھی ایسا کر سکتے تھے کہ حضور سے اس حکم کے اسرار دریافت کرتے۔ جیسا آجکل دریافت کیے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو اسرار کی اطلاع بھی تھی علماء کو تو اسرار کی خبر بھی نہیں یہ تو قانون کے عالم ہیں نہ کہ اسرار قانون کے عالم تو اس صورت میں علماء سے اسرار کا دریافت کرنا ہی غلطی ہے لیکن حضور صلے اللہ علیہ آلہ وسلم تو صاحب وحی ہیں آپ کو تو اگر بالفرض اسرار کی اطلاع نہ بھی ہوتی تو خدا تعالیٰ سے پوچھ کر تبلادیتے لیکن اُن صحابی نے ان سب کو نظر انداز کر کے وجہ خفگی کی تعیین کی بھی تو ضرورت نہیں سمجھی بلکہ جس میں ذرا سا بھی احتمال سبب غضب ہونیکا انکو ہوا اُسکو خاک میں ملا دیا یعنے اُسیوقت جا کر مکان کو زمین کے برابر کر دیا۔ شاید آجکل کے عقلاء اس حرکت کو خلاف عقل تبلادیں کہ محض احتمال پر اتنا مال ضائع کر دیا لیکن اگر خلاف عقل ہوتا تو حضور اُسکے گرانے پر ناخوش ہوتے۔ غرض اُنہوں نے فوراً مکان گرا دیا اور پھر گرا کر حضور صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کو اطلاع بھی نہیں کی بلکہ اپنی قسمت پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے کہ جسطرح حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے اتفاقاً مکان کو دیکھ لیا تھا اسیطرح میرے گرانے کی اطلاع بھی اگر حضور صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کی خوشنودی میری قسمت میں ہے تو اتفاقاً حضور صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کو ہو جاویگی۔ کیونکہ جانتے تھے کہ اطلاع تو جب کروں جب حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکان گرانے کا کچھ احسان ہو۔ یہ تو محض اپنی ہی بھلائی ہو۔ قُل[له] لَّا تَمُنُّوا عَلَیَّ اِسۡلَامَکُمۡ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ ہَدٰىکُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ۞

غرض حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا پھر اُسطرف جو گذر ہوا آپنے فرمایا کہ وہ مکان کیا ہوا صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صاحب مکان کو جب حضور کی خفگی کی اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے فوراً ہی آکر مکان کو

[له] اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ ہی تم پر احسان رکھتا ہے کہ تمکو ایمان کی ہدایت فرمائی اگر تم سچے ہو۔

صحابہؓ کی لغزشیں سب معاف ہیں

گرادیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکو سُنکر بہت خوش ہوئے اور زیادتی تعمیر کی مذمت فرمائی - اب یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ کتنی تعمیر ضروری ہو جو یہاں مذکور نہیں - تو صحابہ کرام کی محبت کا یہ عالم تھا اور اِس محبت کا مقتضےٰ یہ بھی ہے کہ صحابہؓ کی زلات بالکل معاف ہوں - دیکھیئے اگر کسی جان نثار خادم سے کبھی کوئی غلطی ہوجاتی ہے تو اُس کی پرواہ بھی نہیں کیا کرتے - ابھی حال ہی میں ایک واقعہ ہوا کہ ایک صاحب کے بدن میں ایک گہرا زخم ہوگیا تھا ڈاکٹر نے دیکھ کر کہا کہ اِس زخم میں اگر کسی آدمی کا گوشت لیکر بھرا جائے تو یہ برابر ہوجاوے - اُن صاحب کا ایک نوکر اُسوقت موجود تھا کہنے لگا کہ میری ران میں سے جسقدر گوشت کیضرورت ہو لے لیا جاوے - اب تلایئے کہ اگر اس خادم سے کبھی کوئی سرسری لغزش ہوجاوے تو کیا وہ آقا اُس پر مواخذہ کریگا ہرگز نہیں - پس یہی وجہ ہے کہ صحابہ پر طعن کرنا جائز نہیں - صاحبو! جو مشاجرات صحابہؓ سے منقول ہیں اور جتنی لغزشیں ہوئی ہیں اگر اُن سے

تفصیل مشاجرات صحابہؓ کا نہایت قابل اطمینان جواب

دس حصہ زیادہ ہوتیں وہ بھی معاف تھیں عضب کی بات ہے کہ آپ اپنے کو قدردان سمجھتے ہیں کہ وفادار جان نثار کی لغزش کو قابل معافی سمجھتے ہیں اور خداؐ اور رسولؐ کو اتنا بھی قدردان نہیں سمجھتے اسی سے ہم بلا تامل کہتے ہیں کہ الصحابۃ کلھم عدول[1] اور اس حدیث پر اعتماد رکھیں گے کہ لا یمس النار من رانی[2] اور اگر صحابہؓ کے بعض افعال زلت ہیں تو ہم اُن کی نسبت کہیں گے ؎ خون شہیداں را ز آب اولی ترست - ایں خطا از صد ثواب اولی ترست ؛

صحابہ رضی اللہ عنہم کی جان نثاری کا دوسرا واقعہ

غرض صحابہؓ کی یہ شان تھی اور اُن کی اِس محبت کا علم اور اندازہ اُن کفار کو بھی تھا چنانچہ جب حدیبیہ کی صلح ہوئی ہے اور علی سبیل التعاقب روسار کفار مسلمانوں میں آئے ہیں تو ایک رئیس نے جاکر اپنی قوم سے کہا ہے کہ میں نے بڑے بڑے شاہان دُنیا کا دربار دیکھا ہے - کسریٰ اور قیصر کے درباروں میں شریک ہوا ہوں مگر کسی کے حشم و خدم کو میں نے اتنا مطیع نہیں دیکھا جسقدر کہ صحاب محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) مطیع ہیں - یہ حالت ہے کہ اگر آپ تھوک پھینکتے ہیں تو وہ زمین پر نہیں گرتا اور جب وضو کرتے ہیں تو اُس کا غسالہ لوگ اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور اگر کسی کو نہیں ملتا تو وہ دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ ملکر اپنے منھ پر پھیر لیتا ہے گویا وہ حالت تھی ؎

مرا از زلف تو موئے بسند ست
ہوس را رہ مدہ بوی بسند ست

---

[1] صحابہ سب کے سب عادل ہیں "

[2] جس شخص نے مجھ کو دیکھا اُسکو آگ نہ چھوئے گی "

صاحبو تبلایئے یہ بھی کہیں قرآن میں یا حدیث میں حکم ہے کہ نبی کریم کا غسالہ وضو پئے منھ پر ضرور ملا کرو اللہ اکبر۔ اسوقت بہت سی جماعتیں صحابہؓ پر طعن کرتی ہیں مگر اُن کی اِس حالت کو نہیں دیکھتے ۔ بھلا نماز وروزہ وغیرہ کی بابت تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جنت کے شوق میں کرتے تھے لیکن غسالہ وضو کا حکم وجوبی یا استحبابی کہیں آیت میں تھا کہ اُس کو منھ پر مل لیا کرو تو فلاں فضیلت ملیگی اس وقت تو واللہ بعضے ایسے مستقل مزاج ہیں کہ اگر حضور کو وضو کرتے دیکھتے تو کبھی حرکت بھی نہ ہوتی ۔ کیا اس وقت سَو میں ایک شخص بھی ایسا برتاؤ کرسکتا ہے جو صحابہ کرام نے کیا بلکہ عجب نہیں کہ اس فعل سے استنکاف کرتے ۔ صاحبو ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ اسوقت میں پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں پیدا نہ ہوئے ورنہ ہمارا یہ استنکاف خدا جانے ہم کو کس حد میں داخل کرتا۔ اِس وقت جو ہم بہت سی باتوں میں فتوے کفر سے بچ جاتے ہیں تو اس لیے کہ علماء تاویل کر لیتے ہیں کہ یہ استنکاف حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر سے نہیں بلکہ فلاں شخص سے ہے جس کے واسطہ سے یہ امر اُس کو پہونچا ہے بنسبت الی الرسول میں شبہ ہونے سے یہ اعتراض کیا ہے اور اگر ہم اُس وقت ہوتے اور یہ حالت ہوتی تو ہمارے اِن افعال پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیطرف سے کفر کا فتویٰ ہوتا تو یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وہ زمانہ آویگا کہ دسواں حصہ بھی اگر کوئی عمل کرے تو اُس کی نجات ہو جاویگی مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں پانچ وقت کی نماز فرض تھی تو اب نصف وقت کی نماز کافی ہوگی ۔ یعنی اگر فرض و وتر کا مجموعہ بیس رکعتیں ہوں تو دو رکعتیں کافی ہوجاویں ۔ چونکہ یہ شبہ ہو سکتا تھا اسلیے میں اس حدیث کی توضیح کرتا ہوں کہ یہ تخفیف کیفیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ کمیت کے اعتبار سے یعنی اعمال میں جو خلوص اُس وقت تھا اگر اس کا دسواں حصہ بھی ہو تو نجات ہوجاویگی ۔ تو یہ خدا تعالیٰ کی بڑی رحمت ہم پر ہے کہ ہم زمانہ تخفیف میں پیدا ہوئے ۔ یہ تو تخفیف کا بیان ہے اور تاویل کی مثال یہ ہے کہ مثلاً بیوہ کا نکاح ثانی ہے کہ اس سے عام طور پر قلوب میں تنگی ہے یعنی جیسا اوّل مرتبہ دل ہوتا ہے دوسری مرتبہ نکاح کرنے میں اُتنا دل کھلا ہوا نہیں ہوتا ۔ آگے یہ دیکھیے کہ خداوند تعالیٰ اسی تنگی کی نسبت کیا فرما رہے ہیں

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم [ع]

[ع] آپ کے رب کی قسم ہے ۔ یہ لوگ مومن نہ ہونگے تاوقتیکہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں حکم نہ بناویں پھر جو آپ فیصلہ فرماویں اسپر اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پوری طرح تسلیم کرلیں ۱۲ ۔

ف ہمارا زمانہ نبوی سے بعید ہونا رحمت ہے۔

ف اس زمانہ میں دین کے دسویں حصہ پر عمل کافی ہوجانے کے معنے

ف دسویں حصہ پر عمل کرنا باعتبار تخفیف کے ہے

ف دوسری وجہ ہم پر تخفیف کی

حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ تو اس پر کیا فتویٰ ہوتا مگر اسوقت ہم ان لوگوں کی اِس تنگی کی یہ تاویل کر لیتے ہیں کہ یہ حکم شرعی سے استنکاف نہیں ہے بلکہ عرف کیوجہ سے طبعی شرم آتی ہے لیکن اگر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو فرما دیتے کہ نکاح ثانی کرو اور اُس کے قلب میں اس سے تنگی پیدا ہوتی تو اُسوقت کیا بچاؤ ہوتا کیونکہ خطاب خاص خود دلیل ہوتی بطلان عذر کے لیے اور اس کے لیے نظیر موجود ہے کہ حضرت زینبؓ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ سے کرنا چاہا اور حضرت زینبؓ بوجہ عالی خاندان ہونے کے ذرا رُکتی تھیں۔ اور اسیطرح ان کے بھائی بھی۔ فوراً یہ آیت نازل ہوئی مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۝ حالانکہ یہ ایک دُنیا کا معاملہ تھا لیکن اسمیں بھی حکم رسول کے سامنے چون و چرا کرنے کی اجازت نہیں ہوئی تو معلوم ہوا کہ آپ خواہ دُنیا کا کام بتلا دیں یا دین کا کام بتلا دیں مگر جس کو فیصل کر کے فرما دیں اُس سے انکار کفر ہے۔ تو اُسوقت اگر ہم انکار کرتے تو فوراً کافر ہو جاتے اور اس وقت تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ مولویوں کے طرز بیان کا استنکاف ہے نہ کہ حکم شریعت سے تو ہمارے لیے اُس زمانہ سے بعید ہونا ہی رحمت ہوا۔ یہ صحابہؓ ہی کا حوصلہ تھا کہ اُنہوں نے اپنا مال اپنی جان اپنی اولاد گھر بار اپنے مصالح سب آپ کے سپرد کر دیے تھے۔ یہ حالت تھی کہ میں نے ایک مقام پر دیکھا ہے مگر اسوقت یاد نہیں کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتے تھے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اُسکو دیکھ بھی لیا ہے مقصود یہ تھا کہ کسی تدبیر سے ایک مرتبہ اُسکو دیکھ لو۔ یہ مطلب تھا کہ جا کر اُسکے ماں باپ کو پیغام دو کہ مجھے اپنی لڑکی دکھلا دیں۔ مگر وہ ایسے بھولے بھالے تھے کہ جا کر اُس عورت کے ماں باپ کو پیغام دیا کہ مجھے اپنی لڑکی دکھلا دو۔ اُس لڑکی کے ماں باپ کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ اُنہوں نے کچھ کہنا چاہا۔ پسِ پردہ لڑکی بھی موجود تھی۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سنکر فوراً پردہ ہٹا دیا اور اپنے ماں باپ سے کہا کہ خبردار حضرتؐ کے ارشاد کے بعد کچھ بولنا اور اُس شخص سے کہا کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو میں حاضر ہوں تم مجھے دیکھ لو۔ صاحبو یہ محبت کا خاصہ ہے۔ کہ اس میں مصالح اور ننگ و عار سب بالائے طاق رکھے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما	اے دوائے جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما	اے تو افلاطون و جالینوس ما

ؑ کسی مومن اور مومنہ کو شایاں نہیں کہ جب اللہ و رسول کسی امر کا فیصلہ فرما دیں تو (اُس امر میں) اُن کو اختیار ہو ۱۲

امر دینی کی طرح امر دنیوی میں بھی نافرمانی ہو تو انکار کفر ہے

صحابہ کی اطاعت اور انقیاد کی ایک عجیب حکایت

صحابہ کی جان نثاری کا ایک اور واقعہ

کیا اچھی بات فرمائی ہے کہ اے دوائے نخوت و ناموس ما - صحابیاتؓ کو یہ حالت تھی کہ کثرت سے صحابیات نے مختلف اوقات میں آکر حضورؐ میں عرض کیا کہ آپ ہمکو قبول فرمایئے اور اپنی کنیزی میں لے لیجئے۔ اور آپ نے فرمادیا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے پھر کیا اس فعل پر اُن کی مذمت کی گئی ہرگز نہیں۔ اُن کی جو قدر کی گئی اُس کو بھی سُن لیجئے۔ حضرت انسؓ کی صاحبزادی نے ایک مرتبہ ایسے ہی واقعہ پر یہ کہدیا کہ مَا اَقَلَّ حَيَاءَهَا[1] حضرت انسؓ بگڑ گئے اور فرمایا کہ وہ تجھ سے ہزار درجہ اچھی تھی کہ اپنے کو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتی تھی - اور یہی راز ہے

ولی کا صحابہ کے برابر نہ ہونیکا راز

کہ غیر صحابی خواہ کتنا ہی بڑا ہو جاوے لیکن صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا - چنانچہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت معاویہؓ کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر معاویہؓ گھوڑے پر سوار ہوں اور اُسکے پیروں کی گرد اُڑ کر اُس گھوڑے کی ناک پر جا بیٹھے تو حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی وہ ناک کی گرد عمر بن عبدالعزیزؒ اور اویس قرنیؓ سے افضل ہے - ہم کو اس فتویٰ کی قدر نہیں ہے مگر اہل محبت جانتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظمؒ نے کیا بات فرمائی - قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری - تو صحابہؓ میں بڑی بات یہ تھی کہ وہ حضرات پورے عاشق تھے - اور یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے اپنی علمی عملی وہ اصلاح کی کہ نہ کوئی فلسفی اپنی قوم کی کرسکا اور نہ کوئی سلطان اپنی رعایا کی کرسکا کیونکہ اُن کے پاس تو نور ہی دوسرا تھا جس کو فرماتے ہیں اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ[2] اِس کو نور سے تعبیر کیجئے یا برکت صحبت

صحابہ کے ساتھ معیت کیونکر ہو سکتی ہے

کہئے سب کا خلاصہ ایک ہی ہے - عباراتنا شتی وحسنك واحد ۔ وکل الی ذاک الجمال یشیر - اگر ہم بھی اُس مقام پر پہنچنا چاہیں جس پر صحابہؓ تھے (یعنی باعتبار عطا کے کیونکہ وہ جاہ تو ہمکو کہاں نصیب) تو صورت یہ ہے کہ ہم اُن سے وابستگی اطاعت کی پیدا کرلیں کہ اُنکی بدولت اُنہی کیساتھ ساتھ لگے چلے جاویں - جیسے ایک انجن پشاور سے چلے اور کلکتہ پہونچے اور ایک ٹوٹی ہوئی گاڑی بھی کلکتہ پہونچنے کی متمنی ہو تو اِسکے سوا کوئی صورت نہیں کہ اُس انجن کے ساتھ اپنی زنجیر ملا دے - تو اب ہمارا ابھی یہی کام ہونا چاہئے کہ ہم صحابہؓ کے ساتھ تعلق پیدا کریں -

رجوع بمقصود بیان

خیر یہ سب جمل معترضہ تھے - مقصود یہ تھا کہ صحابہؓ کی محبت کا یہ عالم تھا - اور کفار کو بھی اِس کا علم تھا اسلئے اُن کا مقصود یہ تھا کہ تھوڑی دیر کے لیے ان میں جُدائی ہی ڈالدیں

---

[1] کیسی بے شرم ہے"۔

[2] کیا جو مُردہ ہو پس اُسکو ہم زندگی بخشیں اور اُسکے لیے ہم ایک نور کردیں کہ وہ اُسکو لوگوں میں لیے پھرتا ہے"۔

تو یہ رنگ لائے مگر دوستی کے پیرایہ میں ؎

دشمن ارچہ دوستانہ گویدت دام داں گرچہ ز دانہ گویدت
زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر تا کہ گیرد مرغ را آں مرغ گیر

بدخواہوں کا ہمیشہ قاعدہ ہے کہ برنگِ خیر خواہی بدخواہی کیا کرتے ہیں۔ دنیا میں بہت لوگوں نے مسلمانوں سے ایسا کیا ہے تو حضور سے بھی ان کفار نے یہی معاملہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فراست عجیب تھی لیکن اس احتمال سے کہ شاید یہ اسی طرح ایمان لے آدیں اس شرط کو منظور فرمالیا رہا صحابہؓ کے رنج کا خیال تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ صحابہؓ تو اپنے ہیں اُنکو تو اگر ساری عمر کے لیے بھی الگ کر دیں تب بھی الگ ہوجاوینگے کیونکہ وہ تو طالب رضا ہیں اُنکی تو وہ حالت ہے کہ ؎ اُرِیْدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیْدُ ھَجْرِی ۔ فَاَتْرُکُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ ۔ فرماتے ہیں ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

کس کا فراق اور کس کا وصال رضا کی تمنا ہونی چاہیے اور یہاں سے ایک اور جملہ مفیدہ یاد آگیا کہ جب عاشق پر رضائے محبوب کا اتباع ضروری ہے نیز یہ معلوم ہوگیا کہ صحابہ عاجل مصلحت پر نظر نہ کرتے تھے گو مصلحت اُسپر مرتب ہوجاوے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ احکام شرعیہ میں گو مصلحت ہو مگر اطاعت اسپر موقوف نہ ہونا چاہیئے بلکہ اطاعت محض رضا کے لیے ہو۔ دیکھیے اگر کسی عورت سے عشق ہوجاوے اور وہ حکم کرے کہ میں جب ملونگی کہ جب تم پاجامہ چڑھا کر سر پر ٹوکرا رکھ کر جوتے نکالکر فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک تین چکر لگاؤ تو یہ ہرگز نہ پوچھیگا کہ اسمیں کیا مصلحت ہے کیونکہ ؎ رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار ۔الخ۔ اگر عاشق ہے تو بیس دفعہ پھر کر دکھائیگا۔ کہاں کی تہذیب اور کس کی عار۔ وہ اس تہذیب کو تعذیب سمجھیگا کیونکہ مانع وصال یار ہے ایسے وقت پر تو مصلحت بینی اُس شخص کا کام ہے جو فارغ عن المحبت ہو۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ احکام شرعیہ میں حکمتیں نہیں ہیں حکمتیں ضرور ہیں مگر اول تو ہم کو اُن کا احاطہ نہیں۔ دوسرے یہ اُن کے درک کا طریقہ نہیں جو اختیار کیا گیا ہے۔ بلکہ وہ محض موہوب ہیں جن کا اکثر ترتب تقوی پر ہوا ہے۔ ذرا تاریخ میں دیکھیے کہ اُمت میں جو بڑے بڑے لوگ جیسے شاہ ولی اللہ ابن العربی عبدالکریم جیلی وغیرہ گذرے ہیں اور اُنہوں نے حکم و اسرار شریعت کے لکھے ہیں تو کیا اُنہوں نے ان اسرار کو کسی مدرسہ میں سیکھا تھا یا کسی مناظرہ سے حاصل کیا تھا ہرگز نہیں مگر بات کیا تھی کہ مدرسہ سے نکلکر علم پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ خلوص اختیار کیا اُس سے اُنکے قلب میں

اطاعت محض رضا کے لئے ہونی چاہئے نہ کہ مصلحت کے لئے

ایک نور پیدا ہوا جس کی بدولت اُن کو سب کچھ منکشف ہوگیا۔ اسی کو کہتے ہیں ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

تو اگر اسرار معلوم ہونے کا کوئی طریقہ ہے تو یہ ہے لیکن اسپر بھی طالب حق کو اسرار کی ہوس ہونا چاہیئے۔ اسلئے کہ یہ محبّت کے خلاف ہے۔ جب ایک مردار کا عاشق اُس کی فرمایش کا راز دریافت نہیں کرتا اور خواہ بعد میں یہی معلوم ہو کہ اسمیں خاک بھی مصلحت نہ تھی۔ مگر اطاعت میں کس طرح دوڑتا ہے تو طالب حق اور عاشق خدا کو ایسی کاوش کب زیبا ہے۔ غرض ایسی کاوش طریق محبت کے بالکل خلاف ہو۔ طریق عشق تو اطاعت میں دیوانہ ہونا ہے کہ ؎ اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد۔ صاحبو اگر آپ اس کے نظائر دنیا میں نہ برتتے تو میں آپ سے ہرگز یہ خطاب نہ کرتا لیکن جبکہ آپ محبوبان مجازی کے ساتھ یہ برتاؤ کرتے ہیں کہ اُن کے ہر حکم کو بغیر دریافت اسرار پورا بجالاتے ہیں نیز حکام مجاز کیساتھ بھی آپ کا یہی برتاؤ ہے کہ اگر صاحب کلکٹر آپ سے یہ کہے کہ ہم کو آج رات کے وقت دو بجے فلاں مقام پر تم سے فلاں امر میں مشورہ کرنا ہے جسکو ہم پرسوں انجام دینگے تو آپ کے دل میں کبھی یہ وسوسہ بھی نہ آویگا کہ جب پرسوں اس کام کو کیا جاویگا تو کل دن میں بھی تو اُس کی بابت مشورہ ہوسکتا ہے پھر رات کو مجھے بے چین کرنے سے کیا فائدہ۔ اور اگر وسوسہ آویگا بھی تو آپ اُسکو دفع کرینگے کہ خواہ کوئی مصلحت ہو یا نہ ہو ہمیں تو اُن کی رضامندی مقصود ہے تو جب اہل محبّت اور اہل حکومت کے ساتھ آپ کا یہ برتاؤ ہے تو خدا تعالی کے ساتھ کیوں نہیں ہو۔ کیا خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تحقیقات مصالح کی مشق کیلئے تم کو ملے ہیں اور اگر دونوں قسموں میں کوئی فرق ہے تو بتلایئے اور فرق نہیں تو پھر یہاں لِمَ کَانَ کَذَا اور کَیْفَ کَانَ کَذَا کیوں ہے بلکہ خدا تعالیٰ تو محبوب بھی ہیں اور حاکم بھی تو یہاں تو بدرجہ اولیٰ یہ حالت ہونی چاہیئے کہ ؎ زندہ کنی عطائے تو۔ ور بکشی رضائے تو۔ جان شدہ مبتلائے تو۔ ہرچہ کنی رضائے تو

زبان تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو

کیا معنے چون وچرا کے اور ہمارا حق ہی کیا ہے ہمکو نسبت ہی کیا ہے کہ ہم چون وچرا کریں۔ ہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ مخالفان اسلام کا منہ بند کرنے کے لیے ہم اسرار پوچھتے ہیں اور اور اُن کا منہ بند کرنا ضروری تو ہم کو اسرار بتلانا بھی ضروری۔ لیکن اگر ہیں مخالفین کیلئے اس سے اچھا جواب آپکو بتلادوں اور آپ کے اس جواب کا مخدوش ہونا ثابت کردوں۔

پھر تو یقیناً اس شبہ کی گنجایش نہ رہیگی اُسکا بیان یہ ہے کہ مسلمان دو قسم کے ہیں ایک اہل علم دوسرے عوام تو اگر آپ عوام میں سے ہیں تب تو سیدھی بات یہ ہے کہ معترض کو عالم کا نام بتلا دیجئے کہ اُن سے پوچھو ہم زیادہ نہیں جانتے۔ اور اگر اہل علم میں سے ہیں یا وہ آپ کو ذی علم سمجھتا ہے تو اُسکے لئے دوسرا جواب ہے وہ یہ کہ آپ یوں کہیئے کہ احکام قوانین ہیں اور اُن کے اسرار اسرار قوانین ہیں اور ہم قانون کے جاننے والے ہیں اسرار قانون ہم نہیں جانتے نہ اُنکا بتلانا ہمارے ذمہ واجب ہے۔ دیکھئے اگر صاحب جج کسی مقدمہ میں ڈگری دیدیں تو مدعا علیہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس قانون کے رُو سے آپ نے ڈگری دی ہے میں اُس قانون کو تو مانتا ہوں لیکن مجھہ کو خود ہیں یہ کلام ہے کہ یہ قانون مصلحت کے خلاف ہو اس لئے آپ اس کا راز بتلادیں اور اگر وہ ایسا کہے بھی تو اُسکو توہین عدالت اور جرم سمجھا جاویگا اور اسپر صاحب جج کو حق ہوگا کہ توہین عدالت کا اُس پر مقدمہ کرے۔ اور اگر مقدمہ بھی قائم نہ کیا تو اتنا تو ضرور کریگا کہ کان پکڑ کر اُس کو عدالت سے باہر کردیگا۔ اور اگر اُس وقت اُس کی طبیعت میں حکومت کے بجائے حکمت غالب ہوئی تو یہ جواب دیگا کہ ہم عالم قانون ہیں واضع قانون نہیں۔ مصالح واضع سے پوچھو۔ تو کیا کسی عقلمند کے نزدیک یہ جواب نامعقول جواب ہے یا بالکل عقل کے موافق۔ اگر عقل کے موافق ہے تو آپ مولوی بن کر یہ جواب کیوں نہیں دیتے کہ ہم عالم قانون ہیں واضع قانون خدا تعالے ہے مصالح اُن سے پوچھ لینا۔ وہ جواب دینگے خواہ اسرار بتلانے سے خواہ دماغ کی اصلاح کرنے سے اور یہ فروع اسلام کے متعلق جواب ہے۔ البتہ اگر مخالف اسلام کو نفس اسلام کی حقانیت تحقیق کرنا منظور ہے تو اصول اسلام میں عقلی گفتگو کریں گے اُن میں ہم یہ مذکور جواب نہ دینگے بلکہ اُسکی حقانیت کے دلائل عقلیہ بتلائیں گے خواہ دس برس تک ہم سے کوئی پوچھے جائے۔ اور اُسکی ایسی مثال ہو کہ جیسے کوئی شخص سلطنت سے باغی ہوجائے اور بادشاہ کو بادشاہ نہ مانتا ہو اور آپ اُسے منوانا چاہیں اور وہ اُس کے ماننے کے لئے یہ طریق اختیار کرے کہ آپ سے ہر قانون کی مصلحت دریافت کرے تو آپ ہرگز اُسکو یہ راہ نہ دیں گے اور اُسکو ایک تطویل لاطائل سمجھیں گے اور اس شغل کو فضول قرار دیں گے۔ البتہ یہ کریں گے کہ بدلائل بادشاہ کو بادشاہ ثابت کریں گے اور قانون کو اُس کا قانون ثابت کریں گے پھر جس قانون کی نسبت وہ دریافت کریگا اور اس کی مصلحت پوچھیگا آپ اُسکے جواب میں یہی کہیں گے کہ ہم اُس کی مصالح نہیں جانتے۔ وہ بادشاہ ہے اور یہ اُس کا قانون ہے اور بادشاہ کا قانون واجب العمل ہوتا ہے پس یہ بھی واجب العمل ہے۔ بعینہ یہی تقریر خدا و رسول کے احکام میں بھی جاری کرینگے کہ دلائل عقلیہ سے ایک اُن کا صادق ہونا دوسرا اُن احکام کا اُن کیطرف

منسوب، ہونا ثابت کردیں گے ۔ اور فروع میں اتنا ہی کہدیں گے کہ یہ صادق کے احکام ہیں اور ایسے احکام واجب الامتثال ہیں ۔ دوسری نظیر لیجیئے ۔ حکیم عبدالمجید خان کا حکیم ہونا تو محتاج دلیل ہے لیکن اُن کے حکیم مان لینے کے بعد کسی مریض کو یہ اختیار نہیں کہ اُن کی تجویز کردہ اوزان ادویہ میں چون وچرا کرے اور اُس کی لِمْ اُن سے دریافت کرے ۔ پس جب دُنیاوی معاملات میں یہ امر مسلّم ہے تو شریعت کے احکام میں کیوں چون وچرا کیا جاتا ہے ۔ صاحبو یہ نہ سمجھیں کہ مولوی احکام کے مصالح نہیں جانتے ۔ اُن کے پاس سب کچھ ذخیرہ موجود ہے لیکن ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

میرے پاس اگر کوئی دو برس رہے تو میں انشاء اللہ تعالےٰ ثابت کردوں گا کہ ہر حکم شریعت میں حکم عقلیہ ہیں مگر ہم اُن کو علوم عظمیہ نہیں سمجھتے کیونکہ وہ سب ظنی ہیں ۔ لوگوں نے بہت سے حکم لکھے ہیں اور اب بھی الہام سے عطا ہوتے ہیں مگر یہ سب علوم ظنیہ ہیں اس لیے علماء اُس میں مشغول نہیں ہوتے ۔ دوسرے اسمیں یہ بھی خرابی ہے کہ اگر کبھی وہ ظنیت کے سبب مخدوش ہوگئے اور حکم بزعم سامع اُسی پر مبنی تھا تو اُسکے منہدم ہوجانے سے حکم شریعت بھی منہدم ہو جاویگا ۔ لہٰذا بیان اسرار سے جواب دینا بے غبار رستہ نہیں صاف جواب یہی دینا چاہیئے کہ ہم اسرار نہیں جانتے قیامت میں خدا اور رسول سے پوچھ لینا ۔ دیکھو اگر ابھی ایک منادی کرنیوالا منادی کرے کہ صاحب کلکٹر کا یہ حکم ہے تو کوئی بھی اُس سے گلخپ ہوتا ہے کہ حکمت اس حکم کی بیان کرو ورنہ نری منادی تعصّب ہے ۔ پس ہم کہیں گے کہ جب منادی کرنیوالے سے گلخپ ہوگے اور اُسکو اُس منادی کے مصالح تبلانے پر مجبور کروگے تو ہم بھی تبلا دیں گے غرض حکم و اسرار کا علم ہم کو ہے ۔ الحمد للہ ہم جانتے ہیں لیکن وہ ظنّی ہے ۔ علم قطعی یہ ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے اور خدا کا حکم قطعی ہے لہٰذا یہ قطعی ہے ۔ بس یہ ہے علم قطعی ۔ مگر بات یہ ہے کہ قطعی علم میں مزا نہیں ہوتا اور اختراعیات میں لذت ہوتی ہے ۔ یہ ہے اس مرض کی اصل وجہ اسپر مجھے حکایت یاد آئی کہ میں شاہجہان پور سے سفر کر رہا تھا ۔ ایک جنٹلمین گاڑی میں بیٹھے تھے ایک اسٹیشن پر اُن کے خادم نے آکر اطلاع دی کہ حضور وہ تو سنبھلتا نہیں کہنے لگے کہ یہاں پہونچا دو ۔ یہ سنکر مجھے تعجب ہوا کہ وہ کون چیز ان کے ساتھ ہوگی جو خادم سے نہیں سنبھل سکی اور اب یہ گاڑی میں منگا کر اُسکو سنبھالینگے آخر چند منٹ بعد دیکھا کہ خادم صاحب ایک بہت بڑے اونچے کُتے کو زنجیر میں باندھے ہوئے لا رہے ہیں اور وہ کُتا زور

ف: علماء کا علوم ظنیہ میں مشغول نہ ہونے کی وجہ

ف: احکام شرعیہ کو علوم ظنیہ پر مبنی کرنے کا نقصان

ف: ایک جنٹلمین اور کتے کا سوال و جواب

کر رہا ہے - آخر وہ اُن کے سپرد کیا گیا - اُنہوں نے ریل کی آہنی سلاخوں سے اُس زنجیر کو باندھ دیا اُس کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ جناب! کُتے کا پالنا کیوں حرام ہوا - باوجودیکہ اِس میں فلاں وصف ہے اور فلاں وصف ہے - کُتے میں اُنہوں نے اتنے وصف بیان کئے کہ شاید اُن میں بھی نہ ہوں - میں سب سنتا رہا - جب وہ کہہ چکے تو میں نے کہا کہ جناب میں نے سُن لیا اِس کے دو جواب ہیں ایک عام کہ وہ اِس کے علاوہ اَور بھی بہت سے شُبہات کا جواب ہے اور ایک خاص کہ وہ خاص اسی کے متعلق ہے کون سا عرض کروں فرمانے لگے دونوں کہہ دیجئے - میں نے کہا جواب عام تو یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے پالنے کی ممانعت فرمائی ہے اور یہ جواب عام اسلئے ہے کہ قیامت تک کے لئے شبہات کا جواب ہے البتہ اِسمیں دو مقدمے ہیں ایک یہ کہ آپ رسُول تھے دوسرے یہ کہ رسول کا حکم ہو اگر ان میں کلام ہو تو ثابت کروں کہنے لگے کہ یہ تو ایمان ہے یہ تو عام جواب تھا اور یہ علمی اور تحقیقی جواب تھا لیکن اُن کو اِس کی قدر نہ ہوئی اور کچھ حظ نہ آیا - کہنے لگے کہ جناب اور جواب خاص کیا ہے - مَیں نے کہا کہ وہ یہ ہے کہ کُتے میں جس قدر اوصاف آپ نے بیان کئے واقعی وہ سب ہیں لیکن باوجود ان اوصاف کے اس میں ایک عیب اتنا بڑا ہے کہ اُس نے تمام اوصاف کو خاک میں ملا دیا وہ یہ کہ اِس میں قومی ہمدردی نہیں ہوتی - آپنے دیکھا ہوگا کہ ایک کُتا دوسرے کُتے کو دیکھ کر کس قدر از خود رفتہ ہو جاتا ہے - اِس جواب کو سُنکر وہ بہت ہی محظوظ ہوئے اور وہ اس کو جواب قطعی سمجھے - حالانکہ یہ محض ایک محض نکتہ ہے - مجھے تو خبر نہ تھی کہ یہ کون ہیں - اتفاق سے جب میں اٹاوے سے بریلی آیا تو مولوی ظہور الاسلام صاحب تحصیلدار کہنے لگے کہ آپ سے اِس قسم کی گفتگو کسی سے ہوئی تھی - میں نے کہا کہ ہوئی تھی فرمانے لگے کہ علیگڈھ کالج کے طالب علم اِس جواب کا تذکرہ کر رہے تھے اور اِس جواب سے بہت خوش تھے - مجھ کو اس سے گمان ہوا کہ شاید وہاں کے تعلیم یافتہ ہوں - مَیں نے اِسکو اسلئے ذکر کیا ہے کہ میں یہ بتلا دوں کہ جس جواب پر وہ اس قدر خوش تھے علاوہ فضول ہونے کے میری نظر میں اُسکی کچھ بھی وقعت نہ تھی اور مَیں اُسکو جواب ہی نہیں سمجھتا تھا - غرض علت اور حکمت کا دریافت کرنا عشق و محبت کے بھی بالکل خلاف ہے جیسا اوپر ذکر کیا گیا ہے - ہاں اگر یہ کہو کہ ہم عاشق ہی نہیں تو دوسری بات ہے - لیکن خدا تعالیٰ اِس کی بھی نفی کرتے ہیں - فرماتے ہیں وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ - شدت ہی کو عشق کہتے ہیں - عشق چونکہ پامال لفظ تھا اسلئے

اطلاق لفظ محبت بجائے عشق

قرآن و حدیث میں اس کو کہیں استعمال نہیں کیا گیا۔ اور اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ و رسول کے بارہ میں عشق کا لفظ استعمال کرنا بے ادبی ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص ویسرائے کی تعریف کرنے لگے اور یہ کہے کہ اُن کو کنسٹبل کے اختیارات بھی حاصل ہیں تو اگرچہ واقع کے اعتبار سے یہ صحیح ہے لیکن یہ مدح سخت ہجو اور بے ادبی ہے۔ بلکہ بعض اوقات بعض ایسے امر کی نفی بھی موہم نقص ہو جاتی ہے ؎

شاہ را گوید کسے جولاہہ نیست   ایں نہ مداح است او مگر آگاہ نیست

تو جس کی نفی بھی مدح نہ ہو اُس کا اثبات تو کیسے مدح ہو جاویگا وہ تو اُور بھی زیادہ قدح ہو گا تو لفظ عشق کو خدا اور رسول کے لئے نہ استعمال کرنا چاہئے۔ قرآن و حدیث میں بھی اُسکو استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ ہاں شدت حُب کا لفظ آیا ہے تو جب خدا تعالیٰ ہی فرما چکے ہیں کہ تم عاشق ہو تو عشق[1] سے انکار کیسے کر سکتے ہو۔ پس عاشق کا مذہب اختیار کرو۔ خوب کہا ہے ؎

یا مکن با پیلباناں دوستی   یا بنا کن خانہ بر انداز پیل
یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی   یا فرو شو جامۂ تقویٰ بہ نیل

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ زبردستی کھینچکر ہم کو عاشقین میں داخل کیا گیا ہے۔ گویا ہماری وہ حالت ہے کہ ہم بھاگتے ہیں اور ہم کو پکڑ پکڑ کر بُلایا جاتا ہے کہ تم تو ہمارے ہو تم کہاں چلے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے بہت تعجب کرتے ہیں یعنی خوش ہوتے ہیں جو زنجیروں میں جکڑ کر جنت میں داخل کئے جاتے ہیں۔ سو صحابہ کرام کا انداز بھی عشق تھا جیسا اوپر مذکور ہوا وہی تم بھی اختیار کرو۔ اور اس کے برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ممکن ہے کہ تم کو وہ علوم بھی عطا ہو جاویں جن کے تم طالب ہو یعنی اسرار۔ دیکھو اگر کوئی بادشاہ سے کہے کہ ہم کو اپنا خزانہ دکھلاؤ تو اُسکو گستاخ سمجھا جاوے گا۔ البتہ اگر خزانہ دیکھنے کی تمنا ہے تو اُس کی اطاعت کرو اُس سے بے تکلفی پیدا کرو پھر ممکن ہے کہ ایک دن ہو کہ ایسی عنایت بادشاہ تم کو خود

[1] اگر کسی کو شبہ ہو کہ بہت سے مسلمانوں کا عاشق نہ ہونا تو مشاہد ہے پھر یہ خبر خلاف واقع قرآن میں کیسے دیگئی جواب یہ ہے کہ عشق تو سب میں ہے مگر عوارض میں مستور ہے۔ چنانچہ محرک کے ورود پر ہر شخص میں اُس کا ظہور ہوتا ہے۔ پس جس وقت وہ مستور ہوتا ہے اُسوقت لم اور کیف بھی سُوجھتا ہے۔ پس مقصود مقام کا یہ ہے کہ اُن محرکات کو کہ اُن میں تفکر بھی کام میں لاؤ اور آثار سے متلون ہو کہ اُن آثار میں سے لم اور کیف کا قطع ہونا بھی ہے ۱۲ منہ

ہی خزانہ پر لیجا کر کھڑا کر دے ۔ خوب کہا ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ ۔ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

یعنی بدوں شکستگی اور پستی کے کچھ نہیں ہوتا ۔ اور پستی ہی میں یہ اثر ہے ؎

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ۔ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود
ہر کجا دردے دوا آنجا رود ۔ ہر کجا رنجے شفا آنجا رود
سالہا تو سنگ بودی دلخراش ۔ آزموں را یک زمانے خاک باش
در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ۔ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

خلاصہ یہ ہے کہ تفویض و تسلیم سے کام چلتا ہے ۔ اور بالکل خاک میں مل جانے سے ۔ اور جسکو یہ دولت ملی ہے اسی طرح ملی ہے ۔ اور جو ساری عمر قیل وقال میں رہے تو کچھ بھی نہیں ہوا ۔ پس پہلا طریقہ محمود اور ہدایت ہے اور دوسرا طریقہ مذموم اور ضلالت ہے ھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ ہم نے دونوں رستے دکھلادئے اب جس کا جدھر جی چاہے چلا جاوے ۔ مضمون بہت بڑھ گیا مقصود یہ ہے کہ صحابہ رضؓ کو ایسی محبت تھی کہ اگر آپ فرماتے کہ ساری عمر ہمکو نہ دیکھو تو وہ ایسا ہی کرتے چنانچہ دو واقعے ہوئے بھی ۔ ایک تو اویس قرنی رضؓ کا کہ اُنہوں نے باوجود شدت اشتیاق زیارت حضور کا حکم شرعی سُنکر کہ والدہ کی خدمت چھوڑنا نہ چاہئے تمام عمر زیارت نہیں کی ۔ مجھے تعجب ہے اُن لوگوں پر کہ جو زیارت فی المنام کی تمنا کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت احکام میں نہیں کرتے حالانکہ زیارت فی المنام موخر ہے رتبہ میں زیارت فی الیقظہ سے تو حضرت اویس رضؓ نے یہاں تک اطاعت کی کہ زیارت فی الیقظہ بھی نہیں کی ۔ کیونکہ سمجھتے تھے کہ اطاعت کا تو کچھ بدل نہیں اور زیارت کا بدل ہی ۔ وہ یہ کہ اگر یہاں نہ ہوگی تو آخرت میں ہو جاویگی ۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

گر نیائی بمزار خواہی آمد ۔ بجنازہ گفتہ کہ عشق دارد نگذارد ت بدینساں

اس میں بھی بدل کا مضمون ہے ۔ جب اویس قرنی رضؓ سے کہ تابعی ہیں ایسا واقعہ ثابت ہی تو صحابہ رضؓ کا کیا کہنا ہے ۔ دوسری حکایت حضرت وحشی رضؓ کی ہے ۔ اگرچہ یہ صحابی مشہور نہیں ہیں لیکن ہیں صحابی ۔ گو حضرت عمر رضؓ اور حضرت ابوبکر رضؓ کے درجہ کے نہیں ہیں ؎

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود ۔ لیک بس عالیست پیش خاک تود

تو ان کا واقعہ یہ ہوا کہ اُنہوں نے حضرت حمزہ رضؓ کو شہید کر دیا تھا ۔ جب یہ مسلمان ہو کر آئے تو حضور

[illegible]

زیارت فی المنام سے اطاعت افضل ہے

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کا واقعہ

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ھل تستطیع اَنْ تغیب وَجْھَکَ عَنِیّ - یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضور کو اپنے چچا سے اسقدر محبت تھی کہ اُن کی بدولت ایک مسلمان سے ایسے رنجیدہ رہے کہ اُن کی صورت بھی دیکھنا پسند نہیں فرماتے تو یہ تو بڑی رنج کی بات ہے کہ آپ خلاف مزاج امر سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں تو اِس حالت میں عاصی آپ سے کیا اُمید کریں خدا جانے آپ کتنے ناخوش ہوں اور ہم کو کہاں دُور پھینکدیں - مگر ہم کو اِس واقعہ ہی سے ایک بہت بڑی بات بشارت کی ہاتھ آئی - یہی واقعہ ہے کہ جس سے انشا اللہ ہماری تمام مشکلات حل ہونگی - کیونکہ اِس سے معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے متاثر ہونیوالے ہیں کہ ایک منتسب کی دنیاوی تکلیف کی آپ کو سہار نہیں تو قیامت میں اگر ہم حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن پکڑکر کھڑے ہو جاویں گے تو یقیناً حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری مصیبت کو دیکھ نہ سکیں گے اور ہماری مدد فرماویں گے - اور صحابہ کرام نے اسی قسم کی ایک حدیث سے ایک ایسی ہی عجیب بات سمجھی تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث بیان فرما رہے تھے صحابہ رضؓ نے اُس پر عرض کیا ھَلْ یضحکُ رَبُّنَا یا رَسُوْلَ اللہ - یعنی کیا اللہ میاں ہنستے بھی ہیں - اور یہیں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ صحابہ رضؓ کرام کا علم کیسا عمیق تھا کہ اللہ میاں کے ہنسنے کو تو پوچھا لیکن آج کل کے طباعوں کی طرح اُس کی کیفیت نہیں پوچھی - کیونکہ جانتے تھے کہ جب خدا تعالیٰ ہی کو پوری طرح نہیں پہچانا تو اُسکی صفات کی کیفیت کیسے سمجھ میں آسکتی ہے - ؎

تو نہ دیدی گہے سلیماں را	چہ شناسی زبانِ مرغاں را

؎ ایک بزرگ سے کسی نے شب معراج کی مفصل گفتگو کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب میں کیا خوب فرمایا

بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد	اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں

غرض صحابہ رضؓ نے اُس حدیث کو سُنکر عرض کیا کہ انشا اللہ تعالے ایسے رب سے خیر کے ملنے سے محروم نہ رہیں گے جو ہنستا بھی ہے - یعنی اب کچھ غم نہیں کیونکہ نہیں معلوم کس بات پر ہنس پڑینگے اور ہمارا کام بن جاویگا - صاحبو صحابہ رضؓ کے یہ علوم ہیں - اب اِن میں ہمیں اسلئے لطف نہیں آتا کہ ہمارا قلب مثل عنین کے ہو گیا ہے اُس کو حس نہیں رہی جیسے عنین کو عورت میں لطف نہیں آتا - اسی طرح ہم باعتبار قلب کے عنین اور نابالغ ہیں - خوب کہا ہے ؎

خلق اطفال اند جز مست خدا	نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

تو صحابہ رضؓ نے جیسے اُس حدیث سے سمجھا اُسی انداز پر اسوقت خدا تعالے نے حضرت وحشی رضؓ کے

کے متعلق ارشاد نبوی سے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ اگر ہم مخل جاویں گے تو ضرور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہماری مدد فرمادیں گے۔ غرض حضورؐ نے حضرت وحشی رضؓ سے فرمایا اور اُنہوں نے کرکے دکھلادیا کہ تمام عمر سامنے نہیں آئے ؎ اُرِیْدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیْدُ ھِجْرِیْ ۔ فَاَتْرُکُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ ۔ کیا کیا لہریں اُن کے دل میں اُٹھتی ہونگی کہ ؎

از فراق تلخ میگوئی سخن	ہرچہ خواہی کن ولیکن این مکن

اگر گردن بھی کاٹ لیتے تو یہ غم نہ ہوتا۔ ایک تو جُدائی کا غم دوسرا یہ غم کہ لوگوں کی نظروں میں کیسی ذِلت ہوئی مگر عاشق تھے کچھ بھی پروا نہ کی۔ جان و مال و آبرو سب فدا کردیا۔ اور دوسرے صحابہؓ بھی کیسے مہذّب کہ کسی نے اُن کو ذرا نہیں چھیڑا بلکہ اُن کی زیارت کرنے ملکِ شام میں جاتے تھے چنانچہ اُن سے ایک صحابی ملنے گئے اور اُن سے حضرت حمزہ رضؓ کے قتل کا واقعہ پوچھا کہنے لگے خدا کا شکر ہے کہ اُس کا کفارہ بھی ہوگیا کہ میں نے مسیلمہ کذّاب قتل کیا۔ تو صحابہ جب ایسے تھے کہ اتنے بڑے امر میں اطاعت کرلی تو حضورؐ کو یقین تھا کہ اگر ہم ایسا کرلیں کہ اِن رؤسار کے آنے کے وقت اِن غربا کو مجلس میں رہنے سے منع کردیں تو اُن کو تو ذرا بھی ناگوار نہ ہوگا اور شاید یہ رؤسا ایمان لے آدیں ورنہ اتمام حجت ہی ہوجاویگا۔ اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سوچ رہے تھے کہ ایسا کریں یا نہ کریں کہ یہ آیت نازل ہوئی وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنَاکَ عَنْھُمْ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۔ یہ شانِ نزول بیان کیا تھا جسمیں بعض اور ضروری مضمون بھی بیان ہوگئے۔ اب مَیں ترجمہ بیان کرتا ہوں فرماتے ہیں وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ الخ یعنی جمائے رکھو اپنے کو اُن لوگوں کے ساتھ جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت اِس طرح کرتے ہیں کہ اُس عبادت میں ارادہ کرتے ہیں محض خدا تعالیٰ کی رضا کا یعنی اپنے نفس کو مقیّد کرکے رکھئے یعنے اُن کو اُٹھانے کی اجازت تو کہاں ہے خود بھی نہ اُٹھئے۔ مثلاً خود ہی اُٹھ کر اُن رؤسار کو دوسری مجلس میں لیکر بیٹھ جاتے جسمیں اُن غربا کی ذلت بھی نہیں تھی دیکھئے وَاصْبِرْ نَفْسَکَ ارشاد ہے کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی تقاضا

ع ۵ میں اُس کے وصال کا ارادہ کرتا ہوں اور وہ میرے فراق کا ارادہ کرتا ہے۔ پس میں اپنی مُراد کو اُس کی مُراد کی وجہ سے چھوڑتا ہوں ۱۲

تذکرۂ قصۂ حضرت وحشیؓ

بقیہ تذکرہ درخواست مشرکین مکہ کہ غربا مسلمین کو ہٹادیا جائے

تفسیر آیۃ واصبر نفسک الخ

ہو قلب میں کہ میں اُٹھوں کیونکہ اِس اُٹھنے کا داعی بھی دین ہی تھا مگر صبر کر کے بیٹھے اِس سے سمجھئے کہ کیا چیز ہیں مساکین۔ محض اسلئے کہ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ۔ خوب کہا ہے ؎

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم	؎	شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند
گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں		کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

جب ہی تو یہ بات ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو کہ دو جہان کے بادشاہ ہیں فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ[ع] اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ احْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ۔ دیکھئے یہ نہیں فرمایا کہ مساکین کا حشر میرے ساتھ ہو بلکہ یہ فرمایا کہ میرا حشر مساکین کے ساتھ ہو یعنی وہ لوگ تو اپنی جگہ رہیں میں اُن کے ساتھ ہو جاؤں جہاں مسکین ہوں وہیں میں ہوں۔ ورنہ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ جہاں میں ہوں وہاں یہ آجاویں۔ اور یہ یہاں[ف] سے اندازہ ہوگا کہ مسکنت کیا چیز ہے۔ صاحبو وہ اتنی بڑی چیز ہے کہ ایک ایسے بڑے سخت مرض کا علاج بھی ہے کہ وہ تمام مفاسد کی جڑ ہے اُس سے تمدّن اور دین دونوں بگڑتے ہیں اور وہ مرض کبر اور نخوت ہے کہ جتنی متعدی خرابیاں ہوتی ہیں۔ لڑائی غیبت حسد یہ سب تکبر کی بدولت ہوتے ہیں ہمارے مرشد حاجی صاحبؒ نے ایک مرتبہ ایک ایسی عجیب اور گہری بات فرمائی کہ جو آجتک کسی ریفارمر کی زبان پر بھی نہیں آئی۔ فرمانے لگے کہ لوگ اتفاق کی کوشش کرتے ہیں اور اُس کی جڑ کی خبر نہیں ہے۔ اتفاق[ف] کی جڑ ہے تواضع۔ ہر شخص اپنے اندر تواضع پیدا کرلے کیونکہ نا اتفاقی ہمیشہ کبر سے ہوتی ہے۔ کیونکہ جب ہر شخص اپنے کو دوسرے سے بڑا سمجھیگا تو بہت سی باتوں میں اپنے حقوق کی اضاعت بھی سمجھیگا ہر بات میں اپنے کو دوسرے پر بڑھانا چاہیگا اور اس سے نا اتفاقی پیدا ہوگی۔ اور جب ہر شخص میں تواضع ہوگی تو ہر شخص اپنے اوپر دوسرے کے حقوق سمجھے گا اور اُن میں اپنے کو قاصر پاوے گا تو سب کے سب ایکدوسرے کے سامنے لچیں گے اور یہی اتفاق ہے۔ ہمارے[ف] عقلاء اتفاق کی کوشش کر رہے ہیں مگر ساتھ ساتھ کبر و نخوت کا بھی اہتمام کرکے اُسی اتفاق کی جڑ کاٹ رہے ہیں۔ بعینہٖ وہی حالت ہے ؎

یکے بر سرِ شاخ و بن مے بُرید		خداوند بستاں نگہ کرد و دید

توہم شاخ اتفاق پر بیٹھے ہیں۔ لیکن کبر کے تبر سے اُس کی جڑ کاٹ رہے ہیں۔ آج خودداری[ف]

[ع] اے اللہ زندہ رکھ مجھ کو مسکین اور موت دے مجھکو مسکنت کی حالت میں اور محشور فرما مجھ کو مساکین کے گروہ میں۔

تکبر کی تعلیم کیجاتی ہے اور اُس کا نام رکھا گیا ہے اولوالعزمی - صاحبو اولوالعزمی یہ ہے کہ سلطنت پر لات ماردی اور حالت یہ ہو کہ لنگکے زیرو لنگکے بالا - اولوالعزمی کا حاصل یہ ہے

اولوالعزمی کے معنی صحیح

موحد چہ برپائے ریزی زرش	چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
اُمید و ہراسش نباشد زکس	ہمیں است بنیاد توحید وبس

اور وہ حالت ہو ہے

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند	فرزند وعیال وخانماں را چہ کند

حضرت خالدؓ اور ماہان ارمنی کی اولوالعزمی کی حکایت

صاحبو اولوالعزمی وہ ہے جو صحابہؓ نے کرکے دکھلادی کہ ماہان ارمنی کے دربار میں جب حضرت خالدؓ سو آدمیوں کو ہمراہ لیکر تشریف لے گئے تھے - ماہان ارمنی نے حریر کا فرش بچھایا ہوا تھا - حضرت خالدؓ نے اُسکو اُٹھا دیا - ماہان نے کہا کہ اے خالدؓ میں نے تمہاری عزت کے لئے یہ فرش بچھایا تھا - حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ خدا کا فرش تیرے فرش سے بہت اچھا ہے - اب غور کیجئے کہ حضرت خالدؓ صرف سو آدمیوں کے ساتھ ہیں اور ماہان ارمنی کے پاس دس لاکھ فوج ہے - لیکن حضرت خالدؓ کیا گفتگو کرتے ہیں - ماہان ارمنی نے کہا کہ اے خالدؓ میرا جی چاہتا ہے کہ تمکو بھائی بنالوں حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ بہتر ہے کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ماہان ارمنی نے کہا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا - حضرت خالدؓ نے فرمایا تو اِس حالت میں ہم نے حقیقی بھائیوں کو بھی چھوڑ دیا تجھ کو کیا بھائی بناتے - پھر حضرت خالدؓ نے فرمایا اے ماہان تو مسلمان ہو جاؤ وہ دن قریب نظر آرہا ہے کہ تو حضرت عمرؓ کے سامنے اِس طرح حاضر کیا جاویگا کہ تیرے گلے میں رسی ہوگی اور تجھ کو ایک شخص گھسیٹتا ہوگا - اس پر ماہان ارمنی آگ ہوگیا غضب ناک ہوکر کہا کہ پکڑو اِن لوگوں کو - حضرت خالدؓ فوراً کھڑے ہوگئے اور ہمراہیوں سے خطاب کرکے فرمایا کہ خبردار اب ایکدوسرے کومت دیکھنا اب انشاء اللہ تعالیٰ حوض کوثر پر ملاقات ہوگی - اور فوراً میان سے تلوار کھینچ لی - یہ ہیئت دیکھ کر ماہان مرعوب ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں تو ہنسی کرتا تھا - جب حضرت خالدؓ درست ہوکر بیٹھے - یہ ہے اولوالعزمی نہ یہ کہ غایت کبر ونخوت وتنفر عن المساکین سے جنگل میں جابسے کہ نہ مسلمان اُن کو دیکھ سکیں نہ یہ مسلمانوں کو دیکھ سکیں - نیز جس کا نام آج اولوالعزمی رکھا گیا ہے وہ وہ ہے جس کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا[ع] - تو اولوالعزمی صحابہؓ نے کرکے دکھلائی ہے اور وہ توحید سے ہوتی ہے - آجکل

ع نہیں ارادہ کرتے ہیں بڑائی کا زمین میں اور نہ فساد کا ۱۲

تکبر کا نام اولوالعزمی رکھا گیا ہے اور اُس کی تعلیم دیجاتی ہے۔ صاحبو کیسے افسوس اور رنج کی بات ہے آج بچوں کو وہ تعلیم دیجاتی ہے کہ اُن میں بچپن ہی سے اینٹھ مروڑ پیدا ہو جاوے۔ مجھ سے ایک رئیس نے پوچھا کہ اگر بچہ نوکر کی خطا کرے تو کیا کرنا چاہیئے یعنی اس حرکت پر اسکو کسی قسم کی تنبیہ کرنی چاہیئے یا نہیں۔ میں نے کہا اُس بچہ کو کہنا چاہیئے کہ اُس نوکر سے عذر کرے۔ کہنے لگے کہ یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے۔ اس سے اولوالعزمی میں ضعف ہوتا ہے۔ پھر جب میں نے اُس اولوالعزمی کی حقیقت سمجھائی کہ یہ بدخلقی اور تکبر ہے تب اُنکی سمجھ میں آگیا۔ صاحبو واللہ لوگوں کو پرورش اور تربیت نہیں آتی۔ تربیت یہ تھی جو کہ پہلے اتالیق کرتے تھے۔

ف: ایک شاہزادہ کی تربیت کی حکایت

ایک شاہزادہ کی حکایت ہے کہ وہ ایک معلم کے پاس پڑھتا تھا۔ ایک روز بادشاہ جو مکتب میں گئے تو دیکھا کہ نہ شاہزادہ ہے اور نہ معلم ہے۔ دوسرے لڑکوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ معلم صاحب گھوڑے پر سوار ہو کر گئے ہیں اور شاہزادہ اُن کے پیچھے ساتھ گیا ہے۔ بادشاہ کو یہ حرکت ناگوار ہوئی اور جس طرف اُن کا جانا سنا تھا خود بھی اُسی طرف کو چلا۔ آخر ایک جگہ ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے دیکھا کہ میانجی گھوڑے پر سوار ہیں اور شاہزادہ گھوڑے کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ بادشاہ نے معلم سے پوچھا کہ آخر اس کا کیا سبب ہے۔ کہنے لگے کہ جناب کو معلوم ہے کہ یہ شاہزادہ ہے اور خدا نے کیا تو یہ تخت سلطنت پر بھی متمکن ہوگا اُسوقت ایسے بھی مواقع ہونگے کہ یہ سواری پر ہو اور اسکے ساتھ اِس کے حشم خدم بھی ہوں۔ پس میں اسی وقت سے اِس کو گھوڑے کے ساتھ بھگا کر یہ تبلا رہا ہوں کہ خدام کو پیادہ دوڑنے میں ایسی تکلیف ہوا کرتی ہے تاکہ یہ اپنی تکلیف کو یاد کر کے اپنے حشم خدم پر رحم کرے اور وسعت سے زیادہ تکلیف اُن کو نہ دے۔ یہ سُنکر بادشاہ بہت خوش ہوا اور کہا جزاک اللہ تم نے بہت بڑی اصلاح کی۔ تو یہ ہے تربیت کا طریق۔

ف: تکبر کا علاج

اب تکبر کا ایسا چرچا ہوا ہے کہ خدا کی پناہ اور یہی ہماری تباہی کا سبب ہے۔ اور اس کا علاج ہے مسکنت۔ جو بات دس برس کے مجاہدہ میں بہ دقت حاصل ہو سکتی ہے وہ مسکنت سے ایکدن میں حاصل ہو جاتی ہے۔ اور یہ مسکنت کی وہ منفعت ہے جو میری سمجھ میں آئی ورنہ اصل یہ ہے کہ مسکنت فی ذاتہا بھی محبوب عند اللہ ہے۔ پیا جس کو چاہے وہی سہاگن ہوئے۔

ف: مسکنت کی فضیلت

شاید اس تقریر سے کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اب ہم بھی گھر لٹا دیں گے اور مساکین میں داخل ہو جاویں گے۔ صاحبو ہرگز ایسا مناسب نہیں مساکین میں داخل ہونے کا یہ طریق ہے کہ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ تم اُن سے محبت رکھو انشاء اللہ تعالیٰ اُنہیں کے درجہ پر پہونچ جاؤ گے۔ اسی لئے

فرماتے ہیں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم یَاعَائِشَۃُ قَرِّبِی الْمَسَاکِیْنَ وَجَالِسِیْھِمْ لفظ قربی میں تو اُن کو آنے دینے کے لئے فرمایا اور لفظ جالسیھم میں اُس سے بڑھ کر یہ بتلا دیا کہ اگر وہ خود نہ آویں تو تم جاکر بیٹھو۔ دیکھئے کتنی بڑی عزت ہے مساکین کی۔ یہ ہی مسکنت ہے جس سے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ اِصْبِرْ نَفْسَكَ الخ یہ بیان تھا ترجمہ آیت کا۔ اور آیت کے ترجمہ سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مقصود میرا کیا بیان کرنا ہے مگر میں تصریحاً بھی کہے دیتا ہوں سو مدلول لغوی آیت کا تو یہ ہے جو کہ میں نے بیان کیا مگر اس کی ایک غایت ہے اُس غایت سے میرا مقصود اچھی طرح سمجھ میں آجاویگا۔ میں نے سوچا تھا کہ کوئی صریح آیت سمجھ میں آجاوے مگر جلدی میں سمجھ میں نہیں آئی۔ لیکن خیر اب سمجھئے کہ غایت اس اِصْبِرْ سے کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رعایت نفع صحابہؓ کی کیونکہ دو حال سے خالی نہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مساکین کو نفع پہونچتا ہے یا نہیں اگر نہیں پہونچتا تو پھر اس حکم سے کیا فائدہ ہوتا۔ اور اگر کوئی کہے کہ شاید حضور کو نفع پہونچتا ہو اجر تبلیغ کا تو یہ بالکل غلط ہے کہ صرف اس کو مدار حکم کہا جاوے۔ اسمیں صحابی کی کیا تخصیص ہے یہ تو تبلیغ الی الکفار میں بھی مشترک ہے پس معلوم ہوا کہ ان مساکین کو آپ سے نفع پہونچنا بڑی غایت ہے اس حکم کی یعنی اگر یہ آپ کے پاس بیٹھیں گے تو ان کو نفع ہوگا۔ اِس سے ثابت ہوا کہ مقبولان الٰہی کے پاس بیٹھنے سے نفع ہوتا ہے۔ یہ چھوٹا سا جملہ ہے مگر میں اسکی تفصیل کرونگا اور یہ ہی میرا مقصود ہے بیان سے اور یہ مسئلہ سب کے نزدیک مسلّم بھی ہے اور قرآن شریف میں منصوص بھی ہے اِتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ اِس آیت میں تو یہ مصرح ہی ہے اور جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اسمیں گو مصرح نہیں لیکن حسب تقریر مذکور لازم آگیا۔ پھر یہ کہ اسکا مسلّم ہونا ہی کافی ہے۔ لیکن باوجود مسلّم ہونے کے افسوس ہے آپ کے دلوں میں درجہ ضرورت میں یہ کبھی نہیں آیا اور یہ ہی ضرورت داعی ہوئی اس کے بیان کی۔ یہ تو عام خیال ہے کہ نیک صحبت نافع ہوتی ہے لیکن اسکا ضروری ہونا سو عقیدہ کے درجہ میں بھی اس سے غفلت ہے اور عمل کے اعتبار سے بھی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ تمام لوگ اپنے لئے اپنی اولاد کے لئے دُنیا کی فلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن میں جو دین کا مذاق غالب رکھتے ہیں وہ دین کے لئے مولوی بناتے ہیں جو دُنیادار ہیں وہ معاش کے لئے تیار کرتے ہیں۔ غرض ایک نے دین کی فلاح کی کوشش کی اور ایک نے دُنیا کی فلاح کی کوشش کی لیکن اس فہرست مساعی میں کہیں یہ فکر نہیں جس کا نام نیک صحبت ہے۔ یعنی بالاستقلال اس کا اہتمام کسی نے بھی نہیں کیا۔ جیسے اور کاموں کو ضروری

نیک صحبت کی ضرورت اور اس کو ضروری نہیں جانتے

سمجھتے ہیں اس کو کسی نے بھی ضروری نہیں سمجھا۔ مثلاً ہفتہ بھر میں ایک دن یا مہینہ بھر میں ایکدن یا سال بھر میں ایک مہینہ کسی نے اسکے لئے دیا ہو کہ اس میں صحبت نیک سے مستفید ہوں تو ہمارا یہ عمل اس کی شہادت دے رہا ہے کہ ہم نے اس کو کسی درجہ میں بھی ضروری نہیں سمجھا۔ دیکھئے سارے کاموں کے لئے وقت مقرر ہیں کھانے کے لئے بھی آرام کے لئے بھی سیر کے لئے بھی مگر صحبت نیک کے ذریعہ سے محض تہذیب اخلاق کے لئے بھی کسی نے وقت مقرر کیا ہے؟ اس کے جواب میں محض صفر ہے۔ یہ ہے وہ مضمون جس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے اس لئے کہ اس کی طرف سے غفلت عام اور ضرورت اس کی بیحد کہ دنیا کا یا دین کا کوئی کمال بغیر صحبت کے نہیں ہو سکتا۔ ہاں نام کو جو چاہے ہو جاؤ باقی واقع میں وہ حال ایسا ہی ہے کہ ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے	حاصل خواجہ بجز پندار نیست

اسوقت لوگ مطالعہ کتب کو کمال سمجھتے ہیں۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ کوئی کمال بدون ماہر کے حاصل کئے نہیں آسکتا اور ماہر سے حاصل کرنا موقوف ہے صحبت پر۔ اور دنیاوی کمالات کو جانے دیجئے اُس کا مجھے تجربہ نہیں نہ مجھے اُسکے متعلق گفتگو کرنے کی ضرورت ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم	چو غلام آفتابم ہمہ از آفتاب گویم

گو مولویوں پر یہ بھی اعتراض ہے کہ دنیا کی اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں بتلاتے مگر میں اس کا ایک جواب دیا کرتا ہوں کہ یہ اعتراض ایسا ہے کہ جیسے حکیم محمود خان کے پاس کوئی مدقوق جاوے اور وہ نبض دیکھ کر ایک نسخہ لکھ دیں جب وہ نسخہ لیکر باہر آیا تو دروازہ پر ایک چمار ملا کہنے لگا کہ حکیم صاحب نے کیا بتلایا۔ مریض نے نسخہ دکھلا دیا دیکھ کر کہنے لگا کہ تمہاری جوتی ٹوٹی ہوئی ہے اس کے متعلق بھی کچھ بتلایا۔ مریض نے کہا کوئی نہیں۔ کہنے لگا کہ حکیم محمود خان بھی دُنیا کی ضرورت سے بالکل ہی غافل ہیں۔ صاحبو اس مشیر کو کیا جواب دیجئے گا بجز اسکے کہ یہ حکیم صاحب کا منصب ہے اور یہ تیرا کام ہے۔ اسیطرح ہم دق روحانی کا نسخہ بتلاتے ہیں اور دنیوی مقاصد کو جوتی سینے کے درجہ میں سمجھتے ہیں۔ تو پھر ہم پر ہمارے خلاف منصب کیوں الزام دیا جاتا ہے۔ صاحبو غضب ہے کہ سنار کے پاس کھڑ پا لیجاؤ کہ اسکو بناوے یا قاضی شہر سے چارپائی بنواؤ۔ ہاں اگر حکیم محمود خان جوتی بنوانے سے منع کریں تو وہ مجرم ہیں۔ لیکن اگر جوتہ اس طرح سے سلوایا جاوے کہ کھال میں کوستالی نکلنے لگے تو حکیم محمود خاں پر فرض ہے کہ منع کریں اور کہیں کہ اس زخم سے تمہارا سارا بدن سڑ جاویگا۔ بس اسی طرح اگر مولوی جائز طریقوں سے دُنیا کمانے کو

ف [illegible]

ف [illegible]

منع کریں تو بیشک مولویوں پر الزام ہے۔ لیکن اگر دین میں کُستائی نکلنے لگیگی تو وہ ضرور منع کرینگے۔ اور یہ منع کرنا واقع میں ترقی سے روکنا نہیں ہے۔ صاحبو اگر ایک شخص جیب میں اشرفیاں بھرے اور جب جگہ رہ جاوے تو اوپر سے کوڑیاں بھرنے لگے اور کوڑیوں کو ٹھونس ٹھونس کر بھرنے کے بوجھ سے جیب پھٹنے لگے کہ اشرفیاں نکلنے لگیں۔ اور یہ حالت دیکھ کر کوئی شخص اس کو اس طرح کوڑیاں بھرنے سے منع کرے تو اُسکو مانع ترقی کہا جاویگا ہرگز نہیں۔ وہ کوڑیاں کس کام کی جو اشرفیاں کھوکر حاصل کی گئیں ہوں۔ پس جب آپ کا دین کہ اشرفیوں سے زیادہ قیمتی ہے برباد ہو رہا ہے تو دُنیا کی چند کوڑیاں جمع کرکے آپ کو کیا فلاح ہوگی۔ تو اس حالت میں مولوی ضرور منع کرینگے اور اگر یہ امر آپ کی سمجھ میں آجاویگا تو آپ بھی کہنے لگیں گے ؎

مبادا دل آں فرومایہ شاد	کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

ہم کو گو یہ بھی جائز ہے کہ ہم آپ کو آپ کے دنیاوی نقصانات سے بھی بچاویں لیکن ہم اسکو اپنا منصب نہیں سمجھتے۔ اسلیئے دوسرے مشاغل دینیہ کے غلبہ سے قصداً ایسا نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ؎

ماہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الا حدیث یار کہ تکرار مے کنیم

دیکھیے انگریزوں کا فتویٰ ہے کہ ہر کام کے لئے ایک جماعت رہنی چاہیئے تو اس فتویٰ کیمطابق مولویوں کو صرف دین کے کام کے لئے رکھو۔ مگر آج کل عجب اندھیر ہے کہ سارے کام ایک ہی جماعت کے ذمہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور سارے کاموں کے الزام مولویوں ہی پر ہیں۔ اور اگر مولوی کچھ کرتے بھی ہیں اور روپیہ کی نسبت ان حضرات سے کہتے ہیں کہ روپیہ ہمارے پاس نہیں وہ جمع کیجیئے تو جواب ملتا ہے کہ تم ہی چندہ بھی کرلو۔ مجھے ایسے لوگوں کی حالت پر اکبر کے زمانہ کا ایک قصہ یاد آیا کرتا ہے کہ اکبر نے کسی خوشی میں اپنے بھانڈ کو ایک ہاتھی ویدیا تھا۔ وہ کھلاوے کہاں سے۔ آخر اُس نے ایک ڈھول اُسکے گلے میں ڈالکر چھوڑدیا۔ اکبر شاہ نے اتفاقاً اس ہیئت میں دیکھا۔ پوچھا۔ اُس نے کہا حضور جب مجھ سے کھلایا نہ گیا میں نے ڈھول گلے میں ڈالکر چھوڑدیا کہ بھائی مانگ اور کھا۔ تو گویا مولوی اکبر کے بھانڈ کے ہاتھی ہیں۔ کیوں صاحب مولویوں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ روپیہ مانگیں۔ ہمارا کام زبان اور ہاتھ کا ہے۔ باقی روپیہ دنیا یا جمع کرنا یہ کام آپ کا ہے۔ بیان اس کا تھا کہ دُنیاوی اصلاحات میں دخل دینا مولویوں کا کام نہیں ہے بلکہ اُن کا حُسن تو یہ ہے کہ اس سے یہ واقف بھی نہ ہوں۔ بچہ کا کمال یہ ہے کہ وہ بالکل بھولا ہو۔ دوسرے ایک بڑی خرابی ان کے دُنیا سے باخبر ہونے میں یہ بھی ہے کہ اگر انکو

ایک بھانڈ کی حکایت

دنیا کا کام آدے تو نقص ان کے بھی ساتھ ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر یہ چند روز میں شکر فروش اور چاول فروش ہونگے ۔ دیکھو اگر ڈرایور کو سیکنڈ کی سواری ملے تو وہ کبھی انجن میں نہ بیٹھے گا ۔ تو مولوی دُنیا سے ناواقف ہی بنے چاہئیں ۔ اور صاحبو غضب ہے کہ ایک تو ہم تکلیف کے انجن میں بیٹھ کر آپ کی راحت سانی کے لئے اپنا بدن اور کپڑے سیاہ کریں اور پھر یہ اعتراض ہم پر ہو کہ تم گارڈ کیوں نہیں بنتے اسلئے میں دُنیا کی اصلاح کا ذکر ہی نہیں کرتا گو وہ بھی موقوف صحبت ہی پر ہے مگر میں صرف دینی اصلاح کا ذکر کرتا ہوں کہ دین کی اصلاح محض کتابیں دیکھ کر نہیں ہوسکتی ۔ یہ صحبت ہی سے ہوسکتی ہے ۔ مطالعہ کُتب سے اسکی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے طب کی کتابیں دیکھ کر کوئی شخص بیوی کو مسہل دینے لگے اور حکیم محمود سے نہ پوچھے محض اس لئے کہ قرابادین اعظم ہمارے پاس ہے جس کسی سے بھی ایسا کرنے کو کہو وہ یہی کہیگا کہ صاحب ہر فن کے کچھ دقائق ہوتے ہیں جن کو صاحب فن ہی سمجھ سکتا ہے میں بدون حکیم کے مسہل دینے کی جرات نہیں کرتا ۔ بس اسی طرح اس فن دین میں بھی کچھ غوامض ہیں لہٰذا کتابوں پر اکتفا کرنا سخت غلطی ہے ۔ ہرگز کتابوں پر اکتفا نہ کیجئے بلکہ صحبت اختیار کیجئے ۔ چونکہ وقت کم رہ گیا ہے اسلئے مختصر کر کے ختم کرتا ہوں (سامعین نے التجا کی کہ مختصر نہ کیا جاوے اسکے بعد پھر فرمایا) غرض صحبت نیک کی سخت ضرورت ہے مگر اس کی طرف لوگوں کو مطلق توجہ نہیں ۔ حالانکہ بدون صحبت معمولی کام کا بھی سلیقہ نہیں ہوتا ۔ دیکھئے رسالہ خوان نعمت کو دیکھ کر کبھی کوئی نہیں پکا سکتا تو جب حرف دنیویہ بھی بدون صحبت کے حاصل نہیں ہوسکتے تو فنون شریفہ تو کیسے حاصل ہوسکتے ہیں مجھے یاد ہے کہ میرے بچپن میں ایک وکیل صاحب میرے ہاں مہمان ہوئے میں نے ان سے ترجمہ قانون لیکر دیکھا اور اپنے نزدیک اسکو سمجھا پھر میں نے وکیل صاحب سے پوچھا کہ آیا اسکے معنے یہی ہیں جو میں نے سمجھے ہیں کہنے لگے کہ نہیں بلکہ اسکے معنے یہ ہیں اور اُن کے بیان کرنے کے بعد مجھ کو صحیح معنے معلوم ہوئے جو اُنہوں نے بتلائے تھے ۔ تو دیکھئے اردو مادری زبان ہے مگر چونکہ اس فن سے واقفیت نہ تھی اسلئے صحیح معنی سمجھ میں نہ آئے تو اگر کسی دوسری زبان کی کتاب ہو یا اُس سے ترجمہ کر کے آئی ہو تو چونکہ غیر زبان کے دقائق پر تو بدون مہارت اطلاع علیٰ وجہ الکمال نہیں ہوتی ۔ اور ترجمہ میں وہ خصوصیات محفوظ نہیں رہتیں جو اصل زبان کے الفاظ میں تھیں ۔ اسلئے محض کتاب دیکھ کر بھی کوئی شخص اصل بات کی تہ کو نہیں پہونچ سکتا ۔ دیکھو اگر ذوق کا ایک شعر لیکر فارسی میں اس کا ترجمہ کر دو تو ہرگز وہ لطف نہ آویگا ۔ بس یہی حالت قرآن و حدیث کی ہے ۔ تو اول زبان سیکھو پھر ماہر فن کے متعلق

اہل فن سے اُس کے احکام سیکھو تب وہ فن حاصل ہوگا۔ ورنہ قرآن بدون مفسر کے اور حدیث بدون محدث کے ہرگز حل نہیں ہو سکتی اور علماء کو اسکا اندازہ ہوگا کہ باوجود اسکے کہ وہ دن رات اِس میں رہتے ہیں عمر بھر بھی اُن کو گاہے پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ میں نے بعض اوقات اپنے اساتذہ کے سامنے اُن کے مطالب بیان فرمانے پر اُسکے خلاف اُس مقام کی تقریر کی اور اُنہوں نے اُس کو قبول کیا۔ تو جب شاغلین کی یہ حالت ہے تو جن لوگوں کو یہ مشغلہ ہی نہیں وہ محض اپنے فہم پر کیسے مطمئن ہو سکتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک مسئلہ کے ساتھ دوسری قیود جو اُس مقام پر مذکور نہیں ملحوظ ہوتی ہیں جسمیں نہایت ماہر کی ضرورت ہوتی ہے اسی لئے میں نے ایک طالب علم شافعی المذہب کی درخواست پر اُسکو فقہ شافعی پڑھانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ کبھی ایک مسئلہ میں ایک قید معتبر ہوتی ہے لیکن وہ اُس خاص جگہ مذکور نہیں ہوتی بلکہ دوسری جگہ مذکور ہوتی ہے تو ایسے مقام پر بوجہ عدم استحضار و عدم مہارت مجھے فروگذاشت ہوتی۔ میں مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ لفظ اِختاری کنایات میں سے ہے اس کو باب الکنایات میں دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ لغزش ہوئی کہ وہ یہ سمجھے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو بہ نیت طلاق یہ لفظ کہہ دے تو طلاق ہو جاویگی۔ حالانکہ یہ مسئلہ ایک تو باب تفویض طلاق سے متعلق ہے اور دوسرے باب کنایات سے تو باب کنایات میں تو یہ لکھا ہے کہ یہ کنایہ ہے اور باب تفویض میں یہ لکھا ہے کہ وقوع کی شرط یہ ہے کہ عورت اِخترتُ نفسی بھی کہے۔ اور اگر عورت کچھ نہ کہے تو مرد کے صرف اِختاری کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اسی لئے میں نے اُن شافعی المذہب سے انکار کر دیا۔ اور مولوی طیب صاحب عرب شافعی کا نام بتلادیا کیونکہ دیانت کی بات یہی تھی۔ اِس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ جبتک کامل شیخ اُسکے غوامض پر مطلع نہ کرے اُسوقت تک وہ حل نہیں ہو سکتیں۔ اسلئے صحبت کی حاجت ہوئی سو ایک ضرورت تو صحبت کی اصلاح علمی کے لئے ہے اور دوسری اِصلاح دین کی عمل ہے جسکے لئے ضرورت ہے تربیت کی۔ اور وہ بھی موقوف ہے صحبت پر اور عمل کا موقوف ہونا تربیت پر اور محض علم کا اُسکے لئے کافی نہ ہونا اس سے ظاہر ہے کہ عمل میں علماء بھی کوتاہیاں کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم جیسوں کی یہ حالت ہے۔ کہ

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و ممبر میکنند	چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند
مشکلے دارم زدانشمند مجلس باز پرس	توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند

آخر کیا وجہ ہے کہ غیبت کی بُرائی جانتے ہیں مگر مبتلا ہیں۔ جانتے ہیں کہ کینہ رکھنا بُرا ہے مگر

دین کا حاصل عمل ہے ۔ ۔ ۔ عمل موقوف ہے تربیت پر اور تربیت صحبت پر موقوف

سینکڑوں اہل علم اسمیں مبتلا ہیں۔ سو وجہ یہی تھی کہ تربیت نہیں ہے اور اسکی وجہ سے عمل کم ہے تو عمل کے لیے فقط علم اور ارادہ کافی نہیں تربیت کی بھی حاجت ہے۔ لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ عمل ارادی چیز ہے تو اسکے لیے ارادہ کافی ہوگا مگر اسمیں غلطی یہ ہوئی کہ خود ارادہ کے لیے بھی قوت کی ضرورت ہے اس پر نظر نہیں کی گئی۔ یا یوں کہئے کہ ارادہ جب ہی کافی ہو کہ موانع موثر نہوں اور بدون تربیت موانع ہوتے ہیں مثلاً منازعات نفس بھی موانع ہیں کہ آپ سردی میں اٹھ کر نماز پڑھنا چاہتے ہیں لیکن نفس آپ کو روکتا ہے تو اسکے لئے ضرورت ہے تربیت کی اس سے منازعات ضعیف الاثر ہو جاتے ہیں گو بالکل انکے مواد کا استیصال نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کو اسمیں یہ دھوکہ ہوجاتا ہے کہ مجاہدات سے منازعات بالکل باطل ہوجاتے ہیں لیکن یہ غلط ہے ہاں ضعیف ہوجاتے ہیں ؎

منازعات نفس کا مجاہدے سے اضمحلال ہو جاتا ہے

نفس اژدرہاست او کے مردہ است	ازغم بے آلتی افسردہ است

مولانا نے حکایت لکھی ہے کہ ایک اژدھا سردی میں ٹھٹھرا پڑا تھا اسکو ایک مارگیر نے مردہ سمجھ کر رسوں میں جکڑ لیا اور گھسیٹ کر شہر میں لایا لوگ جمع ہو گئے وہ شیخی بگھار رہا تھا کہ میں نے اسطرح اسکو گرفتار کیا ہے اور اسطرح اسکو مارا ہے لوگ بھی تعجب کر رہے تھے اتنے میں دھوپ جو نکلی وہ اس کی حرارت سے جنبش کرنے لگا معلوم ہوا کہ زندہ ہے مخلوق بھاگی اور ساری شیخی اس کی کرکری ہو گئی۔ اسکو ذکر کرکے مولانا فرماتے ہیں نفس اژدرہاست او کے مردہ است۔ ازغم بے آلتی افسردہ است۔ یعنی نفس تو ایک اژدر ہے وہ مرا نہیں ہاں غم بے آلتی سے افسردہ ہو رہا ہے تو افسردگی کے اسباب کو نہ چھوڑنا چاہیے۔ اور وہ مجاہدات و اشغال اور تدابیر خاصہ ہیں اسلئے تعلیم اصلاح کے ساتھ ان تدابیر کی تعلیم بھی ضروری کرنا چاہیے۔ اکثر ہمارے مصلحین اوامر و نواہی اور وعدہ وعید کو ہمیشہ ذکر کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ تدبیر نہیں بتلاتے حالانکہ اس کی سخت ضرورت ہے کیونکہ اس میں سخت دشواری پیش آتی ہے ہم چاہتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولیں مگر نفس کہتا ہے کہ اب تو فلاں مصلحت ہے بول ہی لینا چاہیے اور ہم نفس سے مجبور ہو جاتے ہیں۔ دیکھو اگر بدن میں صفرا بہت بڑھ جاوے تو نرے مسکنات سے تسکین نہیں ہوتی بلکہ مزیل کی ضرورت ہوگی۔ تو محض نصیحت بمنزلہ مسکن ہی اور تدبیر بمنزلہ مزیل۔ غرض ان منازعات کے لئے تربیت کی حاجت ہوئی۔ حاصل تقریر یہ ہوا کہ دو چیز کی ضرورت ثابت ہوئی۔ ایک علم دوسرا عمل جو موقوف ہے تربیت پر۔ اول کے لئے خاص قسم کے

دین میں صرف علم کافی نہیں بلکہ تدابیر عمل کی تعلیم بھی ضروری ہے

شیوخ کی ضرورت ہے اور دوسرے کیلئے خاص قسم کے شیوخ کیضرورت ہے پس علم وعمل دونوں موقوف ہوئے صحبت پر مگر ہم لوگ اس سے غافل ہیں۔ چونکہ میں نے کہا تھا کہ جس کیضرورت ہو اور اُس سے غفلت ہو اُس کے بتلانے کی سخت ضرورت ہوتی ہے اسی لئے میں اس کے بتلانے کو عرض کر رہا ہوں کہ صحبت وہ چیز ہے کہ علم اور عمل کا کمال دونوں اسپر موقوف اور علم وعمل دونوں ضروری اور موقوف علیہ ضروری کا ضروری پس کسقدر ضروری ٹھیری۔ اب یہ بات کہ علم اور عمل دونوں ضروری ہیں سو اسکا مختصر بیان یہ ہے کہ جو خرابی دنیوی یا اخروی واقع ہوتی ہے یا اخلال علم سے ہوتی ہے یا اخلال عمل سے اُخروی خرابی کا ترتب تو ظاہر ہے اور اس کے واسطے نصوص وعید دلیل کافی ہیں۔ اور دنیوی خرابی کا ترتب اس طرح ہے کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرکے ہر پریشانی سے نجات ہوتی ہے اور اسیطرح مخالفت کرنیسے پریشانی کا ہجوم ہوتا ہے۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ عمل کرنے سے ہر تعب سے نجات ہوتی ہے مگر پریشانی سے ضرور نجات ہوتی ہے اور اصل کلفت یہی ہے اور اگر پریشانی نہو تو خود تعب و مشقت میں بالذات کوئی کلفت نہیں۔ اسی پر حکایت یاد آئی کہ مولوی غلام مصطفے جو میرے ایک دوست ہیں وہ ایک رئیس کے لڑکوں کو پڑھاتے تھے اور نماز بھی پانچوں وقت پڑھواتے تو ان لڑکوں کی ماں کوستی تھی کہ اس مولوی نے میرے بچوں کو زکام میں مبتلا کر دیا صبح کو وضو کراتا ہے۔ سو صاحب ایسی مشقت تو دین میں ہوتی ہے۔ مولانا فضل الرحمن صاحب علیہ الرحمۃ سے ایک شخص نے آکر پوچھا کہ ایک عورت کا شوہر گم ہو گیا ہے مولوی صاحب نے فرمایا کہ مرد کی نوّے برس کی عمر تک انتظار کرو۔ کہنے لگا کہ جناب اسمیں تو بڑا حرج ہے اور دین میں حرج ہے نہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بھائی اگر یہ حرج ہے تو جہاد میں بھی حرج ہے سو حرج کے یہ معنی نہیں۔ حرج کہتے ہیں پریشانی اور اُلجھن کو سو اسلام میں یہ نہیں ہاں تعب و مشقت ہے تو کیا دُنیا کے کاموں میں تعب اور مشقت نہیں ہے۔ واللہ جو شخص شریعت پر عمل کرے گا تمام پریشانیوں سے نجات میں رہے گا۔ اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ ہم بہت دینداروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اکثر تکلیف میں رہتے ہیں۔ مثلاً اُن کی آمدنی کم ہوتی ہے اور خرچ تنگی سے ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ تکلیف جسم پر ہے رُوح پر نہیں اور پریشانی ہوتی ہے روح کی تکلیف سے پس اُنکی مثال دلدادگان شریعت کے اعتبار سے ایسی ہے جیسے کسی عاشق سے کوئی مدت کا بچھڑا ہوا محبوب ملے اور دُور ہی سے دیکھ کر یہ محب اسکو سلام کرے اور اُسکے گلے سے لگا لینے کا متمنی ہو اور

علم وعمل کیضرورت کا ثبوت

مخالفت شرع سے دنیوی خرابی کا بھی ہونا

تحقیق حرج

عامل با شریعت کو پریشانی نہیں ہوتی

اُس کی عین تمنا کے وقت وہ محبوب دوڑ کر اسکو گلے سے لگالے اور اسقدر زور سے دباوے کہ اُس کی ہڈیاں بھی ٹوٹنے لگیں۔ اب میں اہل وجدان سے پوچھتا ہوں کہ اِس دبانے سے عاشق کو کچھ تکلیف ہوگی یا نہیں۔ یقیناً تکلیف ہوگی لیکن یہ ایسی تکلیف ہے کہ ہزاروں راحتیں اس تکلیف پر قربان ہیں۔ اگر عین اسی تکلیف کی حالت میں محبوب کہے کہ اگر تجھ کو کچھ تکلیف ہو تو چھوڑ دوں اور یہ تیرا رقیب جو سامنے موجود ہے اس کو اسی طرح دبالوں تو وہ کیا جواب دے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ جواب دیگا کہ ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت	سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور یہ کہے گا کہ ؎

اسیرت نخواہد رہائی ز بند	شکارت نجوید خلاص از کمند

غرض اگر عشق و محبت ہے تو اُس تکلیف کی اُسکو ذرا پرواہ نہ ہوگی بلکہ اُسمیں ایک گونہ لذت ہوگی۔ یہ تجربہ کی بات ہے۔ آپ اہل اللہ کی حالت کو مشاہدہ کر لیجئے کہ اُن کو اس قلت مال و تنگی خرچ سے ذرا روحانی تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ جس طرح آپ کو اُن کی ناداری پر رحم آتا ہے اُن کو آپ کی مالداری پر رحم آتا ہے۔ حضرت شبلی صاحب جب کسی متنعم کو دیکھتے تو فرماتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا۔ تو آپ اہل اللہ پر اُن کی ظاہری تکلیف کو دیکھ کر رحم کرتے ہیں مگر اُنکو اپنے اوپر رحم نہیں آتا۔ اس واسطے کہ وہ اُس کو پریشانی ہی نہیں سمجھتے اور واقع میں یہ پریشانی نہیں ہے۔ میں پھر دعوی کرتا ہوں کہ متبع سنت کو کبھی پریشانی نہیں ہوتی۔ اُسکی ہر وقت یہ حالت ہوتی ہے ؎

کوے نومیدی مرو کامیدہاست	سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

اور اُمید وہ چیز ہے کہ جن لوگوں نے بی۔ اے پاس کیا ہے اُن سے پوچھئے کہ امتحان کی تیاری میں کیا کیا مشقتیں اُٹھائی ہیں محض اُمید کامیابی پر کسی نے خوب کہا ہے ؎

اگرچہ دور افتادم بایں اُمید خورسندم	کہ شاید دست من بار دگر جانان من گیرد

خاصکر جو لوگ ایک دو مرتبہ فیل بھی ہو گئے ہیں اُن پر تو یہ شعر خوب چسپان ہے اُنکی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ دنیا کی پرواہ نہ آرام کا خیال ہر وقت کتاب ہے اور وہ ہیں۔ تو تعجب کی بات ہے کہ دس روپیہ کی ہوس میں روٹی اور آرام چھوڑنے والا تو عالی ہمت سمجھا جاوے اور کوئی اُسکو مصیبت زدہ نہ سمجھے اور خدا کا طالب اگر تنعم چھوڑ دے تو وہ پریشان تکلیف میں مبتلا سمجھا جاوے۔

غرض وہ دعوی ثابت ہا کہ اُن لوگوں کو پریشانی نہیں ہوتی (یہانتک بیان کرنے کے بعد نماز عصر کے لئے سب مجمع اُٹھا۔ بعد نماز عصر پھر بیان شروع ہوا تو فرمایا کہ) میں نے تقریر کو اس مسئلہ پر چھوڑا تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرنے والا ہر قسم کی پریشانی سے محفوظ رہتا ہے اور اسپر جو شبہ ہوا تھا اُسکو بھی زائل کردیا تھا۔ اب اگر اُس کی وجہ بھی سمجھ لی جاوے تو بہتر ہے۔ سو اُس کی ایک وجہ تو عقلی ہے اور ایک وجہ عشقی ہے۔ عقلی وجہ تو یہ ہے کہ اُس تعلیم میں ہر مفسدہ کی اصلاح ہے اور اسکو اہل انصاف نے گو وہ دوسری قوم کے ہوں تسلیم کیا ہے اور اگر کسی نے تعصب سے کام لیکر نہیں مانا ہو تو دوسروں نے اُسپر رد کیا ہے۔ دوسری وجہ ایک عشقی ہے کہ وہ دیوانوں کے سمجھنے کی ہے (اور اگرچہ واقع میں یہ وجہ بھی عقلی ہے مگر چونکہ اُسکو عقلار نے کم سُنا ہے اسلئے اسکو عقلی نہیں کہا) اور وہ یہ ہے کہ عقلی قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی صاحب اقتدار کا مطیع ہوتا ہے وہ اُسکو پریشانی سے بچاتا ہے تو خدا تعالیٰ سے زیادہ کون صاحب اقتدار ہوگا۔ پس حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرنے سے چونکہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں وہ اُن کو ہر قسم کی پریشانی سے بچادیں گے۔ ہاں اگر کوئی ایسی پریشانی ہوتی کہ وہ خدا تعالےٰ کے اختیار سے خارج ہوتی تو دوسری بات تھی۔ مگر ساری دنیا کا مسلم مسئلہ ہے کہ خدا کے اختیار سے کوئی چیز خارج نہیں البتہ اگر کوئی امر بظاہر پریشانی کا ہو لیکن وہ واقع میں پریشانی نہ ہو تو اُس سے حفاظت کا دعوی نہیں جیسے بچہ کی حفاظت ماں باپ کرتے ہیں لیکن اگر کسی عضو میں مادہ فاسد جمع ہوجاتا ہے تو اُسکے اخراج کے لئے ماں باپ ہی نشتر بھی دلواتے ہیں بچہ سمجھتا ہے کہ ماں باپ میری بالکل حفاظت نہیں کرتے اور روتا ہے مگر بچہ کی اور مادر مشفق کی رائے میں فرق یہ ہے کہ ؎

طفل مے لرزد زنیش احتجام	مادر مشفق ازاں غم شادکام

تو یہ تکلیف واقع میں راحت ہے اور ایسی پریشانی سے تو کسی مدعا کی طلب میں کوئی بچ نہیں سکتا اور نہ بچنے کی کوشش کرتا ہے وہ عشقی وجہ یہ ہے جو واقع میں عقلی بھی ہے۔ اور میں محض عقلی وجہ پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ قرآن کریم سے بھی اسکو ثابت کرتا ہوں فرماتے ہیں وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ یہ وعدہ ہے خدا تعالیٰ کا۔ غرض یہ دعوی اور عقل ہر دو سے ثابت اور مؤید ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ و رسول کی تعلیم پر عمل کرنے والا کسی پریشانی میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اور جیسا اتباع میں یہ اثر ہے نافرمانی میں بھی یہ اثر ہے کہ نافرمان

ع جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اسکے واسطے کوئی راہ کردیگا اور اُسکو ایسی جگہ سے روزی دیگا کہ اُسکا گمان بھی نہ ہوگا۔

تقریر پریشانی نہ ہونیکی دو وجہ عقلی و عشقی

نافرمان ہمیشہ پریشان رہتا ہے

پریشانی کی حقیقت اور اسکا امتحان

ہر دم پریشانی میں مبتلا رہتا ہے اور گو یہ اسکو راحت سمجھتے ہیں مگر واقع میں وہ پریشانی ہے اسلیے ضرور ہوا کہ میں اول پریشانی کی حقیقت بتلادوں۔ سو سمجھیے کہ پریشانی کس کو کہتے ہیں۔ پریشانی کہتے ہیں تشویش قلب کو نہ کہ مشقت ظاہری کو۔ پس آپ دیکھ لیجیے کہ جو لوگ نافرمانی میں مبتلا ہیں ان کا قلب ہر وقت مکدر اور مظلم رہتا ہے اور جسکا نام جمعیت ہے وہ ان کو ہرگز میسر نہیں ہوتی اور جسقدر بھی تعلقات دنیا زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں پریشانی بڑھتی چلی جاتی ہے اور اگر کسی کو اسکی بھی حس نہ ہے تو وہ امتحان کرلے۔ اور وہ امتحان یہ ہے کہ یہ شخص ایک ہفتہ بھر کے لئے فارغ ہو کر خلوص کیساتھ ذکر اللہ کرے جب ایک ہفتہ گذر جاوے تو دیکھے کہ قلب میں کوئی نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے یا نہیں انشاء اللہ ضرور محسوس ہوگی۔ اب اس کیفیت کو محفوظ رکھے اور خلوت کو چھوڑ دے اسکے بعد غفلت کے آثار میں تو خود ہی مبتلا ہو جاوے گا پھر اسکے ایک ہفتہ بعد اس پہلی محفوظ کیفیت اور اس ابتلاء کے بعد کی کیفیت کو موازنہ کرکے دیکھے تو مقابلہ معلوم ہوگا کہ واقعی میں اسوقت پریشانی میں ہوں۔ اور حالت موجودہ حالت محفوظہ کے سامنے ظلمت اور پریشانی نظر آویگی اور حالت محفوظہ جمعیت اور نورانیت معلوم ہوگی۔ یہ ہے اسکا امتحان اس سے انشاء اللہ معلوم ہوجاویگا کہ اہل دنیا سب پریشانی میں مبتلا ہیں اور بدون امتحان اکثر کو اس کی حس نہ ہوگی۔ کیونکہ جس نے کبھی جمعیت کو نہیں دیکھا وہ پریشانی کو کیا سمجھے۔ وہ تو پریشانی ہی کو جمعیت سمجھے گا۔ مگر اس کو جمعیت سمجھنا ایسا ہے جیسے ایک سرحدی دیہاتی نے اپنی ذلت کو عزت سمجھا تھا مشہور ہے ایک صاحب ہندوستان آئے۔ حلوائی کی دوکان پر پہونچے تو حلوا دیکھ کر جی للچایا دام وام پاس نہ تھے آپ نے بغیر پوچھے اسمیں سے بہت سا اٹھا لیا اور کھا گئے۔ حلوائی نے نالش کردی۔ قاضی شہر نے یہ تعزیر تجویز کی کہ ان کو گدھے پر سوار کرکے لڑکوں کو اسکے پیچھے پیچھے کرو کہ ڈھول بجاتے چلیں اور تمام شہر میں اسی حالت سے گشت کراؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب وطن واپس گئے تو اہل وطن نے پوچھا۔ آغا ہندوستان رفتہ بودی ہندوستان راچہ طور یافتی۔ آپ جواب دیتے ہیں۔ آغا ہندوستان خوب ملک است آنجا حلوا خوردن مفت است۔ سواری خر مفت است۔ فوج طفلان مفت است۔ دُم دُم مفت است۔ تو جیسا ان صاحب کو اس کیفیت میں لطف آیا تھا ویسا ہی اس وقت منعم پرستوں کو ہے کہ آج یہ حشم و خدم عزت اور سامان جمعیت معلوم ہوتا ہے۔ ایک دن حقیقت کھلے گی کہ گدھا ران کے نیچے ہے بلکہ سمجھہ ہے کہ گھوڑے پر سوار ہیں کیونکہ گھوڑے پر سوار ہونا نصیب نہیں ہوا اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہوں تو معلوم ہو کہ پہلے گدھے پر سوار تھے۔ یا

گرد و غبار میں گدھے گھوڑے میں امتیاز نہیں ہوا اسی کو کہتے ہیں ؎

فسوف تری اذا انکشف الغبار | افرس تحت رجلک ام حمار

تو جب یہ غبار غفلت کھلے گا اس وقت معلوم ہوگا کہ ران کے نیچے کیا چیز تھی۔ بہر حال مخالفت میں کبھی جمعیت نہیں ہوتی۔ تو اس تمام تقریر سے معلوم ہوا ہوگا کہ عمل کتنی ضروری چیز ہے اور بے عمل کتنی پریشانی میں ہیں پس عمل کی ضرورت تو اس سے ظاہر ہوگئی اور علم موقوف علیہ ہے عمل کا سو وہ بھی اسی سے ضروری ٹھیرا۔ غرض دو چیزوں کی ضرورت متحقق ہوئی علم کی اور عمل کی اور علم کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے اور عمل کے لئے تربیت کی ضرورت ہے اور ان دونوں کیلئے صحبت کی ضرورت ہے پس صحبت اس درجہ کی ضروری ٹھہری۔ بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر کسی کو کتابی علم نہ ہو اور محض صحبت ہو تو بقدر ضرورت کفایت ہو جاتی ہے ہاں اصطلاحی مولوی نہیں ہوگا کیونکہ کمال علمی تو بدون درس و تدریس کے نہیں ہو سکتا۔ مگر ہاں بقدر ضرورت حاصل ہو سکتا ہے بلکہ اگر حافظہ اور تدین کامل ہو تو کمال علمی بھی صرف صحبت سے بدون درس تدریس کے حاصل ہو سکتا ہے چنانچہ اکثر صحابہ کرامؓ کا علم زیادہ تر خالی صحبت سے بدون کتب و درس ہی کے تھا بعد کو چونکہ حالت بدل گئی اس لئے اس کی حفاظت کی غرض سے مدون کرنے کی ضرورت ہوئی۔ کہ اگر مدون نہ ہوگا تو لوگ محفوظ نہ رکھیں گے یا ان کے دعوی حفظ یا صحت نقل پر اعتماد نہ ہوگا تو تدوین اور تدریس کی ضرورت بعینہ ہے بعینہ نہیں ہے تو تعلیم والا تو صحبت سے مستغنی نہیں اور صحبت والا تعلیم کتابی سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ یہ تو گفتگو تھی تعلیم کے موقوف ہونے میں صحبت پر۔ اب دوسرا جز تربیت جس کی ضرورت تعلیم سے بھی زیادہ ہے سو وہ بدون صحبت کے کسی درجہ میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی حتی کہ غیر اہل ملت نے بھی اسکی ضرورت سمجھی چنانچہ کالجوں میں جو بورڈنگ بنائے جاتے ہیں اور شہر کے بچوں کو بھی ان میں رکھا جاتا ہے محض اسلئے کہ اساتذہ کے خواص طبیعت ان میں پیدا ہو جاویں اور یہ میں نے اسلئے نقل کیا کہ آج کل کے مذاق والے لوگ بھی مطمئن ہو جاویں ورنہ ہمکو غیر ملی لوگوں کے طرز عمل کے نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم تو اسکو ایسا یقینی سمجھتے ہیں کہ جس میں ذرا بھی شک نہیں کیونکہ ہم کو تو روز مشاہدہ ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ذی علم لوگ میرے پاس اصلاح کے لئے آتے ہیں اور ان کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے اور وہ چاہتے ہیں کہ کچھ ذکر و شغل پوچھکر

علم و عمل دونوں کو صحبت کی ضرورت

صحبت میں بغیر اصطلاحی علم کے بھی کفایت ہے

تربیت بھی صحبت پر موقوف ہے

ؔ عنقریب دیکھیگا تو جب غبار کھلیگا کہ تیرے قدم کے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا۔

چلے جاویں لیکن میں بجائے ذکر و شغل سکھلانے کے اُن کو وہاں رہنے کا مشورہ دیتا ہوں اور وہ رہتے ہیں۔ چند روز تک اِس مجمع میں رہنے سے کسی نہ کسی کی برکت سے اُن کی حالت درست ہو جاتی ہے اگرچہ وہ برکت کسی چھوٹے ہی کی ہو۔ اور اسی لئے بڑوں کو بھی ضرورت ہے چھوٹوں کی کیونکہ کبھی اُن کی برکت سے بڑوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم چھ ماہ یا سال بھر تک ہمارے پاس رہو اور یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آتی۔ مگر پھر جب رہتے ہیں اور پہلی حالت میں تغیر شروع ہوتا ہے اور بات بات پر اُنکو روکا ٹوکا جاتا ہے تو اُن کی سمجھ میں آتا ہے کہ واقعی اس کی ضرورت تھی تو چونکہ ہمکو ایسے واقعے ہمیشہ پیش آتے ہیں اسلئے ہم کو تو اہل تمدّن کے قول کے نقل کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ آج کل لوگوں کو بدون اسکے تسلی نہیں ہوتی اسلئے اُن کی حکایت بھی نقل کر دی۔ پس ہمکو دو جماعتوں کی ضرورت ہے ایک تو وہ جماعت جس سے تعلیم حاصل کریں دوسری وہ جماعت جس سے تربیت ہو۔ اب اِس کے متعلق دستور العمل تبلانا رہا سو اِس دستور العمل میں تفاوت ہو گا۔ کیونکہ دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جو کہ لکھے پڑھے نہیں ہیں تو اُنکے لئے تو اور دستور العمل ہو گا اور وہ یہ ہے کہ اگر اُن کو فراغ ہو تو اوّل درس کتابی کے ذریعے سے علوم کی تحصیل کرائی جاوے۔ اگر پورا عالم بھی نہ بنے تو کم از کم دو چار برس تک اسی کام میں لگا رہے اور اِن دو چار برس میں کوئی دوسرا کام نہ ہو (یہ میری رائے ہے) شغل علم میں یہ حالت ہے کہ "چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد" اب یہ آپ کو اختیار ہے چاہے جتنی مدت تجویز کریں مگر کم از کم ایک سال ضرور ہو اور ایک سال کے بعد اگر علوم معاشیہ کی بھی حاجت ہو تو تعلیم دین و دنیا مخلوط ہے۔ اور انہیں جو لوگ تکمیل کر سکیں اُن کی تکمیل بھی کرائی جاوے کہ اس کی بھی سخت ضرورت ہے جسکو لوگ بیکاروں کا کام سمجھتے ہیں۔ میرے پاس کلانور کے ایک شخص آئے میرے بھتیجے کے متعلق پوچھنے لگے وہ کیا کرتا ہے میں نے کہا عربی پڑھتا ہے۔ کہنے لگے کہ عربی کے بعد انگریزی کا بھی ارادہ ہے میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے تو اُسکو ترقی نہ کرائی جاوے گی کہ انگریزی پڑھ کر بڑے بڑے عہدے حاصل کرے۔ میں نے کہا کہ اگر سب اِسی میں مشغول ہوں تو پھر دین کا خادم کون بنے آخر اس کی بھی تو ضرورت ہے کہنے لگے کہ اُسکے لئے مدرسہ دیوبند سے ہر سال بہت لوگ نکلتے ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا انصاف اور خیر خواہی ہے اگر مولوی ہونا ترقی کی بات ہے تو میرے بھتیجے کیلئے کیوں نہ تجویز ہو اور اگر تنزل و ذلت کی بات ہے تو دیوبند کے طالب علموں کیلئے کیوں تجویز ہو کیا وہ

فائدہ: علم کی تحصیل کا دستور العمل پڑھے لکھوں کیلئے

فائدہ: ناخواندوں کا دستور العمل

قوم کی اولاد نہیں - غرض جو لوگ فارغ ہو سکیں اُنکو پُورا مولوی بنایا جاوے اور اسکے لئے اُمرار کے بچے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ غربار معاش سے مستغنی نہیں ہو سکتے - پس یا تو وہ دوسرے کام میں لگ کر علم کو ضائع کرینگے اور یا بعضے علم کو ذریعہ کسب بنا دینگے جس کے بعد نہ اُن کے وعظ میں اثر ہوگا نہ اُن کے فتوے معتبر سمجھے جاوینگے اور امرار مستغنی ہیں اسلئے اُن کے اصلاحات کا اثر زیادہ ہوگا اسلئے امرار پر لازم ہے کہ اپنے بچّوں میں سے ایک دو کو ضرور تکمیل علوم دینیہ کے لئے منتخب کریں مگر انتخاب کا وہ قاعدہ نہ ہو جو اب تک ہوتا چلا آرہا ہے یعنی جو سب سے زیادہ غبی اور کودن ہو اُسی کو عربی کے لئے تجویز کر لیا - اور پھر خود ہی مولویوں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ بیوقوف ہوتے ہیں - صاحبو مولوی تو بیوقوف نہیں ہوتے لیکن بیوقوف مولوی بنا دئے جاتے ہیں - اب تم انتخاب اس طرح کرو کہ جو ذہین اور ذکی ہو اُسکو مولویت کے لئے تجویز کر دو پھر دیکھو کہ مولوی کیسے عقلمند اور ہوشیار ہوتے ہیں مگر لوگوں کی تو حالت عام طور سے یہ ہو گئی ہے کہ جو چیز کسی کام کی نہ ہو وہ اللہ میاں کے نام بھینٹ چڑھائی جاتی ہے اللہ میاں کو جانے لوگوں نے کیا سمجھ لیا ہے کہ جو چیز کسی کے کام کی نہ ہو وہ اللہ میاں کے نام - اِسی لئے کودن وغبی اللہ کے دین کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے - تو اِس انتخاب سے معاف کیجئے - کیونکہ اِس انتخاب میں پڑھنے والے کا تو نفع ہے لیکن قوم کا کوئی نفع نہیں - قوم کو ایسے لوگوں سے نفع ہو سکتا ہے کہ جو سیر چشم اور ذہین ہوں یہ دستور العمل تو اُن ناخواندہ لوگوں کے لئے ہُوا جو کہ خواندہ ہو سکتے ہیں اور جو ناخواندہ لوگ بوجہ فراغ نہ ہونے کے باقاعدہ نہ پڑھ سکیں وہ کبھی کبھی علمار کے پاس جایا کریں اور اُن سے علم دین کی باتیں پوچھا کریں - اور آج کل لوگ گو علمار سے ملتے ہیں لیکن بہت ہی بُری طرح یعنی اُن کو اپنے مذاق کے تابع کرتے ہیں کہ اخبار وکیل میں یوں لکھا ہے اور وطن میں یہ خبر شائع ہوئی ہے - صاحبو اُن کو تو وطن اور وکیل کی ضرورت نہیں تم اپنے وطن کی خبر لو اور اپنے وکیل بنو یعنی اُن کے پاس جا کر اپنے افعال اور امراض سے اُنکو مطلع کر دو اور اُس کی اصلاح پوچھو - یہ تعلیم کی صورت ہے غیر فارغین کے لئے - جب اس مختلف طریق سے علوم حاصل ہو جاویں پھر صحبت صالحہ کی تدبیر کرو - خود بھی صلحار کے پاس جاؤ اور اپنے بچّوں کو بھی علمار کے پاس لیجاؤ اور اُنکو وہ باتیں سُناؤ - دیکھو اب بچے چھٹی میں آتے ہیں لیکن محض فٹ بال اور کرکٹ میں سارا وقت صرف ہوتا ہے - کم سے کم ایک گھنٹہ روزانہ اس کے لئے ضرور دو کہ وہ کسی عالم کے پاس جا کر بیٹھا کریں - یہ سب تفصیل ہوئی ناخواندوں کے دستور العمل کے متعلق

اب دوسرے وہ لوگ ہیں کہ وہ بقدر کافی لکھے پڑھے ہیں اور علوم ضروریہ میں معتد بہ استعداد رکھتے ہیں کہ ان کو اصطلاحی مولوی کہہ سکتے ہیں اور وہ اسواسطے اپنے لئے ضرورت تعلیم کی یا تربیت کی بھی نہیں سمجھتے ۔ مَیں اُن کے لئے یہ کہتا ہوں کہ گو وہ خود فاضل ہونے کے سبب علوم میں بوجہ اعتماد علمار کے معتقد نہ ہوں مگر علوم میں علمار سے مراسلت ضرور رکھیں ۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ فلاں عالم سے پوچھو بلکہ یہ کہتا ہوں کہ سب سے پوچھو اور بہتر تو یہ ہے کہ مسائل علمیہ میں ہر ہفتہ چار مولویوں کے پاس خط بھیجدیا کرو اور اُن کے جوابوں کو مقابلہ کرکے دیکھا کرو ہم کسی خاص مولوی کا مقید نہیں کرتے اور مقابلہ کے وقت بدون رائے قائم کئے ہوئے دونوں کے جواب کو انصاف سے دیکھو اور اگر خدشہ رہے تو بدون اظہار نام ایک کے دلائل کو دوسرے کے سامنے پیش کرو اسیطرح اگر آپ کیا کرینگے تو انشاء اللہ تعالیٰ تمام مسائل میں حق واضح ہوجاویگا اور اگر بفرض محال کسی مسئلہ کی حقیقت واقعیہ مخفی بھی رہ گئی تب بھی آپ پر قیامت میں مواخذہ نہ ہوگا ورنہ سخت اندیشہ ہے اور جنکو مناسبت علوم سے اِس درجہ کی نہیں اور اسلئے وہ موازنہ اور مقابلہ نہیں کرسکتے اُن کے لئے یہ طریق ہے کہ وہ کسی ایک کو اختیار کرلیں جیسے کسی شخص کو طب سے مناسبت نہ ہو تو وہ اختلاف اطبا کے وقت کیا کرے گا اور اُسکے لئے کیا مناسب ہے. آیا دونوں کے نسخوں کو دیکھ کر ترجیح دینا یا اجمالی دلائل سے کسی ایک کو انتخاب کرلینا ظ

دلارامے کہ داری دل درو بند | دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اور یہیں سے یہ بھی حل ہوگیا ہوگا کہ اگر مولویوں میں آپسمیں اختلاف ہو تو کیا کریں اور کس کے قول پر عمل کریں تو جواب یہی ہے کہ اطبار میں بھی تو آپسمیں اختلاف ہوتا ہے پھر وہاں کیا کرتے ہو یہی کرتے ہو کہ جو سب میں بڑا ہو اُس سے رجوع کرتے ہو اور بڑا ہونے کی علامت یہ ہے کہ اُس نے کسی ماہر سے حاصل کیا ہو مدت سے کام کر رہا ہو اُسکے ہاتھ سے اکثر لوگ شفایاب ہوتے ہوں تو جب علمار میں اختلاف ہو تو یہی دیکھو کہ یہ کس کے شاگرد ہیں کتنے دنوں سے دین کی خدمت کرتے ہیں لوگوں کو ان سے کیسا فائدہ پہنچ رہا ہے ۔ اگر ایک کا استاد دین میں بڑا ماہر تھا اور یہ مدت سے دین کی خدمت بھی کر رہا ہے جو علامت ہوگی مہارت کی ۔ اسکے اصحاب دین کا پہلو بھی زیادہ لئے ہوئے ہیں جو بجائے دست شفائے طبیب کے ہے اور دوسرے میں یہ بات نہیں تو پہلے کو لیلو اور دوسرے کو چھوڑ دو ۔ یہ علمار میں انتخاب کا طریقہ ہے مگر یہ طریقہ اُن کے لیے ہے جو قوت فیصلہ نہیں رکھتے ۔ باقی جو لوگ قوت فیصلہ رکھتے ہیں اُنکو چاہئے کہ مفصل دونوں جگہ تحقیق کریں اور پھر موازنہ کریں جیسا اوپر مذکور ہوا

شیخ کامل کی علامات

یہ تو تعلیم کی بابت تھا۔ اب رہ گئی تربیت اُسمیں خواندہ ناخواندہ سب کا ایک ہی دستور العمل ہے وہ یہ کہ اُس کے لیئے ایسے شخص کو انتخاب کریں جس نے اپنے اخلاق درست کر لئے ہوں اور اسکا اندازہ مشاہدہ علامات سے ہو سکتا ہے کہ متعدد مشائخ کو جا کر دیکھیں اور یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ دیکھیے دُنیا کے ایک سودے کے لئے شہروں میں مارے مارے پھرتے ہیں تو اگر بزرگوں کی تلاش میں بھی دو چار جگہ ہو آویں تو کیا مشکل ہے اور وہ علامات یہ ہیں کہ دیکھیں کون بزرگ ایسا ہے جو علم دین بقدر ضرورت رکھتا ہو۔ اور علم پر عمل کرتا ہو اپنے متعلقین پر شفقت کے ساتھ احتساب کرتا ہو اور اُس کی صحبت میں لوگوں کو دُنیا سے دلبستگی نہ رہتی ہو اُسکے پاس رہنے والے غالب دیندار ہوں جو شخص ایسا ملے اُسکے پاس آمد و رفت رکھے اور جب موقع ملے چند روز تک اُسکے پاس رہے۔ اس سے اخلاق درست ہو جاتے ہیں کیونکہ جب پاس رہیگا تو دیکھیگا کہ اُسنے چار موقع پر غصہ کو ضبط کیا ہے تو ایک جگہ خود بھی ضرور ضبط کریگا۔ اور اسیطرح عادت ہو جاویگی اور اگر پاس رہنا ممکن نہ ہو تو ایسے شخص سے مراسلت ہی رکھو اپنے امراض لکھکر بھیجو کہ مجھے حرص ہے طمع ہے بے استقلالی ہے پھر وہاں سے جو کچھ لکھ کر آوے اُسپر عمل کرو وہ حضرات تہذیب اخلاق کیلیئے وظیفہ نہ بتلاوینگے بلکہ تدابیر بتلاوینگے اور گو وہ کتابوں میں بھی ہیں لیکن وہ مبتدی کو مفید نہیں ہوتیں اسلیئے کہ کتابوں میں کلیات ہیں۔ باقی اپنے حالات جزئیہ کا منطبق کرنا اُن کلیات پر اسکے لیئے اپنا فہم کافی نہیں۔ تو یہ تو تربیت کا طریق ہے خواہ مجالست سے ہو یا مراسلت سے ہو اور یہ طریقہ جیسا آپ کے لیئے ہے آپکے بچوں کیلیئے بھی ہے اگرچہ وہ انگریزی وغیرہ ہی میں مشغول ہوں اسحالت میں ایسا ہونا چاہیئے کہ چھٹی میں کم سے کم ایک چوتھائی چھٹی کا اُن بزرگ کے پاس گذاریں۔ خربزہ کو دیکھکر خربزہ رنگ پکڑتا ہے اگر سال بھر میں ایک ماہ بھی آپ کے بچے کسی ایسے شخص کی صحبت میں رہ لینگے تو اُنکو نہ سائنس مضر ہو سکتا ہے نہ انگریزی۔ یہانتک مردوں اور بچوں کی تربیت کا دستور العمل مذکور ہوا۔ اب رہ گئیں عورتیں

عورتوں کا دستور العمل

تو عورتوں کیلیئے ایک تو یہ صورت ہے کہ اگر خاندان میں کوئی بزرگ عورت ہو تو اُنکے پاس جا کر بیٹھیں اور اگر نہ ہو تو اُن کو بزرگوں کے ملفوظات سُناؤ اور زندہ بزرگوں کے حالات سُناؤ اور اُن کو ایسی کتابیں دو تاکہ وہ اُن کو پڑھا کریں۔ علامہ غزالی علیہ الرحمۃ کی کتابیں سُناؤ۔ میں نے اسکا تجربہ کیا ہے بہت نافع ہوتی ہیں۔ یہ دستور العمل ہوا تعلیم اور تربیت کا جنمیں ایک کا تعلق علماء سے ہے دوسری کا مشائخ سے۔ اب ان

[illegible]

دونوں جماعتوں کے متعلق لوگ ایک غلطی کرتے ہیں وہ غلطی یہ ہے کہ ایک عیب تو علماء میں نکالا جاتا ہے کہ باعمل نہیں اور اسلیئے اُن سے علوم بھی اخذ نہیں کرتے اور اسیطرح ایک عیب مشائخ میں نکالا جاتا ہے کہ عالم محقق نہیں اور اسلیئے اُن سے اپنی تربیت کا طریق نہیں حاصل کرتے۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپکو کوئی جامع شخص ملے تو ایسے جامع

تواب کم ملینگے۔ صاحبو اگر ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی برابر جامع نہ ملے تو کیا حرج ہے اور اگر دین کی تحصیل میں ایسا ہی کمال شرط ہی تو پھر تحصیل دُنیا میں بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ پس نوکری بھی نہ کیا کرو کیونکہ سلطنت نہ ملی تو نوکری کیا ہوگی اور اسکے جواب میں کہو کہ وہ نہیں یہی سہی تو یہاں بھی میں یہی کہونگا کہ ابو حنیفہؒ نہیں تو آجکل کے مولوی ہی سہی۔ اسیطرح مشائخ میں جنید بغدادیؒ کی تلاش ہوتی ہے وہاں بھی یہی جواب ہے۔ نیز اگر جنیدؒ کو تلاش کرتے ہو تو تم بھی اُن ہی کے مستفیدین جیسی طلب بھی تو پیدا کرو۔ صاحبو یہ غنیمت سمجھو کہ تمہاری طلب کے موافق تو بزرگ ملگئے۔ غرض علمار میں تو یہ عیب نکالا جاتا ہی کہ علمار میں عمل نہیں ہوتا اور بعض کے اعتبار سے یہ سچ بھی ہے مگر اوّل تو سب علمار کو بے عمل سمجھنا غلطی ہی بہت علمار باعمل بھی ہیں اور میں اُن کا نام بھی تبلا دیتا مگر جب لوگ پوچھتے ہی نہیں تو میں کیوں تبلا کر بیقدری کروں اور اگر باعمل لوگوں میں بھی عیوب نکالے جائیں کہ فلاں عالم میں یہ عیب ہے فلاں میں یہ عیب ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ ”ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود“ دوسرے اگر بے عمل بھی ہوں تو دیکھو اگر حکیم محمود خان بد پرہیز ہوں تو کیا اُن سے نسخہ نہ لکھواؤگے۔ ضرور لکھواؤگے سو تعلیم میں اُنکے عمل کو کیا دخل ہی ہاں تربیت اگر اُنسے نہ کراؤ تو گنجایش ہی مگر تعلیم علم کے لئے تو وہ کافی ہیں مثلاً اگر آپ اُن سے ردیہ الہیہ یا جبر وقدر کا مسئلہ پوچھے تو اسمیں اُنکے عمل کو کیا دخل اور اسی قبیل کا شبہ علمار کے متعلق یہ بھی ہی کہ علمار میں اختلاف ہے ہم کسکی مانیں تو میں کہہ چکا ہوں کہ قواعد سے ایک کو ترجیح دیکر اُسکی مانو جیسے اگر مختلف وکلار کے پاس جاؤ اور وہ مقدمہ میں مختلف رائیں دیں تو آخیر ایک کو ترجیح دوگے جب ہر امر میں یہی قاعدہ ہے تو دین میں ہی سارے شبہات کیوں کئے جاتے ہیں اور ان قواعد ترجیح کا اوپر بیان ہو چکا ہی غرض علمار چاہی بد عمل ہوں مگر اُنسے علم حاصل کرو۔ اسیطرح مشائخ میں یہ عیب نکالا جاتا ہی کہ پورے مولوی نہیں اور اسلئے شیوخ ایسے ڈھونڈتے ہیں جو پورے عالم بھی ہوں یعنی اُنکی درسی کتابیں کل ختم ہوں۔ صاحبو جسطرح تعلیم علوم میں پورے باعمل ہونیکی ضرورت نہیں اسیطرح تربیت میں پورے عالم ہونیکی ضرورت نہیں۔ البتہ بقدر ضرورت علم ہونا ضروری ہی ایسا نہ ہو جیسے ایک فقیر کی نسبت لکھا ہی کہ اُس نے مجاہدہ کرنے کیلئے ایک نتھنے میں گُوز کی بتّی دے رکھی تھی اور ایک آنکھ پر موم کی ٹکیا رکھ لی تھی کہ جب ایک آنکھ سے کام چلتا ہے تو دوسری کی کیا ضرورت اور ایک نتھنے سے پھولوں کی خوشبو سونگھتے ہیں تو دوسرے سے غلیظ سونگھکر اسکی مکافات ہونی چاہئے۔ گویا اللہ میاں کو بھی آپ نے رائے دی تھی کہ دو آنکھیں فضول بنائی ہیں۔ اتفاق سے کوئی صحبت یافتہ علمار کا اُسکے پاس جا پہونچا اور اسکو اطلاع دی کہ تمہارا تو وضو نماز سب غارت ہے۔ آخر وہ بہت رویا اور اپنی اصلاح کی اسلئے علم بقدر ضرورت تو ہونا ضروری ہی مگر کمال علم کی ضرورت نہیں۔ بس علمار کے تو علم کو دیکھو عمل کو مت دیکھو اور مشائخ میں عمل کو دیکھو کامل علم کو نہ تلاش کرو۔ البتہ اگر اتفاق سے کوئی ایسا ملجاوے کہ وہ عالم بھی

ہو اور شیخ بھی سبحان اللہ اسکی تو وہ حالت ہے ؎

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد
برنگ اصحاب صورت را بہ بوار باب معنی را

تو پھر اُسی ایک ہی سے تعلق رکھو اور اگر ایسا نہ ملے تو دُوسرے سے تعلق رکھو اور دو کچھ زیادہ نہیں دُنیا کیلئے تو ہزاروں سے تعلق رکھتے ہو تو اگر دین کے لئے دو کے ناز اُٹھا لو تو کیا تعجب ہے اس تعلق دینی سے جو اصل مقصود ہے یعنی حق تعالےٰ وہ تو ایسا ہے کہ اگر اسکے لئے ہزار سے بھی تعلق رکھا جاوے اور انکی ناز برداری کیجاوے تو کم ہے ؎

کشند از برائے دلے بارہا ۔ خورند از برائے گلے خارہا + طلبگار باید صبور و حمول ۔ کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول +

اور اسی میں یہ بات بھی آگئی کہ اگر ایک سے ناکامی ہوئی تو دوسرے سے رجوع کرو۔ جیسے کوئی مریض کہ معالجہ میں اس کی یہ حالت ہوتی ہے ؎ دست از طلب ندارم تا کام من برآید + یا تن رسد بجاناں یا جان زتن برآید + اسی کو کہتے ہیں ؎ طلبگار باید صبور و حمول + کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول + عمر بھر اُسی دُھن میں ہو پھر ممکن نہیں کہ محروم رہو ؎ عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد + اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست + اور اسی دُھن کو باقی رکھنے کے لئے فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش + تا دم آخر دمے فارغ مباش + تا دم آخر دمے آخر بود ۔ کہ عنایت با تو صاحب سر بود

یعنی کوئی وقت ایسا ضرور ہوگا کہ مقصود تک رسائی ہوگی۔ اب میں ختم کرتا ہوں۔ اور ہر چند کہ میں نے کہا تھا کہ میں اُن علماء باعمل کے نام نہ بتلاؤنگا مگر پھر یہی رائے ہوئی کہ بتلادوں لیکن اسلئے نہیں کہ خواہ مخواہ اُنکے معتقد ہی ہو جاؤ۔ میرے کہنے سے تو اُسوقت معتقد ہو کہ میرے معتقد ہو سو میں کہتا ہوں کہ آپ ہرگز میرے معتقد نہ ہوں میں خود قابل اعتقاد نہیں۔ صرف مسائل بتلانیوالا ہوں اور یہ کہنا میرا تواضعاً نہیں نہ اسمیں مجھے تواضع کرنیکی ضرورت ہے۔ جو چیز اپنے پاس ہے اُسکو ظاہر کرتا ہوں۔ میں بحمد اللہ علم ضروری جانتا ہوں اُسکے بتلانے کیلئے میں تیار ہوں۔ گو وہ کامل نہیں ہے چنانچہ بہت سی باتیں مجھے معلوم بھی نہیں اور اگر مجھ سے کوئی ایسی بات پوچھی جاویگی اُسکے متعلق میں کہدونگا اور کہدیتا ہوں کہ میں نہیں جانتا۔ پس علم ضروری کا انکار نہیں اور قابل اعتقاد ہونیکا دعویٰ نہیں اسلئے میں یہ نہیں کہتا کہ میرے کہنے سے اُن بزرگوں کے معتقد ہو جاؤ۔ خود جانچو۔ دیکھو سو اس غرض سے نام نہیں بتلاتا بلکہ محض اطلاع مقصود ہے سو وہ بزرگ یہ ہیں۔ ایک مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری جو اسی جلسہ میں تشریف فرما ہیں۔ یہ تو تربیت کے لئے کافی ہیں۔ دوسرے بزرگ حضرت مولانا محمود حسن صاحب کہ وہ افادۂ علم اور تربیت دونوں کے لئے کافی ہیں تیسرے بزرگ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کہ وہ بھی تعلیم اور تربیت دونوں کے لئے کافی ہیں۔ اور نام

[illegible] کون حضرات ہیں

اس وقت میں نے نہیں لئے۔ میں نے ایک تنبیہات وصیت ^ لکھی ہے اُس میں چند بزرگوں کے نام لکھ دئیے ہیں آپ خود اُن کا امتحان کرلیں۔ لیکن امتحان ایک دو دفعہ کے ملنے سے نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو اکثر لوگ خشک مزاج بتلاتے تھے کیونکہ یا تو کبھی ملے نہیں اور یا اگر ایک دو دفعہ ملے تو اتفاق سے ایسے وقت ملے کہ مولانا کسی دوسرے شغل یا احتساب میں مشغول ہوئے۔ بس اُس ایک جلسہ میں دیکھ کر عمر بھر کیلئے ایک غلط حکم کر دیا۔ اس کی ایسی مثال ہو کہ کوئی شخص سُنے کہ فلاں جج صاحب بڑے خوش خلق ہیں اور یہ سُنکر اُنسے ملنے کو عدالت میں جاوے اور اتفاق سے ایسے وقت پہونچے کہ صاحب جج دو آدمیوں کو حبس دوام کا حکم سُنا رہے ہوں اور دو کو پھانسی کا حکم سُنا رہے ہوں تو یہ شخص یقیناً اُس جج کو نہایت درجہ خونخوار سمجھیگا لیکن عقلمند آدمی کہیگا کہ بھائی تم نے عدالت میں دیکھا پھر اتفاق سے اُسوقت سنگین مقدمات پیش تھے ذرا اُنکے بنگلہ پر جاکر تو دیکھو۔ اسیطرح بزرگوں کے پاس ایک وقت جاکر دیکھا اور کہدیا کہ نہایت خشک ہیں۔ صاحبو کم ازکم ایک ایک ہفتہ تک رہ کر تو دیکھو۔ اور اگر پھر بھی سوائے اپنے کوئی پسند نہ آوے تو ہم اسکا علاج نہیں کرسکتے۔ شاید اس فہرست سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ اپنے ہی سارے بزرگوں کا نام لے دیا معلوم ہوتا ہے کہ ملی بھگت ہے۔ تو اوّل تو خدا جانتا ہے کہ ملی بھگت ہے یا کیا۔ دوسرے میںنے تو بیعت کرنا بھی چھوڑ دیا ہے پھر ملی بھگت کا احتمال کہاں رہا۔ صرف جو مجھ کو معلوم تھا بتلا دیا۔ ہاں یہ شبہ تو اب بھی رہا کہ بزرگوں کی تعریف کرنا درحقیقت اپنی تعریف کرنا ہے کہ ہم بھی بزرگ ہیں کہ بزرگوں کو پہچانتے ہیں ؎

مادح خورشید مداح خود است	کہ دو چشمم و نا مدست

سو اسکا جواب یہ ہے کہ خیر یہی سہی آپ یوں ہی سمجھیں اِس سے ہم کیونکر بچیں۔ دوسرے آپ کو کیا خبر ہے کہ میں نے خود پہچان کر ہی کہا ہے تاکہ وہ شبہ نہ ہو ممکن ہے کسی بزرگ سے سُن کر ہی کہا ہو اور اُس کی بزرگی اَنۡتُمۡ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ کے قاعدے سے محقق ہوئی ہو بہر حال آپ اِن سب کو دیکھئے اور سب کا امتحان کیجئے۔ ؎

ما نصیحت بجائے خود کردیم	روزگارے دریں بسر بردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس	بر رسولاں بلاغ باشد وبس

پس اسی صحبت کے نافع ہونے کی بنا پر فرماتے ہیں کہ اپنے صحابہؓ کو محروم نہ کیجئے اور اپنے نفس کو

^ یہ کتاب معہ جملہ اور تالیفات مولانا مدظلہ کی ہمارے یہاں موجود ہیں۔ محمد یحیٰی عفی عنہٗ

ہو اور شیخ بھی سبحان اللہ اسکی تو وہ حالت ہے ؎

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد　　برنگ اصحاب صورت را بہ بوارباب معنی را

تو پھر اُسی ایک ہی سے تعلق رکھو اور اگر ایسا نہ ملے تو دُوسرے تعلق رکھو اور دو کچھ زیادہ نہیں دُنیا کیلئے تو ہزاروں سے تعلق رکھتے ہو تو اگر دین کے لئے دُو کے ناز اُٹھالو تو کیا تعجب ہے اس تعلق دینی سے جو اصل مقصود ہے یعنی حق تعالےٰ وہ تو ایسا ہے کہ اگر اسکے لئے ہزار سے بھی تعلق رکھا جاوے اور انکی ناز برداری کیجاوے تو کم ہے ؎

کشند از برائے دلے بارہا - خورند از برائے گلے خارہا + طلبگار باید صبور و حمول - کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول +

اور اسی میں یہ بات بھی آگئی کہ اگر ایک سے ناکامی ہوئی تو دوسرے سے رجوع کرو - جیسے کوئی مریض کہ معالجہ میں اُس کی یہ حالت ہوتی ہے ؎ دست از طلب ندارم تا کام من برآید + یا تن رسد بجاناں یا جان زتن برآید + اسی کو کہتے ہیں ؎ طلبگار باید صبور و حمول + کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول + عمر بھر اُسی دُھن میں ہو پھر ممکن نہیں کہ محروم رہو ؎ عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد + اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست + اور اسی دُھن کو باقی رکھنے کے لئے فرماتے ہیں ؎

اندریں راہ می تراش و می خراش + تا دم آخر دمی فارغ مباش + تا دم آخر دمی آخر بود - کہ عنایت با تو صاحب بود

اس زمانہ میں تعلیم اور تربیت کے قابل کون حضرات ہیں۔

یعنی کوئی وقت ایسا ضرور ہوگا کہ مقصود تک رسائی ہوگی - اب میں ختم کرتا ہوں - اور ہر چند کہ میں نے کہا تھا کہ میں اُن علماء باعمل کے نام نہ بتلاؤنگا مگر پھر یہی رائے ہوئی کہ بتلادوں لیکن اسلئے نہیں کہ خواہ مخواہ اُنکے معتقد ہی ہوجاؤ - میرے کہنے سے تو اُسوقت معتقد ہو کہ میرے معتقد ہو سو میں کہتا ہوں کہ آپ ہرگز میرے معتقد نہ ہوں میں خود قابل اعتقاد نہیں - صرف مسائل بتلانیوالا ہوں اور یہ کہنا میرا تواضعاً نہیں نہ اسمیں مجھے تواضع کرنیکی ضرورت ہے - جو چیز اپنے پاس ہے اُسکو ظاہر کرتا ہوں - میں بحمد للہ علم ضروری جانتا ہوں اُسکے بتلانے کیلئے میں تیار ہوں - گو وہ کامل نہیں ہے چنانچہ بہت سی باتیں مجھے معلوم بھی نہیں اور اگر مجھ سے کوئی ایسی بات پوچھی جاویگی اُسکے متعلق میں کہدونگا اور کہدیتا ہوں کہ میں نہیں جانتا - پس علم ضروری کا انکار نہیں اور قابل اعتقاد ہونیکا دعویٰ نہیں اسلئے میں یہ نہیں کہتا کہ میرے کہنے سے اُن بزرگوں کے معتقد ہوجاؤ - خود جانچو - دیکھو سو اس غرض سے نام نہیں بتلاتا بلکہ محض اطلاع مقصود ہے سو وہ بزرگ یہ ہیں - ایک مولانا عبد الرحیم صاحب رائپوری جو اسی جلسہ میں تشریف فرما ہیں - یہ تو تربیت کے لئے کافی ہیں - دوسرے بزرگ حضرت مولانا محمود حسن صاحب کہ وہ افادۂ علم اور تربیت دونوں کے لئے کافی ہیں تیسرے بزرگ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کہ وہ بھی تعلیم اور تربیت دونوں کے لئے کافی ہیں - اور نام

اس وقت میں نے نہیں لئے۔ میں نے ایک تنبیہات وصیت؎ لکھی ہے اس میں چند بزرگوں کے نام لکھ دیئے ہیں آپ خود اُن کا امتحان کرلیں۔ لیکن امتحان ایک دو دفعہ کے ملنے سے نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی کو اکثر لوگ خشک مزاج بتلاتے تھے کیونکہ یا تو کبھی ملے نہیں اور یا اگر ایک دو دفعہ ملے تو اتفاق سے ایسے وقت ملے کہ مولانا کسی دوسرے شغل یا احتساب میں مشغول ہوئے۔ بس اُس ایک جلسہ میں دیکھ کر عمر بھر کیلئے ایک غلط حکم کردیا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص سُنے کہ فلاں جج صاحب بڑے خوش خلق ہیں اور یہ سنکر اُنسے ملنے کو عدالت میں جاوے اور اتفاق سے ایسے وقت پہونچے کہ صاحب جج دو آدمیوں کو حبس دوام کا حکم سُنا رہے ہوں اور دو کو پھانسی کا حکم سُنا رہے ہوں تو یہ شخص یقیناً اُس جج کو نہایت درجہ خونخوار سمجھیگا لیکن عقلمند آدمی کہیگا کہ بھائی تم نے عدالت میں دیکھا پھر اتفاق سے اُسوقت سنگین مقدمات پیش تھے ذرا اُنکے بنگلہ پر جاکر تو دیکھو۔ اسیطرح بزرگوں کے پاس ایک وقت جاکر دیکھا اور کہدیا کہ نہایت خشک ہیں۔ صاحبو کم از کم ایک ایک ہفتہ تک رہ کر تو دیکھو۔ اور اگر پھر بھی سوائے اپنے کوئی پسند نہ آوے تو ہم اسکا علاج نہیں کرسکتے۔ شاید اس فہرست سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ اپنے ہی سارے بزرگوں کا نام لے دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملی بھگت ہے۔ تو اوّل تو خدا جانتا ہے کہ ملی بھگت ہے یا کیا۔ دوسرے میںنے تو بیعت کرنا بھی چھوڑ دیا ہے پھر ملی بھگت کا احتمال کہاں رہا۔ صرف جو مجھ کو معلوم تھا تبلادیا۔ ہاں یہ شبہ تو اب بھی رہا کہ بزرگوں کی تعریف کرنا درحقیقت اپنی تعریف کرنا ہے کہ ہم بھی بزرگ ہیں کہ بزرگوں کو پہچانتے ہیں ؎

مادح خورشید مداح خود است	کہ دو چشمم و نا مدرست

سو اسکا جواب یہ ہے کہ خیر یہی سہی آپ یوں ہی سمجھیں اس سے ہم کیونکر بچیں۔ دوسرے آپ کو کیا خبر ہے کہ میں نے خود پہچان کر ہی کہا ہے تاکہ وہ شبہ نہ ہو ممکن ہے کسی بزرگ سے سُن کر ہی کہا ہو اور اُس کی بزرگی اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ کے قاعدے سے محقق ہوئی ہو بہرحال آپ ان سب کو دیکھئے اور سب کا امتحان کیجئے۔ ؎

ما نصیحت بجائے خود کردیم	روزگارے دریں بسر بُردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس	بر رسولاں بلاغ باشد و بس

پس اسی صحبت کے نافع ہونے کی بنا پر فرماتے ہیں کہ اپنے صحابہؓ کو محروم نہ کیجئے اور اپنے نفس کو

؏ یہ کتاب معہ جملہ اور تالیفات مولانا مدظلہٗ کی ہمارے یہاں موجود ہیں۔ محمد یحیٰی عفی عنہٗ

اُن کے ساتھ جمائیے - اب میں آیت کا خالی ترجمہ کر کے ختم کئے دیتا ہوں - ترجمہ یہ ہے کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے کو ایسے لوگوں کے ساتھ جما کر بٹھلائیے جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں اور آپ کی آنکھیں اُن سے ہٹنے نہ پاویں (یعنی آنکھیں بھی اُدھر ہی متوجہ رہیں) اس سے بھی میں ایک دوسرا مسئلہ استنباط کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ بزرگوں کی توجہ سے بھی نفع ہوتا ہے تو گویا اول جملہ میں تعلیم کا بھی اشارہ ہوا کہ پاس بیٹھنے سے احکام بھی حاصل ہونگے اور دوسرے میں تربیت کا آگے فرماتے ہیں تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا - اس کو بعض نے مستقل جملہ کہا ہے یعنی کیا آپ دُنیا کی زینت چاہتے ہیں - مگر میں نے اسکو جملہ حالیہ سمجھا ہے اور لَا تَعْدُ میں منفی کو اسکا عامل اور عَیْنَاکَ کو بوجہ اقامت عین مقام ذات ذوالحال اور مقید کی نفی یہاں قید اور ذی قید دونوں کے ارتفاع سے ہے یعنی جو عدوان بارادہ زینت حیوۃ دُنیا ہوتا وہ متروک ہے - اس طرح سے کہ نہ عدوان ہے نہ ارادہ زینت پس اس سے وقوع زینت کا لازم نہیں آتا - آگے دوسری نہی ہے کہ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا ط یعنی اِن کا کہنا نہ مانو جن کو ہم نے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور اُس نے اپنی ہوائے نفسانی کا اتباع کیا اور اُس کا کام حد سے نکلا ہوا ہے - یہاں سے ایک تیسری بات بھی معلوم ہوئی کہ مشورہ بھی ایسے شخص کا قبول کرو جس کی یہ حالت نہ ہو اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ الخ کیونکہ بے دین کے مشورہ میں بھی برکت نہیں ہوتی - چنانچہ رؤسا رکفار کے اِس مشورہ تخصیص مجلس کے قبول سے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو ممانعت فرمادی - خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ اس میں تعلیم اور تربیت دونوں کا بذریعہ صحبت نافع ہونا بتلایا ہے - اور شیوخ کا بھی علاج کر دیا ہے کہ آپ بھی بے پروائی نہ کریں - سبحان اللہ کیا عجیب جامع جملہ ہے - اب میں ختم کر چکا - اور اتمام حجت کے لئے پھر کہتا ہوں کہ اپنے اور اپنے بچوں کے لئے صحبت نیک کا اہتمام کرو - اب ہر شخص جو چاہے اِس صحبت صالح کے متعلق دستور العمل مقرر کر لے خواہ ہفتہ میں ایک دن یا مہینہ میں دو تین دن یا سال میں ایک ماہ یا کم وبیش - خدا تعالےٰ سے دُعا کیجئے کہ وہ فہم سلیم اور توفیق عمل کی بخشیں - آمین ثم آمین ✦

مواعظ اشرفیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامداً و مصلیاً و مسلماً - اما بعد واضح ہو کہ سنہ ۱۳۲۲ھ میں حضرت زبدۃ العارفین عمدۃ الواعظین مقتدانا مرشدنا مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم کے جو جو وعظ کانپور میں قلمبند ہوئے ہیں منجملہ اُنکے یہ ایک بہت بڑا معرکہ کا وعظ ہے جو اکثر دینی اور دنیوی نصائح و منافع پر مشتمل ہے - اور اسکا نام مواعظ اشرفیہ قرار پایا ہے - جو جو صاحب اس سے منتفع ہوں - اسمیں تمام سعی کرنیوالوں کیلئے دُعائے خیر فرماتے رہیں - وعظ ششم جو اشرف العلماء سراج الواعظین حضرت مولانا حاجی حافظ شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم نے ۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۲ھ روز جمعہ دو گھنٹہ بیس منٹ تک بمقام جامع مسجد کانپور فرمایا - دُعا مانگ کر اس خطبہ ماثورہ کو پڑھکر وعظ شروع فرمایا -

وعظ - الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم - بسم اللہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یہ ایک حدیث شریف کا ٹکڑا ہے اور جواب ہے ایک سوال کا جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر کیا تھا جس کا پورا قصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس حالت میں کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک موجود تھے - ناگاہ ہم پر ایک ایسا شخص ظاہر ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت کالے تھے اُسپر سفر کا نشان تو معلوم نہیں ہوتا تھا اور ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا بھی نہ تھا یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مِلکر باادب بیٹھ گیا اور پوچھنے لگا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیک وآلہٖ وسلم اِسلام کس کو کہتے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعمال اسلامیہ کو ذکر فرمایا کہ خدا کے سوا کسی کو معبود نہ جاننا اور محمدؐ کے رسول اللہ ہونیکی تصدیق کرنا - نماز پڑھنا - زکوۃ دینا - رمضان شریف کے روزے رکھنا - اور استطاعت ہونے پر بیت اللہ کا حج ادا کرنا - یہ سُنکر اُس شخص نے آپکی تصدیق کی کہ آپ سچ ارشاد فرماتے ہیں ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ رسول اللہؐ سے پوچھتا بھی ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے - پھر اُس شخص نے سوال کیا کہ **ایمان** کسکو کہتے ہیں حضور نے عقائد اسلامیہ کو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنا اور اُسکے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُسکے رسولوں پر ایمان لانا اور قیامت کے دن پر ایمان لانا اور تقدیر کے خیر و شر پر ایمان لانا اُس شخص نے اسکو بھی سُنکر کہا کہ سچ ارشاد فرماتے ہیں پھر اُس نے حضور سے سوال کیا کہ **احسان** کسکو کہتے ہیں ارشاد ہوا کہ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یعنی احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اسطرح سے عبادت کرو کہ گویا تم اُسکو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر نہیں دیکھتے ہو تم اُسکو پس بہ تحقیق تم کو دیکھتا ہے - اس سوال کے علاوہ اُس شخص نے اور اور سوال بھی کئے تھے جو پوری حدیث میں مذکور ہیں اور حضور نے اُن سب کے جواب بخوبی ارشاد فرمائے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اُس شخص کے چلے جانے کے بعد حضور نے مجھسے ارشاد فرمایا کہ اے عمرؓ تم جانتے بھی ہو کہ یہ سوال کرنیوالے کون تھے - میں نے حضور سے عرض کیا کہ اللہ ورسولہٗ اعلم[۱] - حضور نے ارشاد فرمایا فانہ جبریل اتاکم یعلمکم دینکم - یعنی یہ سوال کرنیوالے جبرئیل علیہ السلام تھے تمہارے پاس اسلئے آئے تھے کہ تم کو تمہارا دین سکھلا دیں - وجہ اس آنیکی یہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو زیادہ پوچھ گچھ سے منع فرمایا تھا لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ امور دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو پیش آئیں یا واقع ہوں اُنکا پوچھنا تو ضروری ہی اُس سے ممانعت نہ تھی - دوسرے یہ کہ محض فرضی صورتیں نکال نکالکر احتیاطاً پوچھ رکھنا اگرچہ ابھی نہ ہوئی ہوں جیسے اب بھی ایک تو عام لوگ ہیں اُنکو تو یہ چاہئے کہ جب کوئی امر پیش آوے اُسوقت دریافت کرلیں یا ایسا کوئی امر جسکا واقع ہونا غالب ہو وہ دریافت کرلیں یہ نہیں کہ فرضی بعید الوقوع صورتیں دریافت کرکرکے پریشان کریں - البتہ طلبا جنکا کام ہی مسائل کی تحقیق کرنا وہ اگر دریافت کریں تو مضائقہ نہیں اور بعض لوگوں کی جو یہ عادت ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ مولویوں کو دق کرنے کیلئے ایسی باتیں پوچھا کرتے ہیں جنکی کوئی صورت نہیں - یہ سب بیکار و فضول ہے - صحابہؓ کو جو سوال سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا تھا اُسکی کئی وجہیں ہیں - **اول** تو یہ کہ ایسی فرضی باتیں دریافت کرنا خلاف ادب تھا - **دوسرے** یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ضروری بات خود ہی بیان فرما دیا کرتے تھے - آپکا ارشاد ہے انما بعثت معلما یہ تو آپ کا فرض منصبی ہی تھا اور خود آپ اعلےٰ درجہ کی شفقت

۱؎ ادب کیوجہ سے صحابہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے اس طرح کہدیا کرتے تھے ۱۲

رکھتے تھے ضرورتوں کو سمجھتے تھے آپ بغیر پوچھے بتلادیا کرتے تھے ایسی حالت میں سوالات کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی جسطرح اگر کوئی طبیب حاذق شفیق ہو اُسنے نبض دیکھ لی۔ ضروری امور دریافت کرکے تشخیص کرلی نسخہ لکھ دیا۔ پرہیز بتلادیا۔ سارے ضروری امور سے خود ہی غایت شفقت کے باعث سے آگاہ کردیا تو پھر ایسے شخص سے دریافت کرنیکی ضرورت ہی کیا رہ گئی۔ **تیسرے** یہ بھی مصلحت ہوسکتی ہے کہ بعض منافقین گھڑ گھڑ کر صورتیں پوچھا کرتے تھے اور غرض اس سے محض دق کرنا ہوتا تھا اسلئے مسلمانوں کو بھی منع کردیا گیا تاکہ منافقین کو آڑ نہ ملے۔ چنانچہ خود مجھ سے[۱] ایک شخص نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ دو شخص چلے جاتے تھے اور اُنکے ہمراہ ایک عورت تھی ایک شخص اُسکا خاوند تھا دوسرا اُسکا بھائی۔ اتفاق سے چوروں نے دونوں کو قتل کرڈالا سر تن سے جدا ہوگیا۔ وہ رونے لگی اتفاق سے ایک درویش کامل کا اُدھر سے گذر ہوا۔ واقعہ دریافت کرنے کے بعد اُس عورت سے کہا کہ دونوں کے سر دھڑ سے لگادے اُسنے خاوند کے دھڑ کے ساتھ بھائی کا سر اور خاوند کا سر بھائی کے دھڑ کیساتھ لگادیا۔ اُنہوں نے دعا کی دونوں زندہ ہوگئے تو بتلاؤ کہ وہ عورت کسکو ملے گی۔ میں نے کہدیا کہ جناب مجھے نہیں معلوم۔ ایسی باتونکو پوچھنے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ جواب دیسکیں گے تو ہم کہینگے کہ ہم نے ایسی بات پوچھی کہ اسکا جواب عالم سے بھی نہیں آیا یا ہم ایسے بڑے ہیں ایسے ذہین ہیں اور بس۔ **چوتھی** وجہ یہ ہے کہ بعض بات آسان ہوتی ہے اور پوچھنے کی بدولت دشوار ہوجاتی ہے چنانچہ جب حج فرض ہوا تو ایک صحابی رضؓ نے عرض کیا کہ اَفِی کُلِّ عَامٍ یَارَسُوْلَ اللّٰہ آپنے کچھ دیر سکوت فرمایا پھر ارشاد کیا کہ اگر میں نَعَم کہدیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہوجاتا اور تم لوگوں سے نہ ہوسکتا مصیبت میں پڑجاتے اور آپنے ارشاد فرمایا کہ ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ یعنی مجھ کو چھوڑے رکھو جو مناسب سمجھونگا اُس سے تم کو آگاہ کردیا کرونگا تم کھود کھود کر نہ پوچھا کرو۔ یہ وہ مصلحتیں تھیں جو ممانعت سوال کے باعث تھیں اور اسوقت میرے خیال میں آئیں ممکن ہے کہ اور اور بھی مصلحتیں ہوں بہرحال ممانعت سوال کیوجہ سے صحابہؓ دریافت کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے بعض امور ین اُنکے خیال میں آتے ہونگے لیکن اُنمیں تردد ہوجاتا ہوگا کہ نہ معلوم یہ باتیں ضروری ہیں یا نہیں اُنکا پوچھنا بے ادبی تو نہیں ہے اسلئے ڈر کے مارے نہ پوچھ سکتے تھے یہ بھی ایک مرتبہ ہے جو حاصل کرنے کے قابل ہے کہ جو دل میں کھٹکے اُسے ترک کردیا جاوے جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ یعنی جس چیز سے تمہیں کھٹکا ہو اُسے چھوڑ کر ایسی چیز اختیار کرو جس سے کھٹکا نہ ہو پس حق تعالےٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو اسلئے بھیجا تھا کہ وہ پوچھینگے تو صحابہؓ کو بہت سی دین کی باتیں معلوم ہوجاینگی۔ اب

[۱] یعنے مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم سے۔

سمجھئے کہ میں نے اسوقت اسلئے احسان کے بیان کو اختیار کیا ہے کہ اس کی بڑی ضرورت ہے۔ لوگ اس سے بالکل غافل ہو رہے ہیں۔ احسان کے متعارف معنی جو اُردو میں مشہور ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔ یہ عربی لفظ ہے اسکے معنے ہیں اچھا کرنا اور یہاں مراد ہے عبادت کو اچھا کرنا۔ اب دیکھئے اوّل تو لوگ عبادت ہی سے بھاگتے ہیں اس کیطرف متوجہ نہیں ہوتے۔ دنیاوی کاموں میں دن رات لگے رہتے ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں کے لئے مشقت اُٹھاتے ہیں خصوصاً اگر تھوڑی سی دُنیاوی اُمید ہوتی ہے تو بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں اور مشقتیں اُٹھانے میں دریغ نہیں کرتے لیکن عبادت میں کوتاہی کرتے ہیں اور دنیا طلبی میں سرگرم ہیں اُسپر طرّہ یہ ہے کہ اس کی (یعنی دنیا طلبی کی) اور ترغیب دیجاتی ہے جلسے ہوتے ہیں کمیٹیاں قائم ہوتی ہیں اور کوشش ہے کہ خوب مال و دولت کی حرص بڑھ جاوے ہوا و ہوس میں ترقی ہو۔ دن رات ترقی ترقی کی پکار ہو رہی ہے۔ ہوا و ہوس کا نام بدلکر ترقی رکھ دیا ہے آخر اس سے مطلب کیا ہے یہی نا کہ مال خوب حاصل کیا جاوے۔ مکان بھی نہایت عالیشان ہو۔ کپڑے بھی نہایت قیمتی ہوں۔ اسباب بھی بیش بہا ہو غرضیکہ دنیاوی عیش و سامان کے جمع کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی جاوے۔ چاہے دین رہے یا جائے۔ لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ ترقی کا مسئلہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کیخدمت میں پیش ہو چکا ہے۔ آپ اسکا فیصلہ بھی فرما چکے ہیں جسکا نہایت معتبر اور سچّا واقعہ اسطرح پر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپ بالاخانہ پر تشریف رکھتے تھے وہاں صرف ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی آپ اُسپر لیٹے ہوئے تھے جسم شریف پر چٹائی کے نشان بن گئے تھے اور سرہانے کیجانب کچھ کچے چمڑے لٹک رہے تھے۔ پائنتی کیجانب کچھ ببول کی پتیاں پڑی ہوئی تھیں تاکہ اُن چمڑوں کو اُنسے دباغت دے لیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ اس حالت کو دیکھ کر رونے لگے آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور عرض کرنے لگے کہ یا حضرت قیصر اور کسریٰ وغیرہ جو شرک اور کفر میں مبتلا ہیں خدا کی عبادت نہیں کرتے وہ تو چین و آرام سے گذاریں اور آپ اس تنگی کی حالت میں بسر کریں۔ آپ دُعا فرمائیے کہ خدائے تعالیٰ آپکی امت کو وسعت عنایت کریں۔ یہ حضرت عمرؓ کا ادب تھا کہ امت کی وسعت کے لئے دُعا کی درخواست کی آپنے فرمایا اَفِیْ شَكٍّ اَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ کیا اے عمر بن الخطابؓ تم اب تک شک ہی میں پڑے ہوئے ہو اُولٰئِكَ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اُنکو لذیذ چیزیں دنیا میں جلدی سے مل گئی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام آرام و آرائش کفار کو دُنیا ہی میں ملگیا ہے آخرت میں وہ محروم رہینگے۔ اب ہم لوگوں کیلئے خدا تعالیٰ نے آخرت میں ذخیرہ رکھا ہے اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے افلاس اور تنگدستی کی شکایت کی تھی اور چاہا تھا کہ دُعا

کردیجائے اور فراغت اور وسعت ہو جائے - مال و دولت بافراط ملجائے خوب ہی آسایش اور آرام سے گذرنے لگے دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ ترقی کی درخواست کی تھی اور چاہا تھا کہ جیسے کفار کو مال و دولت میں ترقی حاصل ہے اسیطرح مسلمان بھی ترقی کریں - آپنے فیصلہ فرما دیا کہ اُن کو یہاں ملگیا ہے ہمکو قیامت میں ملیگا - ایک یہ بات لوگ بہت کہا کرتے ہیں کہ اُس زمانہ میں ترقی کیضرورت نہ تھی کیونکہ دوسری قومیں بھی ترقی یافتہ نہ تھیں اب ضرورت ہے - اُنسے دریافت کرنا چاہیئے کہ کیا اُس زمانہ میں کسی نے ترقی نہ کی تھی قیصر اور کسریٰ کی عیش پرستیاں اور عیش و نشاط کے سامان دیکھیے تاریخ پڑھیے - مال و دولت میں عیش میں آرام میں تزک و احتشام میں کیا تھا جو اُنکے پاس نہ تھا - عمدہ سے عمدہ سامانِ عشرت مہیا تھے اور مسلمانوں کے پاس وہ سامان اور اسباب تھا پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا جو اوپر مذکور ہوا تو اب کیا باقی رہ گیا بلکہ اگر غور کیا جائے تو صحابہؓ کو افراط دنیا سے کچھ ضرر بھی نہ ہو سکتا تھا کیونکہ قلب نہایت قوی رکھتے تھے - خدا کی اطاعت فرمانبرداری اُنکے دلوں میں رگ و ریشوں میں گھسی ہوئی تھی دل و جان سے احکام شرعیہ کی تعمیل پر آمادہ اور سرگرم رہتے تھے خدا کے خوف سے ہر وقت ترساں و لرزاں رہا کرتے تھے - اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ اگر کسی شخص کو سانپ کے پکڑنے اور اُسکے زہر کے اثر نہ کرنے کا منتر یاد کرا دیا گیا ہو تو وہ سانپ کو بے کھٹکے پکڑ سکتا ہے اگرچہ سانپ اُسکے ہاتھ میں ہو مگر وہ ہر طرح سے مطمئن رہتا ہے - دنیا اگرچہ سانپ کے مثل تھی لیکن صحابہؓ کو اُسکا منتر یاد تھا یعنی ذکر اللہ - خدا کی یاد سے غافل نہ ہوتے تھے ایسی حالت میں اُن کو دنیا سے کیا ضرر ہو سکتا تھا بخلاف ہم لوگوں کے کہ منتر تو یاد نہیں اور سانپ کو پکڑنا چاہتے ہیں - آخر اسکا نتیجہ کیا ہوگا ؟ ہلاکت - جہاں ذرا اُس نے ڈسا اور خاتمہ ہوا - صحابہ کرامؓ کی وہ حالت تھی کہ اُسکا کچھ کہنا ہی نہیں - حضرت عمرؓ جن کی دیانت - حق پرستی - قوت ایمان ایسے تمام اخلاق وصفات موافقین کیا مخالفین کے نزدیک بھی مسلم الثبوت ہیں ذرا اُنکی حالت دیکھیے خلافت کا تو زمانہ اور کپڑے پیوند لگے پہنے ہوئے - چکنا سالن تک نہ کھاتے تھے - چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپکے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے آپکی دعوت کی تھی اور گوشت پکا رکھا تھا جسمیں گھی بھی کسیقدر ڈالا ہوا تھا کھانا کھانے کے وقت حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا میاں تم نے تو ایک سالن کے ساتھ دوسرا سالن بھی جمع کر دیا ہے یعنی ایک تو گھی اس سے بھی روٹی کھائی جا سکتی ہے دوسرا گوشت کہ اس سے بھی روٹی کھا سکتے ہیں اسقدر اسراف اور تکلف کی ضرورت ہی کیا تھی - حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا کہ میں نے اسمیں مقدار معین سے زیادہ صرف نہیں کیا ہے جسقدر خرچ لیکر گوشت خریدنے نکلا تھا

اُسیقدر ہیں بوجہ معمولی گوشت ہونے کے تھوڑے کا گوشت لیلیا اور باقی کا گھی خرید لیا۔ آپنے فرمایا کہ یہ بات صحیح ہے مگر میرے نزدیک غیر مناسب ہے، القصہ وہ کھانا آپ نے نہیں کھایا۔ چھپر رہنے کو تھا۔ کوئی بڑا محل نہ تھا۔ دربان نہ تھے۔ پہرہ چوکی نہ تھا۔ اپنے کام کو خود کر لیا کرتے تھے۔ راتوں کو گشت لگاتے تھے لوگوں کی حالت دریافت کرتے تھے۔ ضعفا اور مساکین کی خبر لیتے تھے پھر بھی آپکی کیفیت اور حالت کو دیکھئے بغور ملاحظہ کیجئے کہ حضرت حذیفہؓ جنکا صاحب سر لقب ہے، اسوجہ سے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنکو منافقین کے نام تبلادئے تھے۔ تو حضرت عمرؓ اُنسے قسم دے دیکر پوچھا کرتے تھے کہ سچ بتلانا کہیں میرا نام تو اُن لوگوں میں نہیں ہے۔ جب تقویٰ اور خشیت کی یہ حالت ہو تو پھر اگر ایسے لوگوں کے پاس دُنیا ہوتی تو اُنکو کیا ضرر ہو سکتا تھا۔ اب بتلائیے کہ اُس زمانہ کے مناسب کیوں ترقی نہ تھی اور اِس زمانہ کے مناسب کیوں ہے۔ کیا اُس زمانہ میں کچھ ترقی نہیں ہوئی تھی۔ اکاسرہ۔ اور قیاصرہ کے پاس کس چیز کی کمی تھی۔ اور صحابہؓ کو ضرر کا احتمال بھی نہ تھا علاوہ اسکے اور تمام چیزوں میں بھی یہی عذر کیا کرتے ہیں۔ نماز کی نسبت کہتے ہیں کہ اُس زمانہ میں ضرورت تھی جبکہ نئے مسلمان ہوتے تھے۔ کیونکہ بُت پرستی حال ہی میں چھوڑی تھی اسلئے ضرورت تھی کہ خدا کی عبادت کریں تاکہ بتوں کا خیال دل سے نکلجائے۔ روزہ رمضان کے متعلق کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں غصہ وغیرہ کا غلبہ تھا قوت کا زور تھا اسلئے ضرورت تھی کہ روزہ رکھیں تاکہ ضعف آجائے وہ سختی جاتی رہے۔ اب خود ہی لوگ ضعیف اور مہذب ہو رہے ہیں اب کیا ضرورت ہے۔ رہا حج چونکہ وہ تجارت کا ذریعہ تھا تجارت کیلئے لوگ جمع ہوا کرتے تھے حج کی بھی بیخ لگادی۔ رہی زکوٰۃ سود وہ تو اُن کی ترقی کے بالکل خلاف ہے۔ تصویروں کے متعلق کہتے ہیں کہ پہلے لوگ بُت پرستی کے عادی ہو رہے تھے اُسکو اچھا سمجھتے تھے اسلام لانے کے بعد پہلا خیال کچھ نہ کچھ دل میں بسا ہوا تھا۔ اگر تصویر وغیرہ رکھتے تو خیال سابق میں زیادتی ہوتی اور بُت پرستی کا ذریعہ ہو جاتا اب کیا ضرورت ہے۔ اب تو بعض بُت پرست قومیں بھی اسکی قباحت کو تسلیم کرتی جاتی ہیں۔ اور مسلمانوں میں تو پشتہا پشت سے بُت پرستی کا نام بھی نہیں۔ اب تصویر سے کیا حرج ہے۔ غرض طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا ہے۔ جو کچھ جی میں آتا ہے لکھتے ہیں۔ یہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اسلام ہی کی ضرورت نہیں چلو چھٹی ہوئی۔ دعویٰ تو اسلام کا اور اُسکے تمام احکام سے انکار۔ ہر چیز کے ساتھ پھیر پھار کر دین سے انکار کرنا چاہتے ہیں۔ صاف صاف انکار کرنا تو ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بُرا کہینگے۔ اگرچہ بعض نے ہمت کر کے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مذہب ہی مانع ترقی ہے۔ ایک کمیٹی لکھنؤ میں ہوئی تھی ترقی کے ذرائع اور موانع سوچنے کے متعلق۔ وہاں ایک صاحب نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ مذہب

ہی مانع ترقی ہے ایک صاحب نے وہیں خوب ہی جواب دیا اور کہا کہ واقعی یہی بات ہے۔ لیکن مذہب کیطرح قانون بھی مانع ترقی ہے جب مذہب سے دست بردار ہو تو قانون کو بھی چھوڑ دو۔ چوری ڈکیتی کیجائے تو بہت سامال جمع ہو سکتا ہے۔ اگر موقع ہو اور کسی کے قتل سے مال ہاتھ آتا ہو تو اس سے دریغ کرنیکی کیا وجہ غضب کو بھی جی چاہتا ہوگا پھر کون مانع ہے یہی نا کہ قانوناً ان امور کے مرتکب ہونیوالے کو سزا ہوتی ہے ذرا خلاف قانون کریں تو خبر لیجائے۔ انصاف تو یہ تھا کہ اگر مذہب سے دست بردار ہوتے تھے تو قانون کو بھی چھوڑ دیتے اسکی بھی پرواہ نہ کرتے غضب ہے حکام ظاہری کے قانون کا تو اتنا خوف اور حاکم حقیقی اور تمام جہان کے بادشاہ یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون میں یہ دلیری اور گستاخی عجب اندھیر ہو رہا ہے دنیا میں انہماک ہے ایسی حالت میں عبادت کی بھلا کہاں نوبت آسکتی ہے۔ اگر کچھ لوگوں کو توفیق ہوئی بھی تو محض صورت عبادت کی ہوتی ہے معنی عبادت کے بالکل نہیں ہوتے معنے سے یہ عبادت محض معرا ہوتی ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے بادام تو ہو اور اسمیں مغز نہ ہو صرف پوست ہی پوست ہو یا جیسے دوالی کی مورتیں اور تصویریں ہوتی ہیں کہ گھوڑا ہے یہ لوہار وغیرہ ہے سب ہی کچھ ہے لیکن اصلیت نہیں نام کو آدمی لیکن آدمیت نہیں نام تو ہاتھی ہے اور کام کچھ نہیں کر سکتا۔ کسی چیز کو لادنا تو درکنار رہے وہ خود خریدنے اور بنانیوالے پر لدا لدا پھرتا ہے اگر کوئی حاکم کسی سے کہے کہ ہمیں ایک آدمی کی ضرورت ہے اور کوئی شخص آدمی کی تصویر پیش کر دے کہ حضور اسکو نوکری میں قبول فرما دیں تو کیا وہ حاکم اس بیوقوف نادان سے ناراض نہ ہوگا اور اس کی بیہودہ حرکت کو سخت بے ادبی اور گستاخی نہ سمجھے گا سزا نہ دیگا۔ تو پھر بڑے غضب کی بات ہے کہ ہم خدا کے سامنے اس نام کے آدمی یعنی صورت آدمی کے مثل صورت عبادت کو بے خوف وخطر پیش کریں اور گستاخی کا ذرا خیال بھی نہ آئے عبادت بے جان تو پیش کریں اور شرمائیں نہیں۔ اب سمجھنا چاہئے کہ عبادت کی روح اور جان کیا ہے۔ اسکی حقیقت اور صورت میں کیا فرق ہے کونسی چیز ہے جسکے ہونے سے صورت عبادت اصلی عبادت ہو جاتی ہے اسکا کیا درجہ ہے۔ پس اس حدیث سے دیکھئے عبادت کے اچھا کرنے کی حقیقت بتلائی ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کے اچھا ہونے کے کیا معنی ہوا کرتے ہیں یعنی اسمیں کوئی نقصان نہ ہو کوئی کسر نہ رہے جیسی چاہئے ویسی ہی ہو۔ غرض ہر چیز کا اچھا ہونا اسکے مناسب جدا طریق سے ہوتا ہے مثلاً اچھی روٹی وہ ہوگی جس کا مادہ بھی اچھا صورت بھی اچھی ہو جو اسکا ثمرہ ہے وہ بھی اچھا ہو۔ اسیطرح یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں طالب علم امتحان میں اچھا رہا یعنی اسکی تقریر بھی اچھی تھی تحریر بھی۔ طرز بیان بھی خوب صاف تھا۔ مطلب واضح تھا حشو و زوائد سے کلام مبرا تھا یعنی تمام ضروریات مجتمع تھیں۔ کوئی حالت ایسی تھی جسکی کمی رہ گئی ہو اسی پر قیاس کرکے عبادت کے اچھا ہونیکے معنے بھی سمجھئے

کہ جتنے امور کی عبادت میں ضرورت ہے جو جو چیزیں واجب الاجتماع ہیں سب کی سب ہیں پائی جاویں کسی چیز کی کسر نہ رہے یہ تو اجمالا تھا اب اسکی تفصیل کہ وہ کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جن سے عبادت اچھی ہوتی ہو شرائع میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ لوگ عموماً غلطی کرتے ہیں اور صرف صورت اور نقل عبادت ہی کو عبادت سمجھتے ہیں یعنی فقہا نے جو ضبط کر دیا ہے قیام۔ رکوع۔ سجدہ۔ قعدہ۔ قومہ وغیرہ۔ اسمیں شک نہیں کہ جو کچھ فقہار نے لکھا ہے وہ ٹھیک ہے۔ اور جو فقہ کا موضوع تھا اُسکے موافق اُنہوں نے لکھا ہے۔ لیکن یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ تمام امور جنکو عبادت سے تعلق ہے اسمیں منحصر ہیں شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن چیزوں کے ساتھ اور کچھ بھی ہے۔ اِس فقہ کے ساتھ ایک دوسری فقہ یعنی معنی شرع کا بھی اعتبار ہے اِس معنوی فقہ کو تصوّف کہتے ہیں۔ تصوّف کو علیحدہ اور الگ کتابوں میں لکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقہ سے خارج ہو جاوے یہ علیحدگی ایسی ہی جیسے فقہ مشہور میں کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصلوٰۃ الگ الگ کتابیں ہیں۔ کتاب الصلوٰۃ کے مسائل کتاب الزکوٰۃ میں نہیں ملینگے اور کتاب الزکوٰۃ کے کتاب الصلوٰۃ میں۔ اِس سے کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ کتاب الزکوٰۃ یا کتابُ الصلوٰۃ فقہ میں داخل نہیں اسیطرح کتاب التصوّف بھی فقہ ہے۔ اگرچہ اُسکی کتابیں الگ ہیں۔ اگر کوئی ہدایہ کی ہر ہر کتاب کو الگ الگ چھاپ دے تو کیا کتاب الصلوٰۃ کتاب الزکوٰۃ وغیرہ ہدایہ سے خارج ہو جائیں گی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اسیطرح توحید اخلاص یا کبر۔ تواضع عجب وغیرہ اخلاق حمیدہ اور رذیلہ کے احکام بھی فقہ میں داخل ہیں۔ عموماً لوگ نماز میں قیام۔ رکوع وغیرہ ہی کو عبادت کی حقیقت سمجھتے ہیں اور اسی میں عبادت کو محصور جانتے ہیں۔ عوام تو عوام طالب علموں کی بھی شکایت ہے۔ ہم لوگوں کی خود حالت قابل افسوس ہے۔ اہل علم خود اِس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو علم کی تو فکر ہے لیکن عمل کی نہیں۔ بڑا اہتمام اسکا ہوتا ہے کہ ہم ساری کتابیں پوری کرلیں۔ ہدایہ بھی۔ صدرا بھی۔ شمس بازغہ بھی لیکن عمل کرنے کی ذرا بھی پروا نہیں۔ قوت عملیہ اسدرجہ ضعیف ہو رہی ہے۔ اسدرجہ اُسمیں خلل آگیا ہے۔ اسقدر مختل ہو رہی ہے جس کا حساب نہیں۔ ایسی ایسی خفیف حرکات کرتے ہیں جس سے افسوس ہوتا ہے۔ بہت سے معاصی ہیں کہ اُن میں شب و روز مبتلا ہیں اور خیال بھی نہیں آتا کہ ہم نے کوئی گناہ بھی کیا۔ کسی کی چیز بلا اجازت اُٹھالی اور جہاں چاہا ڈالدی۔ کسی کی کتاب بلا اجازت لیلی اور ایسی جگہ رکھدی کہ اُسکو نہیں ملتی وہ پریشان ہو رہا ہے۔ کسی سے کسی اچھے کام کا وعدہ کیا اور اُسکے پورا کرنے کی اصلا فکر نہیں اسیطرح سینکڑوں قصے ہیں کہانتک بیان کئے جاویں۔ لیکن باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی اُنکے علم و فضل میں شک نہیں ہوتا

حالانکہ فقط کسی چیز کا جان لینا کوئی ایسا کمال نہیں۔ یوں تو شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے۔ بڑے بڑوں کو بہکاتا ہے۔ تفسیر میں وہ ماہر۔ حدیث سے واقف۔ فقہ میں وہ کامل۔ کیا ہے جس کو وہ نہیں جانتا۔ اگر زیادہ نہ جانتا ہوتا تو علماء کو بہکا کیسے سکتا۔ جب کوئی شخص کسی فن میں کامل ہوتا ہے جب ہی تو وہ اپنے سے کم جاننے والے کو دھوکا دیسکتا ہے۔ اُنہیں (یعنی شیطان میں) اگر کمی ہے تو صرف اسی بات کی ہے کہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتا۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے ایسا علم جو عمل کے لئے نہ ہو جہنم کا ذریعہ ہے اس حدیث میں لیجادی بہ العلماء ولیماری بہ السفہاء وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ ہم لوگ ایسے غافل ہو رہے ہیں کہ اپنی اصلاح کی ذرا فکر نہیں کرتے۔ بعض گو لوگ قصداً گناہ نہیں کرتے لیکن بے پرواہی کی وجہ سے اُن سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی شکایت کے قابل ہیں۔ اگر کوئی ملازم سرکاری بے پروائی کرے اور کام خراب کردے تو کیا اس کی باز پرس نہ ہوگی؟ لوگوں نے عبادت کا ست نکال لیا ہے مثلاً بظاہر اُٹھ بیٹھ لئے اور نماز ادا ہو گئی خصوصاً اہل علم بھی اسکا خیال نہیں کرتے کہ سوائے ظاہری قیام۔ قعود کے اور بھی کچھ ہے اور وہ ضروری بھی ہے۔ جس قرآن میں قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم ہے اُسی میں خاشعون بھی آیا ہے جب صلوتھم کے لفظ سے نماز کو مطلوب شرعی سمجھتے ہیں تو کیا وجہ خاشعون سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے اسیطرح اور مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ خشوع بھی ویسا ہی ہے جیسے قیام و رکوع وغیرہ۔ اس غلطی کو دفع کرنا نہایت ضروری ہے ایک کو تو ضروری سمجھیں اور دوسرے کو نہ سمجھیں حالانکہ دونوں حکم یکسان ضروری ہیں یہ خشوع ہی ہے جس سے عبادت اچھی ہوتی ہے احسان اسی سے حاصل ہوتا ہے۔

احسان کے متعلق تین چیزیں ہیں **اوّل** احسان کا ضروری ہونا۔ **دوسرے** احسان کی حقیقت **تیسرے** تحصیل طریق احسان۔ اجمالاً اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ احسان خشوع سے حاصل ہوتا ہے اور خشوع کا مطلوب ہونا قد افلح المومنون الخ سے معلوم ہو چکا ہے۔ اب اسکا ضروری ہونا سنئے خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتب من قبل فطال علیھم الامد فقست قلوبھم یہاں ذکر اللہ میں خشوع کیضرورت کا بیان ہے اور ذکر اللہ میں ساری عبادتیں آگئیں دیکھو عبادت میں خشوع نہ ہونے پر کیسی وعید ہے۔ شکایت کی ہے اور یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دیکر ذکر کیا ہے کہ ایسے نہ ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترک خشوع کیسی بُری چیز ہے جسکے باعث سے کفار کے ساتھ آدمی مشابہ ہو جاتا ہے اور اس کا ثمرہ بیان فرمایا ہے فقست قلوبھم قساوت قلب نہایت بُری چیز ہے۔ قساوت کی

نسبت قرآن شریف میں ہی فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ اولئک فی ضلال مبین یعنی تباہی اور ہلاکت ہے اُن کو جن کے دل خدا کی یاد سے سخت ہوئے ہیں وہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں قلب قاسی خدا سے بہت دُور ہے ان سب نصوص سے ثابت ہوا کہ قساوت بُری چیز ہے اور خشوع ضروری ہے۔ لیکن خرابی یہ ہو رہی ہے کہ لوگ خشوع کی حقیقت نہیں سمجھتے اسیوجہ سے اُسکی فکر بھی نہیں کرتے۔ جو شخص کسی چیز سے واقف ہوگا وہ اُسکو حاصل کیا کریگا۔ عموماً لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خشوع کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا کسی کا خیال نہ آوے ایسی مدہوشی ہوجاوے کہ تیر برچھا کچھ ہی لگے اُس کی خبر نہ ہو پس انسان جماد کیطرح بن جاوے آدمیت سے گذر جاوے۔ کوئی پوچھے یہ معنی کہاں لکھے ہیں اور کس نے لکھے ہیں اسکا کچھ جواب نہیں۔ اور واقعی کہیں بھی یہ معنی نہیں لکھے۔ یہ شبہ کم فہم اور غیر شفیق واعظوں کی بدولت پڑا ہے اُنہوں نے ایسی حکایتیں بیان کیں جن سے دھوکے میں پڑ گئے۔ پڑھے لکھے آدمی بھی اِس سے ناواقف ہیں اور کیوں نہ ہوں اُنکے درس میں کوئی تصوف کی کتاب تو ہے نہیں لیکن عام لوگوں کے سُنانے کیلئے موجود ہو گئے۔ امراض قلبی اور امراض باطنی کے علاج کرنے پر آمادہ ہیں وعظ ونصیحت کرنے پر مستعد۔ حالانکہ خود نہیں سمجھتے تو ایسے شخص کی مثال ہی جس نے نہ طب پڑھی نہ مطب کیا اور علاج کرنے لگا۔ علاج کے لئے پہلے طب پڑھنا ضروری ہی اور پھر مطب کرنا بھی لازمی ہی بغیر اس کے قابلیت علاج نہیں آسکتی ایسے ہی مدارس کی نسبت کسی نے کہا ہے ؎

ایہا القوم الذی فی المدرسہ	کل ما حصلتموہ وسوسہ
علم نبود غیر علم عاشقی	مابقی تلبیس ابلیس شقی

جسطرح کنز و ہدایہ ضروری ہے ویسے ہی ابو طالب مکیؒ کی قوت القلوب اور امام غزالیؒ کی اربعین اور شیخ شہاب الدینؒ سہروردی کی عوارف کا پڑھنا بھی ضروری ہی یہ تو گویا طب پڑھنا ہی اور اسکا مطب یہ ہی ؎

قال را بگذار مرد حال شو	پیش مرد کاملے پامال شو

کیسی نا انصافی کی بات ہے کہ جب دس برس علم ظاہری کی تحصیل میں صرف کئے تو دس ماہ تو باطن کی اصلاح میں صرف کرو اور اُس کا یہی طریق ہی کہ کسی کامل کی صحبت میں ہو اُسکے اخلاق۔ عادات۔ عبادات کو دیکھو کہ غصے کے وقت اُسکی کیا حالت ہوتی ہی۔ شہوت کے وقت میں وہ کیسی حالت میں رہتا ہے۔ خوشامد کا اُسپر کہاں تک اثر پڑتا ہے اسیطرح تمام اخلاق کا حال ہی کیونکہ پھر جب کبھی اُسکو غصہ آئیگا تو سوچیگا کہ اُس کامل کی غصے کے وقت کیا حالت ہوئی تھی ہم بھی ویسا ہی کریں اُسکے اخلاق وعادات پیش نظر ہو جائینگے۔ یہ اسکا مطب ہوا

چنانچہ کہا ہے ؎ اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی	تا راہ بیں نباشی کے راہ بر شوی
در مکتب حقائق پیش ادیب عشق	ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

ساری خرابی اِنہیں ناعاقبت اندیش واعظوں کی ڈالی ہوئی ہے۔ ایسی ایسی حکایتیں بیان کرتے ہیں جس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ عمل کرنا بہت ہی دشوار ہے اور جو کچھ کرتے ہیں ایسی حکایتوں کیوجہ سے اُسکو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ مثلاً طلب حلال کے متعلق یہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حلال روزی کی طلب میں نکلے ایک ایسے شخص کے پاس پہونچے جسکے پاس حلال روزی کی خبر لگی تھی اُسنے جواب دیا کہ تھی تو میرے پاس لیکن چند روز سے حلال نہیں رہی اتفاق سے میرا بیل دوسرے کے کھیت میں چلا گیا دوسرے کھیت کی مٹی اُسکے پیر میں لگ کر میرے کھیت میں آگری اسلئے اب روزی حلال نہیں رہی محض مستبعد بات ہے۔ اوّل تو یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی کے بیل کھیت ہی میں ہمیشہ رہا کریں۔ باہر نکلنے کی نوبت ہی نہ آئے اور اگر ہو بھی تو اس سے کہیں حرمت آتی ہے اور تمام امور سے قطع نظر کرکے اگر اُسکی کوئی توجیہ بھی ہو تو اس بزرگ کی خاص حالت ہوگی عام تکلیف تو نہیں دیجاسکتی۔ ظاہر ہے کہ اِس حکایت کو سُنکر یہ خیال پیدا ہوگا کہ حلال روزی تو ممکن نہیں اسلئے پھر خوب دل کھولکر حرام ہی کمایا جاوے جسطرح بنے چوری سے دغابازی سے۔ رشوت سے۔ سُود سے سب لینا چاہئے اور اسطرح تباہ ہو جاتے ہیں۔ ایسی باتیں بیان کرنیسے اُنکی غرض ہوتی ہے کہ وعظ میں ذرا رنگ آجاوے نئی بات ہونیکی وجہ سے لوگوں کے پسند آئے۔ خوب واہ واہ ہو۔ شریعت میں ہرگز ایسی تنگی نہیں ہے۔ ایسی تنگی کی تو ایسی مثال ہے جیسے کہ ایک بخیل صاحب کی حکایت ہے کہ ایکدفعہ بے چراغ بڑھائے ہوئے نماز پڑھنے کو مسجد میں چل کھڑے ہوئے رستے میں یاد آیا کہ یہ فضول خرچی ہے۔ لوٹ کر چراغ گل کرنے آئے۔ لونڈی نے پوچھا خیر تو ہے حضور کیسے لوٹ آئے اتنی فضول خرچی ہوئی کہ آپکے یہانتک لوٹ کر آنے میں جوتہ گھس گیا ہوگا بڑے خوش ہوئے اور جواب دیا کہ چراغ جلتا ہوا چھوڑ گیا تھا اسکے بجھانے کو آیا ہوں اُسنے جواب دیا کہ میں نے پہلے ہی گل کر دیا تھا۔ وہ بولے شاباش کہ تو بڑی محتاط ہے اور تجھے فکر ہے کہ کوئی فضول خرچی نہ ہو حتیٰ کہ میرے جوتہ گھسنے کا بھی خیال ہے لیکن سمجھ لے کہ میں نے لوٹتے وقت جوتہ اُتار کر بغل میں دبا لیا تھا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ شریعت ایسی مہمل باتوں سے پاک ہے ایسی تنگی اِسمیں کہاں؟ بلکہ جب حلال صورتیں بکثرت بتلائی جاوینگی توفیق عمل کی ہوگی حلال روزی کی فکر کرینگے۔ سمجھ لو کہ ہدایہ و کنز وغیرہ میں جو جو چیزیں حلال لکھی ہیں وہ بلاشبہ حلال ہیں اس میں ذرا شک نہیں۔ بات کیا ہے کہ اہل باطن جو مغلوب الحال تھے یہ اُنکی حکایتیں ہیں عوام کے سامنے اُن کو

بیان کردیا۔ یہ تو وہی مثل ہوگئی کہ ایک شخص کو پیچش کا عارضہ تھا حکیم صاحب نے اسکے لیۓ دہی خشکہ تجویز فرمایا۔ اور ایک شخص کو ضعف دماغ تھا اُس کے لیۓ مقوی چیزیں گوشت۔ یخنی۔ دودھ۔ قورمہ تجویز کیا۔ اب اگر پیچش والا اُسکو اُسپر عمل کرنے لگے تباہ نہیں ہوگا تو کیا ہوگا۔ مریگا۔ اسیطرح جو حالات بیان کیۓ تھے سچ تھے لیکن یہ کس کے تھے اہل باطن کے لیے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر سچی بات بیان کرہی دیجائے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہی خشوع ہے اور یہی بڑا کمال ہے کہ تیر بھی لگے تو خبر نہو حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ آلہ وسلم سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز کو ذرا طویل کروں لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مختصر کردیتا ہوں کہ اُس کی ماں پریشان ہوجائیگی۔ اب تلایئے کہ یہ کمال کی حالت ہی یا وہ۔ تیر کی خبر نہ ہونا بھی ایک حالت ہے جسے استغراق و محویت کہتے ہیں لیکن وہ خشوع نہیں ہی۔ نماز کے معنی اگر کوئی بیان کرے کہ صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کھانا تو یہ غلط ہے۔ اگرچہ نماز بھی کوئی چیز ہے لیکن یہ نماز نہیں ہی اسیطرح یہ حالت ہی تو ضرور لیکن یہ خشوع نہیں ہی۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی جیسے کہ ایک مرتبہ مقدمہ پیش ہُوا مدعا علیہ نے گواہی پر جرح کی کہ نماز نہیں پڑھتا۔ اُس نے کہا واہ صاحب میں تو حج بھی کرآیا ہوں۔ قاضی نے اُس سے پوچھا کہ اچھا تبلا زمزم کیا چیز ہے اور عرفات کیا چیز ہے۔ اُس نے جوابدیا کہ زمزم ایک بوڑھا آدمی ہے اور عرفات ایک باغ ہے جسمیں وہ بوڑھا بیٹھا ہوا ہے۔ قاضی نے کہا کہ کیا غلط کہتا ہے مقتول بکتا ہے ہمنے خود حج کیا ہے زمزم ایک کنویں کا نام ہے اور عرفات ایک جنگل ہی اُس نے کہا جب میں گیا تھا اُسوقت تو یہی تھا آپ کے جانے کے وقت بدل گیا ہوگا۔ خشوع کے معنے یہ کہنا کہ کچھ خبر نہ ہو ایسا ہی ہے جیسے کاذب نے کنویں اور عرفات کی حقیقت بیان کی تھی۔ ہاں اسکا انکار نہیں ہوسکتا کہ یہ بھی ایک حالت ہے جیسے عرفات و زمزم کا وجود واقعی تھا گو جو وہ کہتا تھا نہ تھا گو بعض لوگ سرے سے اِس حالت ہی کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ امر خلاف فطرت ہی سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص نماز پڑھتا ہو اسطرح کہ اُسکو تیر لگنے کی خبر نہ ہو۔ اِس منکر کی تو ایسی مثال ہی جیسے کوئی مادر زاد عنین لذّت جماع کا انکار کری یا کوئی مادر زاد اندھا کہے کہ لوگ حسن کو دیکھنا کہتے ہیں وہ کوئی چیز نہیں ہے حالانکہ ایسے واقعات ثابت ہوئے ہیں امام مالکؒ حدیث شریف کا بیان کر رہے تھے ان کی آستین میں کہیں سے کمبخت ایک بچھو گھس گیا تھا وہ ڈنک مارتا تھا جس کے صدمہ سے اُن کا چہرہ متغیر ہوجاتا تھا لیکن اُف نہیں کرتے تھے اور برابر حدیث شریف کا بیان کرتے رہے حتیٰ کہ گیارہ بار اُس نے نیش زنی کی۔ جب گھر میں آکر کُرتہ اُتارا تو کُرتے میں خادم نے بچھو کو دیکھ کر عرض کیا کہ آپنے اُسوقت کیوں نہیں اظہار فرمایا۔ جواب دیا کہ مجھے شرم آئی کہ حدیث شریف کے

کے وقت دوسری طرف متوجہ ہوں لیکن باوجود اس کے خشوع کے یہ معنی نہیں کہ دوسرا خیال نہ آوے جو شخص خشوع کی حقیقت نہ سمجھیگا سخت غلطی میں مبتلا ہوگا سمجھے گا کہ دوسرا خیال تو رک سکتا نہیں اور بندہ خشوع کا ہے مکلف اسلیے کہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا میں شک کرنے لگے ایسی حکایتوں سے یہانتک نوبت پہونچ گئی۔ اب چاہیئے کہ خشوع کی حقیقت کو خوب سمجھ لیجیے۔ پہلے لغت کے موافق اسکے معنے بیان کیے جاتے ہیں پھر شرعیات سے تائید کردیجائیگی۔ اس سے معلوم ہوجائیگا کہ خشوع کیا چیز ہے خشوع کے معنے ہیں دب جانا۔ پست ہوجانا۔ یعنی سکون جیسا کہ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے ومن ایاتہ انک تری الارض خاشعۃ فاذا انزلنا علیہا الماء اہتزت وربت چونکہ اہتزت وربت سے خاشعۃ کا مقابلہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اہتزاز اور اُبھرنے میں حرکت ہے تو خاشعۃ کے معنی سکون اور پستی والی کے ہوں گے اور اس مقابلہ سے ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں خود لغت شاہد ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شیئ کا حرکت و سکون جداگانہ ہوتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ ہاتھ چل رہا ہے تو اسکے معنے ہلنے جلنے اور نقل مکانی ہونگے اور اگر کہا جائے کہ فلانے کی طبیعت خوب چلتی ہے تو یہاں یہ معنی نہیں مراد ہوں گے بلکہ یہاں اور معنی ہونگے یعنی فکر کرنا اور سوچنا۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سُنیے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قسم کی چیزیں عنایت فرمائی ہیں ظاہر اور باطن۔ یا یوں کہو کہ جوارح۔ اور قلب پس کمال خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ جوارح بھی ساکن رہیں اور قلب بھی۔ لیکن دونوں کا سکون جُدا جُدا ہے۔ جوارح کا سکون تو یہ ہے کہ ادہر اُدہر دیکھے نہیں ہاتھ پیر نہ ہلائے اور اس کے مقابلات کا نام حرکت ہوگا۔ اور قلب کا سکون اُسکی حرکت کے مقابل ہے۔ حرکت تو یہ ہے کہ خیال کرنا۔ تصور کرنا۔ فکر کرنا یعنی سوچنا۔ اور سکون اسکا عدم ہے اور ظاہر ہے کہ فکر کرنا اور سوچنا فعل اختیاری ہے اور قدرت اور اختیار ضدین سے متعلق ہوتا ہے۔ پس جب یہ حرکت اختیاری ہے تو اس کے مقابل سکون بھی یعنی سوچنا اختیاری ہوگا۔ اور آدمی اختیاری ہی چیزوں میں مکلف ہوتا ہے لہذا خشوع کے معنے یہ ہونگے کہ اپنے اختیار سے دوسرا خیال نہ لانا یہ نہیں کہ دوسرے خیال کا دل میں نہ آنا۔ یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں خیال کا آنا تو اختیاری نہیں ہے اور خیال کا لانا اختیاری ہے۔ پس خشوع کے یہ معنے ہوئے کہ اپنے اختیار سے دوسری خیالات دل میں نہ لاوے رہا اگر کوئی خیال بلا اختیار آدے تو وہ خشوع کے منافی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعض صحابہؓ نے پوچھا کہ میرے دل میں ایسے ایسے خیال آتے ہیں کہ جلکر کوئلہ ہوجانا اُن سے آسان معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا او جدتموہ قالوا نعم قال ذالک صریح الایمان یعنی آپنے دریافت فرمایا کہ تم نے اُسکو پایا ہے یعنی کیا ایسے خیالات تمہیں آتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ

ہاں - آپ نے فرمایا یہ تو صریح ایمان ہے اور کیوں نہ ہو چور تو وہیں آتا ہے جہاں مال ہو متاع ہو - اسیطرح شیطان وہیں آتا ہے جہاں متاع ایمان ہو - مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

دیو آید سوئے انسان بہر شر	پیش تو ناید کہ از دیوے بتر

شیطان بڑا اُستاد ہے - اپنا وقت فضول ضائع نہیں کرتا - جو خود شیطان بنگیا ہے اُس کو بہکانے کی کوشش نہیں کرتا - ہاں جسمیں کچھ ایمان باقی ہو اُسی کی فکر میں رہتا ہے - اپنی دُھن کا پکا ہے - ایمان داروں ہی کے پیچھے پڑا رہتا ہے - ہم لوگوں کو تو اُس سے خاص صفت میں سبق حاصل کرنا چاہیئے تھا - ایک چور نہایت نامی تھا - ہمیشہ چوری کیا کرتا تھا - آخر ایک مرتبہ سُولی دے دی گئی - حضرت جنیدؒ نے دوڑ کر اُس کے پیر چوم لیے - لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ اس کی استقامت قابل تعریف ہے اگر ہم خدا کی اطاعت میں ایسی استقامت کریں تو ہمارے مدارج کا کہیں ٹھکانا ہی نہ رہے - اپنے کام میں لگا رہنا چاہیئے اور وسوسہ اور خیالات کی کچھ پروا نہ کرنا چاہیئے - بڑے بڑے خطرات جن پر عمل نہ ہو مگر طبیعت منقبض ہو اُلجھے بزرگوں ہی کو آتے ہیں - فاسقوں کو ایسے خیالات نہیں آتے - اور ان وساوس سے پریشانی کا باعث یہی ہے کہ کسی طبیب قلب کی صحبت نہیں نصیب ہوئی - اگر کوئی جاننے والا مل جاتا تو کہدیتا کہ اگر وسوسے آرہے ہیں تو آنے دو کچھ پرواہ نہ کرو - قلب کی حالت تو شاہی سڑک کی سی ہے کہ اُس پر حاکم رئیس اور ادنیٰ چمار دونوں گذرتے چلے جاتے ہیں ؎

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں	درمیان شان برزخ لایبغیان

شیطان کی حالت کتے کی سی ہے - کتا بھونکا کرے اور التفات نہ کیا جائے تو آپ چپ ہو جاتا ہے - اور اگر اُس کی طرف متوجہ ہو کر اُسکو دفع کرنا چاہے تو اور زیادہ غصہ کر کرکے بھونکتا ہے - اسیطرح وساوس شیطانی کی طرف التفات ہی نہ کرے - کیونکہ شیطان سے جو دبتا ہے اور اُسکا خیال رکھتا ہے اُس کے سامنے آموجود ہوتا ہے - وسوسے پر جو غمگین ہوگا وہ سخت پریشان ہوگا - بلکہ جب وسوسہ آئے تو اور خوش ہونا چاہیئے کہ الحمد للہ دولت ایمان موجود ہے - اگر آدمی میں قوت توکل اور اعتماد علی اللہ کی صفت ہو تو ایک شیطان کیا اگر لاکھ شیطان ہوں تو کچھ نہیں بنا سکتے - ہاں قصداً خیال کا لانا بیشک منافی خشوع اور حضور قلب کے ہے - اب اس تقریر سے ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ خشوع اور حضور قلب اختیاری ہے اور نہایت آسان ہے - لیکن تاہم جبتک طریق نہ معلوم ہو اور اُسپر عمل نہ کیا جاوے کامیابی نہیں ہو سکتی - کپڑا سینا آسان ہے - ہر شخص جانتا ہے کہ کیسے کپڑا سیتے ہیں لیکن سینا جب ہی آسکتا ہے کہ کسی درزی سے طریق سیکھا جائے - اور اُسپر عمل کیا جائے - اسیطرح حضور قلب کا حال ہے

اُس طریقے کا سمجھنا ایک مقدمہ پر موقوف ہے یہ مسئلہ عقلی ہے کہ النفس لا تتوجہ الیٰ شیئین فی آنٍ واحدٍ یعنی پوری توجہ ایک ہی چیز کیطرف ہوا کرتی ہے۔ ایک آن میں اگر دو چیزیں خیال میں ہوں تو سمجھنا چاہیئے کہ دونوں میں سے کسی کی طرف بھی پوری توجہ نہیں۔ یا دو چیزیں نظر آتی ہوں۔ تو توجہ کامل دونوں میں سے کسی کیطرف بھی نہیں۔ جس چیز کو آدمی گھورتا ہے اُسی کیطرف دیکھنے میں توجہ ہوتی ہے۔ اِس سے معلوم ہوا ہوگا کہ طریقہ یہی ہے کہ ایک خیال رکھیں تو دوسرے خیالات خود دفع ہوجائیں گے اور کوئی خیال نہ آئیگا۔ کیونکہ اگر یہ کوشش کی جاوے کہ ایک ایک کرکے خیالات دفع کیے جاویں تو سخت دشواری پیش آئے گی۔ اور دفع ہونا ناممکن ہوجائے گا۔ کیونکہ اول تو دیکھی ہوئی چیزیں انسان کی بکثرت ہیں پھر علاوہ اِس کے انسانی قوت متفکرہ یا متخیلہ اُن کو ترکیب دیکر بے تعداد فرضی صورتیں اختراع کیا کرتی ہے۔ مثلاً آپ نے دو سر کا آدمی کبھی نہیں دیکھا ہوگا لیکن یہ قوت متفکرہ ایک دھڑ اور دو سر کو جوڑ کر خیالی صورت بناکر سامنے کھڑا کردیتی ہے اور انسان کو معلوم ہونے لگتا ہے کہ دو سر کا آدمی ایسا ہوسکتا ہے۔ بہر حال ایک ایک خیال کو دفع کرنا بہت دشوار اور بڑی ہی مصیبت ہے۔ کبھی بھول کر بھی خیالات دفع کرنے کے پیچھے مت پڑو۔ بس اُس کا طریقہ یہی ہے کہ کسی نیک چیز کیطرف دھیان لگا دو اِس دھیان کے باندھتے ہی سارے خیالات خود بخود ہٹ جائیں گے بعض سالکین نے ناواقفی کے باعث ہجوم وساوس سے پریشان ہوکر خودکشی کرلی ہے۔ یہ کیوں اس لیے کہ یا تو اُن کو شیخ نہیں ملا یا شیخ کی تعلیم کی قدر نہیں کی۔ شیخ جس پر یہ امور گذرے ہوتے ہیں جانتا ہے اور بتلا سکتا ہے۔ ایسی پریشانی کی حالت کو قبض کہتے ہیں اسمیں عبادت میں بھی مزہ نہیں آتا اور جی گھٹتا ہے اور جی گھٹنے کی وجہ یہ ہے کہ لذت نہیں ملتی۔ ہم لوگوں کی عجیب حالت ہے۔ عبادت بھی ایسی کرنا چاہتے ہیں جسمیں حظ نفسانی ملے۔ عبادت بھی چاہتے ہیں تو مزیدار۔ حالانکہ مزہ مطلوب نہیں ہے بلکہ تعبد مطلوب ہے۔ البتہ مزے سے عبادت سہل ہوجاتی ہے۔ غرض طالب کی یہ حالت ہونا چاہیئے ؎

خوشا وقت شوریدگان غمش / اگر ریش بینند و گر مرہمش
دمادم شراب الم درکشند / اگر تلخ بینند دم کشند
مترس از محبت کہ خاکت کند / کہ باقی شوی چوں ہلاکت کند
گدایانی از بادشاہے نفور / بامیدش اندر گدائی صبور
اگر مرد عشقے کم خویش گیر / وگرنہ رہ عافیت پیش گیر

؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق / ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما
باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش / بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش

اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال	؎	مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش
ناخوش تو خوش بود بر جانِ من	؎	دِل فدائے یار دل رنجان من
پس زبون وسوسہ باشی دلا		گر طرب را بازدانی از بلا

ہمّت والوں کا تو یہ قول ہے ؎

روزہا گر رفت گو رو پاک نیست		تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

تم لذّت کی کچھ فکر نہ کرو۔ کام کیے جاؤ۔ لذّت نہ آئے بلا سے نہ آئے۔ حضور قلب کا طریق کلّی طور پر تو معلوم ہو گیا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کون سی شئے ہے جسمیں دل لگایا جائے۔ اِس کے دو طریق ہیں ایک تو مشہور ہے جو لوگوں نے ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک سے سمجھا ہے لیکن میرے نزدیک یہ سمجھنا صحیح نہیں اور اسکا بیان آگے آویگا۔ دوسرا طریق (جو اُستاد علیہ الرحمۃ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے بتلایا تھا۔ اور الحمد للہ کہ ایک حدیث سے بھی میری سمجھ میں آگیا۔ اور تجربہ بھی اسکے مفید ہونے پر شاہد ہے) یہ ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اسطرح کہ مقبلا علیھا بقلبہ یعنی حال یہ ہو کہ اپنے دل سے نماز پر متوجہ رہے اب نماز دیکھنا چاہیئے کہ نام کس کا ہے سو اسمیں بعضی چیزیں تو مختلف ہیں اُن کیطرف توجہ کرنے سے مبتدی کو یکسوئی حاصل ہونا ذرا تکلف ہے۔ اسلیئے دیکھنا چاہیئے کہ اسمیں ایسی کونسی چیز ہے جو نماز میں برابر ہوتی رہتی ہے سو وہ ذکر اللہ ہے کہ ابتدا سے انتہا تک پایا جاتا ہے۔ تو اب نماز میں متوجہ ہونے کی صورت اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ ذکر اللہ کیطرف برابر توجہ رہے یعنی جو کچھ پڑھا جاوے سوچ سوچ کر پڑھا جائے۔ پہلے سوچ لو پھر زبان سے نکالو۔ یہ نہیں کہ ریل گاڑی ہی جہاں ڈرایور نے کل چلادی اور گاڑی اُڑی چلی جاتی ہے یہانتک کہ اسٹیشن آگیا اور ڈرایور نے روکی تو تھمی۔ اسطرح سے اپنے اندر کی ریل گاڑی کو اگر ہم چلائینگے تو لڑے گی اسکا کیا نتیجہ ہوگا کہ سارے قوائے محمودہ کے مسافر پاش پاش ہو جائیں گے اور زمین باطن میں ہل چل پڑ جائے گی۔ دنیاوی ریل کے لڑنے کا حال تو اُسیوقت آنکھ سے نظر آجاتا ہے ہماری اندرونی ریل کے لڑنیکا حال قیامت میں کھلیگا۔ بہر حال چاہیئے یہ کہ ہر ہر لفظ کو سوچ سوچ کر پڑھو۔ اگر اسمیں دو چار دن مشقت معلوم ہو گی جی گھبرائیگا۔ کیونکہ جی رو کنا پڑے گا لیکن جہاں ہم اپنے دنیاوی ذرا ذرا سے کاموں میں مشقت اُٹھاتے ہیں خدا کے لیے ذرا سی مشقت اُٹھانا گوارا کریں۔ عجب دُنیا بے مشقت نہیں ملتی تو خدا کو چاہتے ہو کہ بے مشقت ہی ملجائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے قربان جایئے کیسی چھوٹی چھوٹی لفظوں میں اتنے بڑے بڑے دشوار کلام کو آسان کر کے

تبلادیا اور کیوں ہو علمنی ربی فاحسن تعلیمی و ادبنی ربی فاحسن تادیبی - یہ خدا کی تعلیم ہے۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود	گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
در پس آیئنہ طوطی صفتم داشتہ اند	آنچہ استاد ازل گفت ہمامیگویم

اس کے علاوہ ایک مشہور طریق حضور قلب کا وہ ہے جو حدیث ان تعبد اللہ کا نک تراہ الخ سے لوگوں نے سمجھا ہے یعنی عبادت کرتے وقت یہ خیال کرے کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں - اور اگر یہ نہ ہو تو یہ سمجھے کہ خدا مجھ کو دیکھ رہا ہے - پس گویا دو طریق متقابل ہیں لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں - اول تو لفظوں کے بھی خلاف ہے - کیونکہ سوال حقیقت احسان سے ہے نہ طریق تحصیل احسان سے ہے - چنانچہ جو جواب دیا گیا ہے اُسمیں احسان کی حقیقت تبلائی ہے نہ کہ طریق - چنانچہ اس کے قبل بھی اسلام اور ایمان کی حقیقت ہی سے سوال وجواب کا ہونا اس کا اور بھی موئد ہے - دوسرے تجربہ بھی شاہد ہے کہ تصور رویت حق حضور قلب کے لیے عموماً اور خصوصاً مبتدی کے لیے بالکل ناکافی ہے - کیونکہ طبیعت پریشان ہوتی ہے کہ خدا کو کیسا سمجھوں - اور ایک صورت سمجھ میں آتی ہے پھر اُسکا دفع کرتا ہے اسیطرح پریشانی میں مبتلا رہتا ہے - اور ظاہر ہے کہ جس چیز کو کبھی دیکھا نہیں اُسکا تصور کیسے جم سکتا ہے - البتہ منتہی کو خدا کے دیکھنے کا تصور بے کیف ذوقی طور پر میسر ہو جاتا ہے - اور طریقہ عام ہونا چاہیئے - علاوہ بریں اگر مضاف محذوف مان کر (یعنی طریقہ ان الخ) سے طریق ہی قرار دیا جاوے تو تقابل ٹھیک نہیں ہوتا کیونکہ کانک تراہ کے بعد یہ کہا ہے کہ اگر تم اُسے دیکھتے نہ ہو تو بیشک وہ تمہیں دیکھتا ہے - سو یہ مضمون جملہ اولی کے ساتھ جمع ہو رہا ہے - یہ نہیں کہا کہ اگر تم ایسی عبادت نہ کرسکو کہ گویا اُسے دیکھتے ہو (تو یہ سمجھو) کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے - بہر حال یہ طریق الفاظ حدیث اور تجربہ دونوں کے خلاف ہے - پس اسحدیث میں حقیقت احسان کا بیان ہے طریق مذکور نہیں - رہا حدیث کے معنے کیا ہیں تو اُسکا سمجھنا ایک مقدمہ پر موقوف ہے - یہ تو ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کام کر رہا ہو اور اُسے معلوم ہو جائے کہ اسوقت ہمارا مالک اور حاکم دیکھ رہا ہے تو وہ شخص کام بالکل ٹھیک کرنے لگیگا اور احتیاط رکھیگا کہ کوئی خرابی نہ ہونے پائے - اور اگر کہیں خود حاکم کو دیکھ لیا تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ہے - اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے کام کو خوب اچھی طرح انجام دیگا - چنانچہ طالب علموں ہی کو دیکھ لیجیے کہ اُستاد کی عدم موجودگی میں آپس میں بیٹھتے ہیں تو ظرافت اور ہنسی کی باتوں میں بھی باک نہیں ہوتا - دل کھولکر ایکدوسرے سے بولتے ہیں - کہیں پیر پھیلائے ہیں - کہیں کوئی شعر پڑھ رہے ہیں - اور جہاں کسی نے دیکھ لیا کہ مولویصاحب دیکھ رہے ہیں فوراً مؤدب ہو کر بیٹھ گئے اور خاموشی اختیار کر لی - اور کہیں اپنی نظر اُستاد پر پڑگئی تب تو ادب کا

ٹھکانا ہی نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ حاکم کی نظر کے سامنے ہونے کے وقت کام خوب عمدگی سے ہوتا ہے تو مطلب اس حدیث کا یہ ہوا کہ خدا کی ایسے حسن وخوبی سے عبادت کرو گویا کہ تم اسکو دیکھ رہے ہو یعنی اگر فرضاً تم خدا کو دیکھتے تو سوچو اسوقت تمہاری عبادت کسطرح کی ہوتی۔ اب بھی اُسی حالت کے مشابہ تمہاری عبادت ہونا چاہیئے) اسلیئے کہ اگر تم اُسے نہ بھی دیکھتے ہو تو کیا ہوا وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے (یہ اسلیئے بڑھایا کہ پہلے جملے سے یہ سوال ہو سکتا تھا کہ جب واقع میں ہم نہیں دیکھتے تو اس طرح کی تحسین عبادت کسطرح ممکن ہے، اسکا جواب اِس سے مفہوم ہو گیا کہ دیکھنے والے کی تحسین کے لیئے حق تعالیٰ کی رویت کا تعلق بھی کافی ہے) غرض فان لم تکن تراہ میں فائے تعقیب بیجائے بلکہ فائے علت قرار دیجائے۔ یہاںتک تو آپ کو خشوع کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی۔ اسکا ضروری ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ طریقہ سے بھی واقفیت حاصل ہو چکی۔ اب خاتمہ کے طور پر ایک امر اور بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس خشوع کے پیدا کرنے کا وقت کون سا ہے۔ آیا ہر وقت خشوع ہی کے اہتمام میں ہیں یا اسکا کوئی خاص وقت ہے۔ تو اب سُنیئے کہ **ایک خشوع تو مستحب ہے اور دوسرا واجب ہے**۔ مستحب تو یہ ہے کہ ہر وقت یہی حالت استحضار کی قلب پر غالب رہے۔ لیکن یہ ہر شخص کے لیئے نہیں ہے۔ صرف اُسی کو جائز ہے جسکی ایسی حالت نہ ہو کہ نہ تو خود اس کے ضروریات میں مخل ہو۔ نہ کسی دوسرے کی حق تلفی کا باعث ہو ورنہ تباہی کی نوبت آجائیگی۔ مستحب کے لیئے واجبات ترک ہونے لگیں گے۔ بجائے ثواب کے اُلٹا وبال ہو جائیگا۔ مثلاً اگر کسی کی بی بی آٹے کے لیئے پیسے دے کہ آٹا لے آؤ بچے بھوکے ہو رہے ہیں اور وہ لگے رہیں خشوع حاصل کرنے میں جسکی وجہ سے بچے بھُوکے مریں۔ تو ایسا خشوع موجب قرب نہیں ہو سکتا۔ خدا سے دوری کا باعث ہوگا۔ حکایت مشہور ہے کہ ایک ذاتی صاحب کسی مسجد میں ٹھیرے تھے جب رات کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ ایک مسافر جو وہاں سو رہا تھا خراٹے لے رہا ہے آپنے اُس کو کئی دفعہ تو اٹھا اٹھا کر بٹھا دیا اور کہا کہ تم کس طرح سوتے ہو ہمارے خشوع میں خلل پڑتا ہے وہ بیچارہ تھکا ہوا تھا پھر سو گیا۔ آپ کو جو غصہ آیا۔ نکال چھُرا اُسکا کام تمام کر دیا۔ اچھا خشوع حاصل کیا کہ بیچارے کی جان ہی لے ڈالی۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی بی بی بچّوں کو تباہ کر رکھا ہے اور غلطی میں مبتلا ہیں۔ دائمی حضور قلب اور خشوع کے پیچھے حق تلفیاں کرتے ہیں۔ یہ امر نہایت نازیبا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہو گئی کہ کسی نے نوکر سے کہا کہ ہم بھُوکے ہیں کھانا لاؤ۔ وہ بجائے کھانے کے دوڑ کر برف سے ٹھنڈا کر کے پانی لے آیا۔ اور اسی پر اصرار کرتا ہے کہ نہیں جناب پانی ہی پیجیئے۔ بہت ٹھنڈا ہے۔ کھانا نہ کھایئے۔ تو ایسے نوکر سے مالک خوش ہوگا یا ناراض۔ جیسے ایک

صاحب کا نوکر تھا۔ اس سے مانگا خلال وہ اُٹھا لایا بانس۔ مانگا لحاف وہ اُٹھا لایا گھوڑے کا چارجامہ اور اصرار کرتا ہے کہ لو اسی کو اوڑھ لو۔ یہ گستاخی ہے یا نہیں۔ یہ ساری خرابیاں خود رائی کی ہیں۔ خود رائی بھی بڑی مضر شئے ہے ؎

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست	کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

مناسب تو یہ ہے کہ ایسا ہو جائے ؎ چوں قلم در پنجہ تقلیب رب۔ یہاں تو جو حکم ہو وہ ہی کرو یہی کمال ہے۔ مثلاً اگر کسی کو پاخانہ زور سے لگا ہوا اور وہ نماز پڑھنا چاہے تو بُرا ہے۔ چاہیئے کہ پہلے فارغ ہو جائے پھر نماز پڑھے۔ اگر کوئی اصرار کرے اور کہنے لگے کہ صاحب نماز پڑھنا تو عبادت ہے اور پیشاب پائخانہ تو نجاست کا کام ہے میں تو نماز ہی پڑھونگا تو وہ بیجا کرتا ہے۔ اس طرح نماز کا بھی ستیا ناس کریگا۔ خلاصہ یہ کہ اس مرتبۂ خشوع کا اہتمام اُس کے لیے ہے جس سے اس کے باعث نہ تو کسی کا حق تلف ہو۔ نہ دین کا ضرر ہو اور نہ کسی کو دُنیا کا ضرر پہونچے۔ دین کے ضرر کی صورت یہ ہے کہ کوئی طالب علم ہے کہ رات کو تو خشوع پیدا کرتا ہے۔ مطالعہ دیکھا نہیں۔ صبح کو جب سبق پڑھنے بیٹھے تو کچھ سمجھ میں آتا نہیں۔ آخر بے دلی سی پڑھ پڑھ کر کتابیں تمام کیں۔ نہ کچھ آیا نہ گیا۔ علم دین ایسی ضروری چیز سے محروم رہے۔ بلکہ ناقص سے لوگوں کا مقتدا بنکر تباہ کرنا شروع کیا۔ دُنیا کا ضرر یہ کہ بال بچے جن کا نفقہ اُس کے ذمہ ہے اُس میں کوتاہی ہونے لگی۔ اسیطرح ترک اسباب ظاہری اگرچہ مستحب ہے لیکن اُسی کے لیے جس کی وجہ سے اہل و عیال کے حقوق کے ادا کرنے میں کمی نہ ہونے پاوے ورنہ نہیں۔ لیکن ہاں جسے کسی کی فکر نہ ہو اور وہ بھی اس مرتبہ کی تحصیل سے غافل ہے تو بڑا ظالم ہے۔ ایسے ہی شخص کے بارہ میں ہے ؎

ہر آنکو غافل از حق یکزمانست	دراں دم کافر است اما نہانست
حضوری گر ہمی خواہی از و غافل مشو حافظ	متی ما تلق من تھوی دع الدنیا و اھملھا
مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار	بگذارند و خم طرۂ یاری گیرند
جملہ اوراق و کتب در نار کن	سینہ را از نور حق گلزار کن
ستم ست اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن درا	تو ز غنچہ کم ندمیدۂ در دل کشا بچمن درا
آسمانہاست در ولایت جاں	کار فرمائے آسمان جہاں
در رہ رُوح پست و بالاہاست	کوہہائے بلند و صحراہاست
بر دل سالک ہزاراں غم بود	گر زباغ دل خلالی کم بود

بہتیرے لوگ ہیں کہ اُن کو خدا نے اطمینان دیا ہے۔ جائداد کی آمدنی چلی آرہی ہے۔ گھر سے باہر قدم نکالنا نہیں

پڑتا - پھر بھی دن رات فضول مضمون میں مبتلا رہتے ہیں - کہیں ذکر ہو رہا ہے کہ جاپان اور روس میں لڑائی ہو رہی ہے - کہیں جاپان کو ڈگری دلا رہے ہیں کہیں روس کو - فکر پڑی ہے کہ کیا ہونا چاہیئے - گویا ان کے سامنے روس وجاپان کا مقدمہ پیش ہوگا - اور فیصلے کی ان سے درخواست کی جائیگی - دن رات ایسی ہی لایعنی باتوں میں مصروف ہیں - یہ اطمینان رکھیں ان کے پاس یہ مقدمہ نہیں پیش ہونیکا - ہاں اپنے اندر کے روس وجاپان کی فکر کریں - اس کی بیشک اُن سے بازپرس ہوگی کہ تم نے قوتوں کو جا سے صرف کیا ہے یا بے جا - ایسے شخص کو تو چاہیئے تھا کہ حُبِ الٰہی میں غرق ہو کر اُن مقربین میں سے ہو جاتا جن کے ساتھ خصوصیت کے معاملات ہوتے ہیں - چنانچہ ایک بزرگ تھے اُنہوں نے پاؤں پھیلا دیے تھے اُن پر عتاب ہوا - مقربوں کے احکام ہی دوسری ہوجاتے ہیں جو باتیں عام لوگوں کو جائز ہوتی ہیں اُن کے لیے بے ادبی میں داخل ہیں ع مقربان را بیش بود حیرانی + اور گو اسمیں مشقت شدید ہے لیکن تو سمجھے حاصل اگر مشقت بھی اُٹھانا پڑے تو کیا ہے

ہر کجا یوسف رُخے باشد چو ماہ	جنت است آن گرچہ باشد قعر چاہ
چہ خوش وقتے و خرم روزگارے	کہ یارے برخورد از وصل یارے

حاصل یہ کہ ایک تو وہ تھا جو فارغ محض تھا - اور ایک وہ ہے جس کے متعلق اور بھی خدمتیں ہیں مثلاً عیال کا نان ونفقہ واجب ہے - درس تدریس میں مشغول ہے - وعظ ونصیحت سے لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے اُس کی طرف لوگوں کو حاجت ہے - ایسے شخص کو ایسا اہتمام خشوع کہ ہر وقت اسی میں رہے ناجائز ہے اُنکے ذمے خشوع واجب حاصل کرنا ہے - اُنپر واجب ہے کہ عبادت کے وقت خشوع خاص پیدا کرے - کیونکہ اسمیں کوئی حرج نہیں ہوتا - جبتک کسی عبادت میں مشغول ہے دنیا کا کوئی کام تو کر ہی نہیں سکتا - پھر فایدہ کیا ہوا کہ اس نے اپنا وقت مُفت پریشان کیا - اِس لیے یہ مرتبہ ہر شخص پر واجب ہے - اِس سے کوئی نقصان نہیں ہوسکتا خدا کا کیا ہی انتظام ہے کہ نہ ہر شخص کو صوفی مستغرق بنادیا - اور نہ غفلت کی اجازت عنایت ہوئی +

سارے وعظ کا خلاصہ یہ ہوا کہ پہلے تو مقدمہ بیان ہوا جس میں عوام وخواص سب ہی کی شکایت تھی کہ خشوع کیوں حاصل نہیں کرتے - اس کے بعد مقصود کا بیان ہوا - وہ تین چیزوں پر مشتمل ہے اول حقیقت - دوسرے فرضیت خشوع - تیسرے طریق خشوع - اس کے بعد خاتمہ مذکور ہوا جس میں درجات خشوع کا ذکر ہوا - اب خدا سے دعا کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ توفیق عنایت فرمائے خشوع سے بہرہ ور اور کامیاب بنائے - آمین ثم آمین + فقط

نبیؐ خود نور اور قرآں ملا نور — نہ ہو کیوں مل کے پھر نور علیٰ نور

وعظ ملقب بہ النُّور

اَیْنَ	مَتٰی	کَمْ	کَیْفَ	مَاذَا	لِمَ	مَنْ ضَبَطَ	اَلْمُسْتَمِعُوْنَ	اَشْتَاتٌ
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	بیٹھکر یا کھڑے ہوکر	کیا مضمون تھا	سبب وعظ	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۲۸ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ	۲ گھنٹے ۳۳ منٹ	بیٹھکر	آداب متعلقہ ذکر نبوی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	امسال عید میلاد النبی کا جابجا چرچا ہونا	سعید احمد تھانوی کان اللہ لہٗ	تقریباً ۱۵۰	ہر طبقے کے تھوڑے تھوڑے لوگ موجود تھے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولٰنا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

اما بعد فقد قال اللّٰہ تعالیٰ قد جاءکم من اللّٰہ نور وکتاب مبین ۞

یہ ایک مختصر سی آیت ہے اسمیں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی دو نعمتوں کا عطا فرمانا اور اُن دونوں نعمتوں پر اپنا احسان ظاہر فرمانا بیان فرمایا ہے - اِن دونوں نعمتوں میں ایک تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وجود باجود ہے اور دوسری نعمت قرآن مجید کا نزول ہے - ایک کو تو لفظ نور سے ذکر فرمایا ہے اور دوسرے کو کتاب کے عنوان سے ارشاد فرمایا ہے - اور یہ توجیہ اس آیت کی ایک تفسیر کی بنا پر ہے - یعنی جبکہ نور سے حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وجود باجود مراد لیا جاوے اور اگر دوسری تفسیر اختیار کیجاوے یعنی نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید ہی مراد لیا جاوے، تو توجیہ بدل جاوے گی اور اس صورت میں

عطف کتاب کا نور پر باوجود اتحاد ذات کے تغایر حیثیت وصفت کے اعتبار سے ہوگا کہ ایسی کتاب عطا فرمائی کہ اُسمیں ایک صفت نوریت کی ہے۔ اور دوسری صفت کتابیت کی ہے۔ اور اس توجیہ کی بنا پر بھی وہ تعداد نعمت فوت نہ ہوگا۔ یعنی وہ دو نعمتیں اب بھی رہیں گی۔ لیکن ایک پر دلالت مطابقی ہوگی اور دوسری پر دلالت التزامی۔ یعنی قرآن مجید پر تو دلالت مطابقی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور چونکہ قرآن مجید کا نزول حضورؐ پر ہُوا اور حضورؐ کی برکت سے ہم کو یہ نعمت عطا ہوئی اسلئے اسی کلام میں بطریق لزوم حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود باوجود پر بھی دلالت ہوگی۔ بہرحال دونوں بطریق مطابقت مذکور ہوں یا ایک بطریق مطابقت اور دوسری بطریق لزوم۔ مگر بہرحال ہیں اس آیت میں دو نعمتوں کا ذکر ہے۔ یہ حاصل ہے اس آیت کا۔ مگر قبل اس کے کہ اس کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ اس وقت اس کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہوئی۔ سو اوّل تو یہ سوال ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک ایسا نہیں کہ اس پر یہ سوال ہو سکے۔ مگر یہ سوال ہمارے کم سمجھ مدعیان محبت اخوان کی بدولت پیدا ہوا ہے اور وہ وہ لوگ ہیں جو آج کل ذکر مولد میں تخصیصات کے پابند ہیں۔ سو ان حضرات نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کو خاص خاص ازمنہ کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔ جیسے بعض مدعیان محبت حضرت حسین علیہ السلام نے ذکر حضرت حسینؓ کو محرم کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ ایسا ہی ان مدعیان محبت نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مبارک کو ربیع الاول کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور عجب نہیں کہ میرے اس وقت کے اس بیان سے کسی کے ذہن میں یہ بات آئی ہو کہ یہ بیان بھی شاید اسی وجہ سے ہو رہا ہے کہ یہ مہینہ اس بیان کا ہے۔ اور اُس کے ذہن میں آنے سے دو قسم کے لوگوں کو دو تعجب پیدا ہوئے ہوں۔ منہمکین فی التخصیصات کو تو یہ تعجب ہے کہ یہ لوگ تو اس تخصیص پر کلام کرتے ہیں پھر خود اس کا ارتکاب کرنے کی کیا وجہ۔ کیا ان لوگوں کے قول و فعل مطابق نہیں ہوتے۔ اور مانعین تخصیصات کو یہ تعجب کہ اس نے محققین کا مسلک کیوں چھوڑا۔ بہرحال چونکہ ایک خاص جماعت نے ذکر رسولؐ کو خاص کر دیا ہے۔ خاص اوقات کے ساتھ۔ اسی لئے اس وقت میرے اس بیان پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ ورنہ یہ سوال بالکل لایعنی تھا۔ اور یہ کسی مسلمان کے دل میں پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک ایسی چیز ہے کہ اُس کی نسبت یہ سوال ہو سکے کہ اس وقت اس ذکر کو کیوں اختیار کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک تو ایسی چیز ہے کہ ہر وقت ہر انسان کے رگ وپے میں ساری

اس بیان کو اس وقت اختیار کرنے کی وجہ

فضیلت ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہو بلکہ دوسرے اذکار بھی اسی ذکر کی طرف راجع ہو جایا کریں۔ اور اس کو ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے انسان ہر ذکر سے اُسی کا ذکر نکال لیتا ہے۔ اور ہر گفتگو کا خاتمہ اُسی کے تذکرہ اور یاد پر ہوتا ہے۔ حضرت حاجی^ف۱^ صاحب نور اللہ مرقدہ کو چونکہ محبت حق اور توحید میں کمال تھا۔ اور توجہ بحق غالب تھی۔ آپ ہر بات کو توحید کیطرف منعطف فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر بعض حکام مکہ کے تشددات کا تذکرہ شروع کیا کہ یوں ظلم کرتے ہیں۔ یوں پریشان کر رکھا ہے۔ مگر وہاں تو دل میں ایک ہی بسا ہوا تھا اور یہ حالت تھی کہ ؎

خلیل آسا در ملک یقین زن	نوائے لا احب الآفلین زن

اور یہ حالت تھی کہ ؎

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے	چہ کنم کہ چشم یک بیں^ف۲^ نہ کند بکس نگاہے

پس معاہی فرماتے ہیں کہ آج کل اسماء جلالیہ کا ظہور ہو رہا ہے۔ اور اس کے بعد خدا تعالےٰ کے اسماء جمالیہ و جلالیہ یعنی لطیفہ و قہریہ کی تحقیق ہونے لگی۔ اور اس اسماء^ف۳^ جمالیہ اور جلالیہ کے وہ معنی نہیں جن کو عاملین اسماء جلالیہ و جمالیہ کہتے ہیں اور جن میں اُن کے نزدیک گوشت چھوڑ دینا ضروری ہے وہ تو ایک مخترع اصطلاح ہے بلکہ مراد اسماء جلالیہ سے اسماء قہریہ اور اسماء جمالیہ سے اسماء لطیفہ ہیں۔ تو یہ سختی وغیرہ جو کچھ ہوتی ہے یہ اللہ تعالےٰ کے اسماء کا ظہور ہوتا ہے۔ اور اس میں خدا تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں۔ ظلم و ستم اگرچہ ہمارے افعال ہونے کی حیثیت سے اور ہمارے اعتبار سے معصیت ہے مگر اس کی تخلیق و تکوین میں بھی خدا تعالیٰ کے مصالح اور بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے اپنے اُستاد سے سُنا ہے کہ دُنیا میں چوری ہوتی ہے مگر اُس کا وجود بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اگرچہ یہ تو اعتقاد ہے کہ خدا کی حکمت نے چاہا کہ کوئی ایسا ہو اور کوئی ایسا ہو اور اُس فعل میں گناہ بھی ہوگا۔ بوجہ اُس کے اختیاری ہونے کے مگر یہ ایسا ہے جیسے گھر میں پاخانہ ہوتا ہے کہ وہ تمام قطعات سے ارذل ہے۔ لیکن مکان بغیر اُس کے ناتمام ہے۔ ایسا ہی عالم بدون کفر کے ناتمام ہے۔ ایک مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ بزرگوں کے برکات کا تو مقتضا یہ تھا کہ اُن کے مزارات پر خرافات نہ ہوئے کرتے۔ اُسی شب خواب میں یہ شعر وارد ہوا ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است	آتش کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد

ف۱ حضرت حاجی صاحب پر غلبۂ توحید کی کیفیت

ف۲ بیں

ف۳ تحقیق اسماء جلالیہ و جمالیہ

اسی طرح چوری کیسی بُری چیز ہے۔ مگر بہت سی حلال روزیاں اِس کی بدولت ہیں مثلاً لوہاروں سے عمدہ عمدہ قفل بنوائے جاتے ہیں۔ اور یہ اسی کی بدولت بڑھئی سے مضبوط کواڑ تیار کرائے جاتے ہیں۔ پاسبانوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں یہ سب اسی کی بدولت ہے تو اسمار جلالیہ کے ظہور کے یہ معنی ہیں۔ تو حضرت حاجی صاحب فرمانے لگے کہ آج کل اسمار جلالیہ کا ظہور ہو رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غیبت وغیرہ سب بھاگ گئی۔ تو جس کے دل میں کوئی چیز بسی ہوئی ہوتی ہے اُس کو ہر چیز میں اُسی کا ذکر یاد آتا ہے۔ جب ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کی محبت کا یہ اثر ہے تو جن لوگوں کو خدا اور رسولؐ کی محبت نصیب ہے اُن کا تو کیا ذکر ہے جو لوگ دنیا کی کسی عورت یا کسی امرد پر عاشق ہو جاتے ہیں اُن کو دیکھئے کہ ہر بات میں ہر تذکرہ میں اُن کو اُس کی یاد لگی رہتی ہے۔ ایک کنجوس کی حکایت ہے کہ اُس نے اپنے کسی دوست کو ایک مرغی دیدی تھی۔ اب جب کبھی کسی بات کا تذکرہ آتا اُس کو فوراً وہ مرغی یاد آتی کہ زید اُس دن گیا تھا جب ہم نے تم کو مُرغی دی تھی۔ فلاں واقعہ اُس دن ہوا تھا۔ جب ہم تم کو مُرغی دی تھی۔ غرض جو واقعہ ہوتا۔ اُس پر یہی ذکر۔ وہ مُرغی ہر واقعہ کا پتہ تبلانے میں اُس کے لئے ایسی ہو گئی جیسے ہندوستان کے لئے غدر۔ کہ غدر میں یوں ہوا تھا اور غدر میں ہماری عمر نو برس کی تھی۔ تو جیسے ہندوستان کے لئے غدر تاریخ ہو گئی ہے ایسے ہی اُس کے لئے مُرغی تاریخ ہو گئی۔ آخر اُس دوست نے تنگ آکر مرغی خرید کر اُس کے حوالہ کی کہ بھائی تو مُرغی لیلے اور اِس ذکر کو چھوڑ۔ تو جس چیز کا خیال بندھ جاتا ہے وہ ہر وقت یاد آتی ہے۔ پس جس کو خدا اور رسول سے محبّت ہو تو اگر ہر بات میں وہی یاد آویں تو کیا تعجب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی یہ حالت تھی کہ بات بات میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ آجاتا تھا۔ حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضؓ کی نسبت حدیث شریف میں ہے کہ کان وصّافاً لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آخر ہم کو دیکھئے کہ ہم مثلاً حاجی صاحبؒ کے سلسلہ میں ہیں تو ذرا سے بہانے سے اِس سلسلہ کے بزرگوں کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ اور پھر اُس کے قطع کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ محض محبّت کے سبب ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد	در بیابانِ غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود و انگشتان قلم	می نمودے بہر کس نامہ رقم

گفت اے مجنون شیدا چیست ایں	مے نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلے مے کنم	خاطر خود را تسلّی مے کنم

یعنی اگر مسمّےٰ میسر نہیں تو اسم ہی سہی ۔ حب نفسانی کیفیت کی یہ حالت ہے تو خدا تعالےٰ کی محبت کی کیا حالت ہوگی ؎

عشق مولےٰ کے کم از لیلےٰ بود	گوئی گشتن بہر او اولےٰ بود

کیا خدا کی محبت لیلےٰ کی محبت سے بھی کم ہے ۔ اُس کے واسطے تو بہانہ کافی ہے ۔ اسی طرح ف۱ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر شریف ہے کہ اُس کے واسطے کسی اہتمام کی کیا ضرورت ہے ، وہ تو ہر بات میں آجانا چاہیئے ۔ نیز اس کی بھی کیا ضرورت ہے کہ اگر بیان ہو تو صرف ولادت شریفہ اور معجزات ہی کا بیان ہو ۔ آپ کی تو ہر ہر بات ذکر کے قابل ہے نشست و برخاست ۔ اخلاق و عادات ۔ مجاہدات و ریاضات ۔ افعال و احکام ۔ اوامر و نواہی ۔ مگر بات یہ ہے کہ انسان کا نفس راحت طلب ہے ۔ جس بات میں کچھ کرنا پڑتا ہے اُس سے جان چُراتا ہے ۔ تو ہر ہر بات کے تذکرہ میں چونکہ احکام پر بھی عمل کرنا پڑتا اس لئے اس کو بالکل ترک کردیا ۔ کانپور میں مجھ سے ایک شخص کہنے لگے کہ لوگوں نے مولود شریف کے مٹانے کا ایک اور بھی طریقہ ایجاد کیا ہے کہ اُس میں نماز روزہ وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ اللہ اکبر بتلایئے کہ جو لوگ نماز وغیرہ کے تذکرہ کو حضورؐ کے ذکر کا مٹانا کہیں کیا وہ محب رسولؐ ہیں ؟ صاحبو یہ سب امور بھی تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ذکر ہیں ۔ حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب علیہ الرحمۃ سے مولود کی بابت پوچھا گیا ۔ فرمایا کہ میاں ہم تو ہر وقت ذکر مولد کرتے ہیں ۔ کیونکہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں ۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کیوں پڑھتے ۔ غرض آپ کا ذکر تو ہر وقت ہی ہونا چاہیئے ۔ پھر آپ کی ہر ادا کا ذکر ہونا چاہیئے ۔ حتیٰ کہ آپ ف۲ کے غصہ اور خفگی کا بھی ذکر ہونا چاہیئے ۔ محبوب کی تو خفگی اور تیزی بھی محبوب ہوتی ہے ۔ کسی نے کہا ہے ؎

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ	ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

محبت وہ چیز ہے کہ واللہ العظیم اگر حضور کے غصہ اور عتاب کا بھی ذکر ہو تو مزے لیکر ذکر کریں صحابۂ کرامؓ نے اِس راز کو سمجھا تھا اور محبت کی یہ دولت اُن حضرات کو نصیب تھی ۔ حضرت ف۳ ابوذر غفاریؓ اکثر آزادی سے پوچھتے تھے ۔ اور اِن کے مزاج میں تحقیق کا مادہ زیادہ تھا ۔ اور وہ ذرا آزاد

ف۱ ذکر ولادت و دیگر حالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضروری ہیں ۔

ف۲ حضور کے غصہ و رضا کا ذکر بھی مثل دیگر حالات کے ضروری ہے ۔

ف۳ حضرت ابوذر کی محبت کی حکایت

تھے - لیکن یہ اُن کا حال تھا - اُن پر اِس سے ملامت بھی نہیں ہو سکتی - مولانا فرماتے ہیں ؎

گفتگوئے عاشقاں در کارِ رب	جوششِ عشق است نے ترکِ ادب
بے ادب ترنیست زوکس در جہاں	باادب ترنیست زوکس در جہاں

باادب تو اِس لیے کہ جان و مال سے حاضر ہے - اور بے ادب اِس معنی کر کہ اُس کے الفاظ ذرا بے ٹھکانے ہوتے ہیں - غرض حضرت ابوذر غفاریؓ ایک حدیث کے متعلق بار بار دریافت کر رہے تھے تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری بار میں فرمایا کہ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ - یعنی تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے مگر اسی طرح ہو گا - حدیث یہ تھی کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ لیگا وہ جنت میں داخل ہو جاویگا - اور حضرت ابوذرؓ کو اسلیے تعجب ہوا کہ اُنہوں نے نفس ایمان لانے پر دخول اولی کو مرتب سمجھا تو حضرت ابوذر غفاریؓ کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی اس حدیث کو ذکر کرتے تھے وہیں پیار میں آکر مزے لینے کو یہ بھی کہتے تھے کہ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ - حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید حج کو گئے اُنہوں نے فرمایا کہ جب مدینہ جاؤ تو روضۂ اقدس پر میرا بھی سلام عرض کرنا - چنانچہ اُنہوں نے عرض کیا - وہاں سے ارشاد ہوا کہ اپنے بدعتی پیر سے ہمارا بھی سلام کہنا - بدعتی اس لئے فرمایا کہ اُن سے بعض باتیں بصورت بدعت صادر ہوتی تھیں - اگرچہ واقع میں وہ بدعت نہ تھی - یعنی کسی معذوری کی وجہ سے اُن سے بعض افعال ظاہر سنت کے خلاف صادر ہو جاتے تھے - تو یہ جب واپس آئے تو حضرت شاہ ابو المعالی صاحبؒ نے پوچھا کہ ہمارا سلام بھی کہا تھا - اُنہوں نے عرض کر دیا کہ میں نے عرض کر دیا تھا - حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے پیر سے ہمارا سلام کہہ دینا - حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ وہی لفظ کہو جو وہاں سے ارشاد ہوا ہے - مرید نے عرض کیا کہ حضرت جب آپ کو وہ لفظ معلوم ہے تو پھر میرے ہی کہنے کی کیا ضرورت ہے - نیز میں وہ لفظ کیسے عرض کروں آپ نے فرمایا کہ گو معلوم ہے مگر سننے میں اور ہی مزا ہے اور میاں تم خود تو نہیں کہتے وہ تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے - تو گویا وہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی زبان سے ادا ہوگا آخر اُنہوں نے وہی لفظ ادا کر دیا - بس اُن کی یہ حالت ہوئی کہ وجد میں کھڑے ہو گئے - اور بے ساختہ یہ شعر زبان پر جاری تھا کہ ؎

حضرت شاہ ابو المعالی کے مرید کی حکایت

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی	جوابِ تلخ مے زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

وجد کرتے تھے اور اس شعر کو پڑھتے تھے - خلاصہ یہ ہے کہ محبّت وہ چیز ہے - جس کے آثار کی نسبت میں نے پہلے کہا ہے ؎

تم کو آتا ہے پیار پر غصّہ		ہم کو غصّہ پہ پیار آتا ہے -

اسی لیے اگر حضور ناخوش بھی ہوتے تھے تو صحابۂ کرام اُس کا بھی ذکر لذت سے کر فرماتے تھے کیوں ؟ اسلیے کہ از محبّت تلخہا شیریں بود - تو اگر کسی کو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہو تو کیا وہ ذکر مولد میں نماز و روزہ کے ذکر کو ناگوار سمجھے گا - ہرگز نہیں - صاحبو حضورؐ کا تو اُٹھنا - بیٹھنا - سونا - جاگنا حتی کہ حوائج ضروریہ میں مشغول ہونا سب عبادت ہے - بلکہ ذکر ولادت سے بھی زیادہ برکت کی چیز ہے - یہ احکام اور افعال کا ذکر کرنا اسواسطے کہ حضور کی ولادت شریفہ تو محض ایک ہی حیثیت سے ایک نعمت عظیمہ ہے - جس پر شکر کر کے ہم اپنے درجات بڑھالیں اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال و احکام دو حیثیتوں سے نعمت ہیں - ایک تو یہ کہ یہ آپ کی بدولت ہم کو ملے تو اس عطا پر شکر کریں اور اپنے درجات بڑھا دیں - دوسرے اس حیثیت سے کہ ہم اُن پر عمل کریں - اور عمل کر کے قربِ الٰہی حاصل کریں - نیز تمام شریعت سے غرض یہی ہے کہ ہم اُسپر عمل کریں اور قرب خداوندی ہمکو حاصل ہو - اور یہی وجہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تمام عمر میں اپنی ولادت شریفہ کا ذکر تو بہت ہی کم کیا - اور احکام کا ذکر بہت زیادہ کیا - یعنی نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے تیئیس سال تک تبلیغ احکام فرمائی ہے - ان تیئیس سال میں سے - اگر وہ تین سال بھی نکال دیے جاویں - جن میں وحی مؤخر رہی ہے تو تمام مدّت تبلیغ بیس سال ہوتے ہیں - ان بیس برس میں تتبع کر کے دیکھا جاوے تو معلوم ہو گا کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ولادت شریفہ کا جتنے وقت میں ذکر فرمایا ہے - اُسکی مجموعی مدّت غالباً ایک ہفتہ بھی نہیں ہو گا - اور اگر ایک ہفتہ بھی مان لیا جاوے تو ذکر ولادت اور ذکر احکام میں یہ نسبت ہو گی کہ ایک ہفتہ کم بیس سال تک تو احکام کی تبلیغ فرمائی اور صرف ایک ہفتہ ولادت شریفہ کا ذکر فرمایا - تو کیا اتباع سنت کے یہی معنی ہیں کہ جس چیز کو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس برس تک ذکر فرمایا ہے - اُس کو تو بیس منٹ بھی کبھی ذکر نہ کیا جاوے - اور جس کا ذکر تمام مدّت تبلیغ میں چند مرتبہ ہی فرمایا ہے اُسکو عمر بھر ذکر کیا جاوے - اتباع سنّت تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مدّت العمر میں جس قدر اپنی ولادت شریفہ کا ذکر فرمایا ہے اُسی قدر تم بھی ذکر ولادت کرو - اور جتنا احکام کا ذکر فرمایا ہے - اُسی قدر تم بھی احکام کا ذکر کرو - مگر بات یہ ہے کہ ذکر ولادت میں تو آسانی ہے کہ

ف ۱ عدم ناگواری ذکر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ

ف ۲ افضلیت ذکر افعال و احکام بر ذکر ولادت

ف ۳ حضور کا ولادت کا ذکر بیس برس میں ایک ہفتہ

زبان سے ذکر کرلیا۔ اور اُسمیں کھڑے ہوگئے۔ اور اگر کسی متبع سُنت نے اِسمیں احتیاط سے کام لیا تو اُس پر ملامت کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ کہیں اُسکو وہابی کہنا شروع کردیا۔ کہیں تکفیر کردی۔ میں کھڑے ہونے کو فی نفسہ منع نہیں کرتا۔ لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ اِس کی حقیقت کیا ہے۔ اِس کی حقیقت ف۱ یہ ہے کہ ایک وجد ہے اور وجد ہوتا ہے واردات پر تو بغیر کسی وارد کے وجد کی صورت بنانا نہایت درجہ تصنع ہے۔ محققین ف۲ نے یہانتک احتیاط کی ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ کی مجلس میں ایک شخص کے مُنہ سے باواز بلند لفظ اللہ نکل گیا آپنے فرمایا کہ آہستہ کہو۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے پھر اُسی طرح کہا اللہ آپ نے فرمایا کہ اسکو مجلس سے اُٹھا دو کیونکہ آپ کو معلوم ہوگیا تھا کہ یہ شخص بدون مغلوبیت کہہ رہا ہے۔ حضرت جنید رح کی مجلس میں ایک خوش آواز نے ایک شعر پڑھ دیا اُس کو سُنکر ایک صوفی کو وجد شروع ہوا۔ لیکن جنید رح اسیطرح بیٹھے رہے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت آپ کو وجد نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ وتری الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب میاں تم سمجھتے ہو کہ ہم کو حرکت نہیں ہوئی۔ حالانکہ ہم خدا جانے کہاں سے کہاں پہونچگئے ہیں۔ مگر وہ حرکت تم کو محسوس نہیں ہوتی۔ اور یہ کیا ضرور ہے کہ اگر کوئی وارد ہو تو اُسکو ظاہر ہی کر دیا جاوے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے ایکبار وعظ بیان فرمایا۔ بعضوں نے متاثر ہو کر کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اسیوقت وحی نازل ہوئی کہ ان سے فرما دیجئے کہ دلوں کو پھاڑو۔ کپڑے پھاڑنے سے کیا ہوتا ہے۔ مگر اس سے سب کپڑے پھاڑنے والوں پر اعتراض مقصود نہیں۔ اس کا بھی ایک درجہ ہے حضرت شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

مکن عیب درویش حیران و مست	کہ غرق است ازاں می زند پا و دست
بہ تسلیم سر در گریباں برند	چو طاقت نماند گریباں درند

کہ جب بالکل از خود رفتہ ہو جاتے ہیں تو کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں۔ اب یہ تھوڑا ہی جائز ہوگا کہ خواہ مخواہ کپڑے پھاڑنے شروع کردے۔ جیسے کانپور میں ایک صاحب نے کسی کے مکان پر مولد پڑھا۔ آپ کے پاس کُرتہ پرانا تھا جی چاہا کہ نذرانہ کے ساتھ صاحب خانہ سے ایک کُرتہ بھی وصول کریں۔ آپ نے بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر پہونچکر نہایت زور سے ایک وجد کی حالت پیدا کی اور کُرتہ پھاڑ ڈالا۔ آخر صاحب خانہ نے نذرانہ بھی دیا اور شرم کے مارے ایک نیا کُرتہ بھی بنوا دیا اب تبلایئے کہ ہم اب بھی ف۳ اگر منع نہ کریں تو کیا کریں ؎

ف ۱ [illegible] وجد کی حقیقت
ف ۲ محققین کی نفس سے [illegible] احتیاط
ف ۳ تمام مجالس مولود وغیرہ میں [illegible] کپڑے پھاڑنا [illegible] ہے

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است	اگر خاموش بنشینم گناہ است

ایسے ہی لوگوں کی حالت دیکھ کر ہماری زبان کھلتی ہے اور ہم کو مجبور ہو کر منع کرنا پڑتا ہے۔ بعض خیرخواہ کہتے ہیں کہ اس میں گفتگو کرنے سے عوام میں بدنامی ہوتی ہے۔ مگر آخر کب تک بدنامی کے خوف سے خاموش رہیں گے۔ خاموشی ہی کی بدولت تو یہ منکرات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اہل حق کا ملامت و بدنامی کے باب میں یہ مذہب ہونا چاہیئے کہ ؎

ساقیا برخیز و در دہ جام را	خاک بر سر کن غم ایام را
گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں	ما نمی خواہیم ننگ و نام را

حضرت بایزید بسطامیؒ بدنامی سے نہ ڈرے۔ حضرت منصورؒ نہ ڈرے۔ اور بضرورت غلبۂ حال کیا کیا کہا مگر بعض نے اُنکے اقوال کی تاویل کی تو علماء جو بضرورت غلبۂ اصلاح شریعت کے موافق کہتے ہیں اُنپر کیوں ملامت ہوتی ہے اور اُنکے قول کو قبول کیوں نہیں کرتے۔ غرض ہم ف ۱ نفس قیام کو منع نہیں کرتے۔ مگر قیام حرکت وجدیہ ہے اور یہ وارد پر ہوتی ہے۔ تو اگر کوئی شخص وارد کے غلبہ سے مضطر ہو جاوے تو اُسکو جائز ہے مگر یہ یاد رہے کہ وہ اضطرار کسی خاص مضمون کے ساتھ مخصوص ہو گا۔ اور ابتدا ف ۲ اسکی اسطرح ہوتی ہے کہ ایک شخص مضطر ہو کر کھڑا ہو گیا اُس کی حالت کی تائید میں اور اُس حالت مستحسنہ کو باقی رکھنے کے واسطے حاضرین مجلس بھی کھڑے ہو گئے۔ اور اس کو علامہ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اگر ایک شخص وجد سے کھڑا ہو جاوے تو اُسکے ساتھ سب کو کھڑا ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ اُس کی تائید میں اور اُسکی حالت کا ابقار ہے۔ علی ہذا حضرت شیخ گنگوہیؒ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو کوئی کیفیت ہو وہ کیفیت خدا تعالیٰ کا مہمان ہے۔ اُسکی قدر کرو۔ اور اُسکی قدر میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرو کہ جس سے اُسکا دل بجھ جاوے اور وہ کیفیت جاتی رہے۔ غرض صوفیہ نے اُسکی حالت کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ لیکن مجلس بھر میں اول جو شخص کھڑا ہو گا اُسکو ہرگز جائز نہیں کہ وہ مکر کرے۔ ف ۳ میں شاہجہانپور میں ایک صوفی سے ملا ہوں کہ وہ سماع سُنتے تھے مگر مکار و متصنع نہ تھے۔ اور اُن میں یہ بات نہایت غنیمت تھی کہ وہ مسائل کو علماء سے پوچھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ سماع سُنتے تھے کہ مجلس میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر چٹکیاں بجانی شروع کر دیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر اُٹھا اور پھر چٹکیاں بجانی شروع کر دیں۔ اُنہوں نے پھر بٹھلا دیا۔ تیسری مرتبہ وہ پھر اُٹھا تو اُنہوں نے مجلس سے نکلوا دیا۔ غرض محققین صوفیہ اسکا بہت خیال کرتے تھے۔ ف ۴ غرض قیام کی ابتدا یوں ہوئی کہ اول کسی کو وجد ہوا۔ پھر بلا وجد ہی اس کو رسم کر لیا۔ اور ہم اس رسم ہی کو منع کرتے ہیں۔ حالت کو منع نہیں کرتے۔ کیونکہ حالت تو غیر اختیاری ہے اُسکو

کیونکر منع کیا جاسکتا ہے۔ شیخ شیرازیؒ اسی کو کہتے ہیں ؎

مکن عیب درویش حیران و مست ۔۔۔ کہ غرق است ازاں میزند پا و دست

ایسے شخص پر کون اعتراض کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ مگر ایسے کتنے ہیں۔ آپ سو پچاس مولودیوں کو دیکھئے تو وہاں ایک بھی ایسا نہ ملیگا۔ اور اگر ہونگے بھی تو بمشکل ایک دو۔ باقی سب خشک۔ اور میں توسع کر کے کہتا ہوں کہ اگر یہ فعل صرف رسم کے مرتبہ میں رہتا تب بھی خیر ممکن تھا کہ اسپر خاموشی کیجاتی۔ مگر اب تو یہ غضب ہے، کہ اس کا اعتقاد بھی خراب ہونے لگا ہے یعنی بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ خود حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ حالانکہ اسپر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ اور اگر دلیل میں کسی کا کشف پیش کیا جاوے تو اول تو ممکن ہے کہ کشف صحیح نہ ہو۔ دوسرے اگر کشف صحیح بھی ہو تو اسکا خلاصہ یہ ہوگا کہ کسی مجلس خاص میں کسی صاحب کشف کو ایسا مکشوف ہوا تو اس سے دوام پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ جب ایسا ہوگا تو ایسا بھی ہوگا۔ یعنی جب مولد ہوگا تشریف آوری بھی ضرور ہوگی۔ لزوم اور دوام کیلئے تو کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے (واذ لیس فلیس) تو یہ اعتقاد بے بنیاد اور خلاف شریعت ہوا تو اسکی اصلاح واجب ہوئی اور بعض لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف تو نہیں لاتے۔ لیکن اس ذکر کیوقت جو شخص قیام نہ کرے وہ بے ادب ہے۔ لہذا قیام کرنا چاہیئے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے۔ صحابہ ارشاد فرماتے ہیں کہ کُنَّا لَا نَقُوْمُ لَهٗ لِمَا كُنَّا نَعْرِفُ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لَهٗ صلے اللہ علیہ وسلم تو کیا کوئی شخص ایسی جرأت کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام کو گستاخ کہے (نعوذ باللہ) جب خود مذکور کے قرب کے وقت ترک قیام بالاذن بے ادبی نہیں تو ذکر شریف کیوقت وہ خلاف ادب کیسے ہوگا۔ نیز اگر حضور کے ذکر مبارک پر قیام نہ کرنا ترک ادب ہے تو میں دعوی کرتا ہوں کہ جتنے مثبتین قیام و مدعیان محبت ہیں سب کے سب بے ادب ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ صرف اسی مجلس خاص میں حضور کے ذکر پر قیام کرتے ہیں اور دوسرے موقع پر جو آپکا ذکر مبارک ہوتا ہے جیسے مثلاً اب میں ذکر کر رہا ہوں تو ان میں سے ایک بھی قیام نہیں کرتا۔ غرض لوگوں نے اسمیں یہ غلو کر لیا ہے۔ اسلیئے اسکی اصلاح ضروری ہے۔ یہ تحقیق تھی قیام کی۔ باقی ذکر ولادت شریفہ کی نسبت میں عرض کر چکا ہوں کہ جب ذکر ولادت شریفہ سے زیادہ ذکر احکام موجب برکت ہے تو ان کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ صاحبو یہ سب ذکر رسول ہی ہیں ؎

ہرچہ بینم درجہاں غیر تو نیست ۔۔۔ یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

ایک شاعر نے کہا ہے ؎

گلستاں میں جاکر ہر گل کو دیکھا ۔۔۔ نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

مگر اس میں ایک صاحبِ حال نے اصلاح دی ہے کہ ؎

گلستاں میں جاکر ہر ایک گل کو دیکھا	تری ہی سی رنگت تری ہی سی بُو ہے

مُصلح کا مطلب یہ ہے کہ شاعر تو نابینا تھا اُسکو نظر نہ آیا۔ حالانکہ وہاں ہر ایک سے تیرا ہی جلوہ نظر آرہا ہے۔ اسی کو فارسی میں کہا ہے ؎

ہرچہ بینم در جہاں غیر تو نیست	یا توئی یا خوئی تو یا بوئی تو

تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے تو جیسا ذکر ولادت آپکا ذکر ہے ایسا ہی لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً بھی آپ کا ذکر ہے اور قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم بھی آپ ہی کا ذکر ہے اور اقیموا الصلوۃ واٰتوا الزکوۃ بھی آپ ہی کا ذکر ہے۔ مگر بات یہ ہے ف۱ کہ ایک جگہ تو کرنیکا کام ہے وہ نفس پر گراں گزرتا ہے اور دوسری جگہ کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ اور چلتے وقت نذرانہ ملتا ہے۔ اور بہت سا مٹھائی کا حصہ ملجاتا ہے۔ صاحبو ف۲ یہ محبت تو ایسی ہے جیسے سفر میں ایک شخص کی رفاقت تھی کہ اُسکے رفیق نے کھانا تیار کرنے کی نسبت جب کسی کام کو کہا تو اُسنے کوئی نہ کوئی عذر کر دیا۔ سب سے اخیر میں جب کھانا تیار ہو چکا تو اُسکے ساتھی نے کہا کہ یہاں آؤ کھانا تو کھالو۔ کہنے لگا کہ مجھے انکار کرتے ہوئے بہت دیر ہو گئی ہے۔ اب ہر بات میں انکار کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تم کہو گے کہ سخت نافرمان آدمی ہے کہ کسی بات کو بھی نہیں مانتا لاؤ خیر کھانا تو کھا ہی لوں۔ بس جیسی یہ رفاقت تھی کہ مشقت میں عذر اور حظ نفس میں موافقت ایسی ہی یہ محبت ہے کہ مشقت کی چیزوں کا تو ذکر نہیں اور جسمیں نفس کی خوشی تھی اُسمیں سرخرو ہو گئے۔ تو جناب اگر محبت رسول اسکا نام ہے تو ایسی محبت کو سلام ہے۔ محبت ف۳ تو یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں کسی مقام پر تشریف لیگئے وہاں جاکر دیکھا کہ ایک مکان قبہ دار گچ سے بنا ہوا ہے آپنے دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کا ہے۔ آپ سُنکر خاموش ہو رہے۔ دوسرے وقت جب اُس گھر کے مالک حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری طرف رُخ پھیر لیا۔ وہ دوسری طرف سے حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا تو آپ نے اُدھر سے بھی رُخ پھیر لیا۔ آخر اُنہوں نے دوسرے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ آج کیا بات ہوئی۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اور تو کچھ ہم کو معلوم نہیں اتنا معلوم ہے کہ آج حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے مکان کو دیکھا تھا اُسوقت سے خاموش ہیں۔ گو صحابہؓ کا گمان ہی تھا۔ مگر ان بزرگ عاشق نے صرف گمان ہی پر اتنا سُنتے ہی فوراً جاکر بام مکان کو گروا دیا گویا بزبان حال یہ کہتے تھے ؎

ہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں — ہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

اور یہ کہتے تھے ؎

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است — گر شکر خواری ست آں جاں کندن ست

اور عجیب تر لطف اُس محبت کا یہ دیکھیے کہ اُسکو گرا کر جتلایا تک نہیں - اور کیوں جتلائیں - اگر مکان گرادیا تو آپ پر کیا احسان کیا - آخر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ خود ہی اُسطرف تشریف لے گئے اور وہاں مکان نہیں پایا - اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ مکان کیا ہوا - اور صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور فلاں شخص نے اُسی روز اُسکو گرادیا تھا - تب آپ کو خبر ہوئی - اور اُسوقت آپنے تعمیر کے تکلفات کی مذمت بیان فرمائی - حضرت محبت تو یہ ہے کہ انسان اپنے مال اور جان سب کو فدا کر دے نہ یہ کہ خالی مزہ دار حکایات بیان کرے اور بس - اب ربیع الاول کا مہینہ ہے - اِسمیں بہت جگہ مولود ہوا ہوگا ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم نے اپنے حظ کو تو محفوظ رکھا - لیکن حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلام پر جو اسوقت سخت مصیبت آرہی ہے - اور وہ ڈانوا ڈول ہو رہا ہے - اُسکی تم نے کیا مدد کی - اُسکو کیا سہارا پہنچایا افسوس ہے کہ امسال بجائے اِس مہم امداد اِسلام کے بعض مقامات پر محض عید میلاد النبی کے منانے کو مٹھائی کیواسطے چھ سو روپیہ کا چندہ ہوا - ایک وہ مسلمان ہیں کہ اِسلام کیخدمت میں اپنی گردنیں کٹا رہے ہیں اور ایک یہ ہیں کہ ان کو مٹھائی کھانے کی سوجھ رہی ہو - ہماری وہ حالت ہے کہ ؎

اے ترا خاری بہ پا نشکستہ کے دانی کہ چیست — حال شیرانی کہ شمشیر بلا بر سر خورند

اِس بے حسی اور بے تمیزی کی حالت کو دیکھ کر کسی نے پریشان ہو کر کہہ دیا ہے کہ ؎

اے بسرا پردہ یثرب بخواب — خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

پھر غضب یہ کہ اُس چھ سو روپیہ کو مٹھائی میں بھی صرف نہیں کیا بلکہ اُس سے مسجد کو سجایا گیا جس میں بیان تھا - اور سجایا بھی ہندوئوں کی طرز پر - اُسمیں ایک چھتر بنایا گیا جھالر لٹکائے گئے - بہرحال اُس مسجد کو ایسا بنایا جیسا معلوم ہو کہ کسی ہندو نے اپنے گھر کو سجایا ہے - کیا اسکو محبت کہینگے - ہاں محبت تو ہے مگر اپنے ہی نفس کی - اُن سے قسم دیکر پوچھا جاوے کہ اگر اِسوقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوتے - اور آپ سے دریافت کیا جاتا کہ یہ چھ سو روپیہ ہم مٹھائی میں صرف کردیں یا آپ کے جانبازوں پر لگادیں تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ رائے دیتے کہ مٹھائی میں صرف کردو - صاحبو کیا کسی دردمند کو ایسے وقت میں مٹھائی کا کھانا بھلا معلوم ہو سکتا ہے - ہائے کس مُنہ سے ایسی حالت میں بھی لوگوں سے مٹھائی کھائی جاتی ہوگی - کیسی بے حسی ہے - کتنا بڑا ظلم ہو - اور پھر غضب یہ ہے کہ یہ لوگ دعویٰ محبت

کرتے ہیں۔ کیوں صاحب آپ نے تو مولود شریف کیا۔ اور ترکوں نے اپنی جان لڑائی تو کون شخص محب رسولؐ ہوا
آپ نے ساری محبت کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ سال بھر میں ایک دفعہ مولود کرلیا۔ صاحبو ہمارے جی کو تو یہ
محبت نہیں لگتی۔ بلکہ واقع میں اُن کے جی کو بھی نہیں لگتی مگر رسم اور اہل حق کی ضد نے مجبور کر رکھا ہے

اہل بدعت کو اہل حق کی ضد نے مجبور کر رکھا ہے۔

حتیٰ کہ ایک صاحب نے ایک اہل حق کی نسبت یہ کہا تھا کہ میں اُن کا اس قدر مخالف ہوں کہ اگر یہ کسی چیز کو
حلال کہینگے تو میں اُسکو حرام کہونگا۔ اور بالعکس اُن اہل حق نے جواب میں کہا کہ میں تو ماں سے نکاح
کرنے کو حرام کہتا ہوں اب آپ اُسکو حلال کہئے۔ اور میں تو کلمہ شہادت کو حلال کہتا ہوں آپ حرام کہیے
وہ مدعی صاحب تو دم بخود رہ گئے۔ مگر چند روز کے بعد اُنکے ایک شاگرد صاحب پیدا ہوئے کہ میرے
اُستاد کے قول کا مطلب ہی نہیں سمجھے تھے۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ اپنی طرف سے جسکو حلال یا حرام
کہینگے۔ سبحان اللہ کون مسلمان ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کہدیگا۔ علی ہذا ایک

اہل حق سے ایک ضد کرنیوالے کی حکایت

اور قصہ ضد کا مجھے یاد آیا کہ دہلی میں ایک شخص نے حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کی بھی دعوت کی
اور بعض اُن کے مخالفین کی بھی۔ اور ہر ایک کو دوسرے کی خبر نہیں ہونے دی۔ جب سب
جمع ہو گئے اور کھانا سامنے آیا تو میزبان نے کہا کہ صاحب یہ شیخ سدو کا بکرا میں نے پکایا ہے
اب جس کا جی چاہے کھائے اور جسکا جی چاہے نہ کھائے۔ شاہ اسحٰق صاحبؒ تو شیخ سدو کے بکرے
کو حرام فرماتے تھے اُنہوں نے ہاتھ کھینچ لیا اور اُن کے ساتھ اُن کے مخالفین نے بھی ہاتھ کھینچ
لیا۔ صاحب خانہ نے اُن سے پوچھا کہ آپ تو اسکو جائز کہتے ہیں آپنے کیوں ہاتھ روکا۔ کہنے لگے
کہ بھائی ہے تو حرام ہی مگر ان کی ضد میں اسکو حلال کہدیتے ہیں۔ لیکن یہ بھی اُسی زمانہ کے لوگ
تھے۔ آج تو ہرگز بھی اسکا اقرار نہ کریں بلکہ حرام بھی کھا جائیں۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں

بعض لوگ مجلس ولادت مروج کو باعث برکت جانتے ہیں

کہ اُنکو ضد نہیں ہے مگر وہ اسلیئے مولود کرتے ہیں کہ سال بھر تک برکت رہیگی۔ رشوت لینگے تو اُسکا وبال
نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ رنڈیاں تک مولود کراتی ہیں۔ جن کو کچھ بھی مناسبت دینی اعمال سے نہیں ہے۔ اور
بعض لوگ محض اسلیئے مولود کراتے ہیں کہ اس کی بدولت کسی تقریب میں رونق ہو جاویگی۔ چنانچہ
کانپور میں ایک صاحب نے اپنے لڑکے کی شادی کی اور اُسمیں ناچ کرانا چاہا۔ لیکن چونکہ بعض احباب
اُنکے ایسے بھی تھے کہ وہ ناچ میں شریک ہونا پسند نہ کرتے اس ضرورت سے رونق مجلس پوری کرنے
کو اُنہوں نے مولود بھی کرایا۔ چنانچہ پہلے مولود ہوا اور اگلے دن اُسی جگہ رنڈی کا ناچ ہوا۔ انتہا یہ ہے

بعض لوگ رونق تقریب کے لیے مولود کراتے ہیں

کہ جب یہاں تک نوبت پہونچ جائے تو کیونکر خاموشی اختیار کی جاسکتی ہے۔ غرض محبت کی علامت
میں نے بتلادی کہ محبوب کی ہر بات کا ذکر ہو۔ ولادت شریفہ کا بھی۔ رضاعت کا بھی۔ آپ کی سخاوت

کا - عادات کا - عبادات کا - اور اسمیں نہ کسی مہینہ کی تخصیص ہے نہ کسی مقام کی - پس میں بھی اسوقت ربیع الاوّل کی تخصیص سے یہ ذکر نہیں کر رہا ہوں - گو اگر یہ تخصیص رسم لازم کے درجہ میں نہ پہونچتی تو اِس تخصیص عملی کا بھی مضائقہ نہیں تھا لیکن اب تو اِس عارض لزوم علمی یا عملی کیوجہ سے اِسکو اصلا پسند نہیں کرتا - یعنی ایسے شخص کے لیے بھی پسند نہیں کرتا جو معتقد لزوم کا نہ ہو کیونکہ یہ خود اِسکے لیے یا کسی دوسرے کیلئے اُس لزوم تک مفضی ہو جاویگا - اور اِس ناپسندیدگی اور ممانعت کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی طبیب مریض کو دو تولہ مصری کی بھی اجازت اِس اندیشہ سے نہیں دیتا کہ مبادا یہ بجائے دو تولہ کے چار تولہ استعمال کرے - اور پھر تکلیف اُٹھائے - غرض ف ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ بلا تخصیص لازم کے اِس ماہ میں بھی جائز ہے - لیکن اجازت نہ دیجاویگی - کیونکہ مطلقاً اجازت دینے سے آیندہ پھر اعتقاد کے خراب ہونیکا اندیشہ ہے - بس یہ ہے ہمارا مسلک - اب اِسکے سُن لینے کے بعد ہم پر جس کا جوجی چاہے تہمت لگائے - غرض اِسوقت ذکر کی یہ وجہ نہیں ہے کہ تخصیص زمانہ کی مقصود ہے - بلکہ دو وجہ ہیں ایک یہ [عـ۵] کہ اس وقت مختلف اطراف سے طاعون کی خبریں آرہی ہیں - طاعون ف کا ایک متبرک علاج منجملہ اور علاجوں کے ذکر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی ہے - اور یہ علاج تجربہ میں آیا ہے - یعنی میں نے ایک کتاب **نشر الطیب** لکھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں - اُسکے لکھنے کے زمانہ میں خود اِس قصبہ میں طاعون تھا - تو مَیں نے یہ تجربہ کیا کہ جس روز اُس کا کوئی حصّہ لکھا جاتا تھا - اُس روز کوئی حادثہ نہیں سُنا جاتا تھا - اور جس روز وہ ناغہ ہو جاتی تھی - اُس روز دو چار اموات سُننے میں آتی تھیں - ابتدا میں تو مَیں نے اُسکو اتفاق پر محمول کیا - لیکن جب کئی مرتبہ ایسا ہُوا تو مجھے خیال ہُوا کہ یہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مبارک کی برکت ہے - آخر مَیں نے یہ التزام کیا کہ روزانہ کچھ حصّہ اُسکا ضرور لکھ لیتا تھا - آج کل بھی لوگوں نے مجھے طاعون ہونے کے متعلق اطراف و جوانب سے لکھا ہے تو میں نے اُن کو بھی کو جواب میں یہی لکھا ہے کہ نشر الطیب پڑھا کرو - مگر اُسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجلس منعقد کی جاوے اور اُس میں مٹھائی منگائی جاوے - اور ایک شخص بیٹھ کر پڑھے اور سب سُنیں کیونکہ اِن التزامات میں تو علاوہ اور مذکورہ خرابیوں کے ایک یہ بھی کمی ہوگی کہ کبھی ہوگا کبھی نہ ہوگا - کیونکہ اسقدر التزامات کے ساتھ دوام مشکل ہے - بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوسرے وظائف کیطرح سے

ف ہمارا مسلک و اعتقاد رسم مولد کے بارہ میں

ف طاعون کا علاج حضور کا ذکر مبارک ہے

عـ۵ اور دوسری وجہ وعظ میں یاد نہ رہی تھی - گو وعظ میں اُسکا بیان آگیا تھا - مگر اس عنوان سے نہ آیا تھا - کہ دوسری وجہ یہ ہے مگر بعد وعظ کے اثنائے مضمون میں خطوط وحدانیہ میں اُسکا اضافہ جامع سے کرا دیا گیا - چنانچہ عنقریب وہ مقام ملیگا ۱۲ منہ

روز مرّہ اِسکا بھی وظیفہ مقرر کر لیا جائے۔ یہ نہیں کہ سال بھر میں ایک دو دفعہ مقرر تاریخوں پر کر لیا۔ اہل محرم کیطرح۔ اور پھر سال بھر کروٹ بھی نہ لی۔ مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک شاعر حلب میں پہونچا۔ وہاں شہر کے شیعہ ماتم کر رہے تھے۔ اُس نے پوچھا آج کوئی مر گیا ہے۔ لوگوں نے کہا تو دیوانہ ہو معلوم ہوتا ہی تو شیعی نہیں۔ ارے یہ دن شہادت امام کا ہی۔ کہنے لگا اللہ اکبر یہاں آج اتنے دنوں کے بعد خبر پہونچی ہی یا تم لوگ سوتے تھے۔ اسیطرح ہمارے اِن مدعیان محبت رسول کی بھی یہی حالت ہی کہ سال بھر تک غافل رہتے ہیں۔ پھر چونکتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہر وقت کرو۔ اور ایسی کتاب اپنے وظائف کے ساتھ رکھو۔ مگر مولود غلام امام شہید یا اور غیر معتبر کتابیں نہیں۔ اِس قسم کی کتابیں تو بالکل بے سر پیر اور بعض میں اشعار ایسے خرافات بھرے ہیں کہ نعت کے اشعار میں بعض مضامین کفر تک پہنچ گئے ہیں نیز اُنکے پڑھنے والے بھی میں نے دیکھے ہیں کہ امرد پرست۔ تارک صلوۃ وصوم۔ آجکل کچھ ایسا مذاق بگڑ گیا ہے کہ لوگوں کو اِس قسم کے امور کی ذرا حس نہیں رہی۔ میں ایک جگہ بیان کرنے کیلیے گیا اُس روز اتفاق سے مجھے زکام ہو رہا تھا۔ بیان سُننے کے بعد ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ خوش الحان نہیں ہے میں نے دل میں کہا کہ بھائی میں ڈوم کا لڑکا نہیں ہوں کہ مجھ میں خوش الحانی ہوتی۔ خدا کا شکر ہے میں ایک شریف کی اولاد ہوں مجھے خوش الحانی اور بد الحانی سے کیا واسطہ۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اپنے ابتدا زمانہ میں اجمیر میں تشریف رکھتے تھے۔ وہاں ایک شخص شریف سید فن موسیقی میں کامل تھے۔ مولاناؒ کو چونکہ ہر فن کی تحصیل کا شوق تھا۔ اسلیے مولانا نے چند روز اُن سے اِس فن کے اصول کو سیکھا تھا۔ لیکن اللہ والے اگر کوئی معمولی نفع بھی کسی سے حاصل کرتے ہیں تو اُن دوسرکو بھی دینی نفع پہنچاتے ہیں۔ اِسپر مجھے ایک اور حکایت مسموعی یاد آئی۔ حضرت سلطان نظام الدینؒ کی کہ آپ بیمار ہوگئے تھے حتیٰ کہ خدام کو بالکل مایوسی ہوگئی تھی۔ اُس زمانہ میں دہلی میں ایک شخص رہتا تھا کافر کہ وہ توجہ سے مرض کو سلب کر دیتا تھا۔ خدام نے آپ سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو اُسکو بلالیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ اِسمیں سخت فتنہ ہو گا۔ اور میرا کیا ہے زندہ رہا رہا نہ رہا نہ رہا۔ اِسکے بعد آپ کو پھر بیہوشی طاری ہوگئی۔ اُسی حالت بیہوشی میں خدام اُسکو اُسکے گھر لیگئے۔ اُسکے لیے تو حضرتؒ کا تشریف لیجانا موجب فخر ہو گیا۔ فوراً اُسنے توجہ کی اور حضرت کا تمام مرض سلب کر دیا۔ اُسیوقت حضرتؒ کو افاقہ ہوا آپنے دیکھا کہ میں ایک مُلحد کے مکان میں ہوں اور مرض بالکل زائل ہو گیا ہی۔ آپ سمجھ گئے اور خیال ہوا کہ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ اُس کو بھی اِس نفع کا صلہ دینا چاہیئے۔ آپنے اُس سے پوچھا کہ میاں یہ کمال تم میں کس بات سے پیدا ہوا اُس نے کہا کہ صرف ایک بات سے۔ وہ یہ کہ میرے گرو نے کہدیا تھا کہ جس بات کو جی چاہے وہ نہ کرنا۔ بس میں یہی مجاہدہ

کرتا ہوں - حضرت نے فرمایا کہ سچ کہنا کیا مسلمان ہونے کو جی چاہتا ہے - کہنے لگا کہ نہیں - فرمایا کہ پھر اُسی قاعدہ کے موافق مسلمان ہو جانا چاہیئے - کچھ تو حضرتؒ کی توجہ کچھ اُس تعلیم کا خیال - وہ ایسا مغلوب ہوا کہ کچھ بن پڑا اور مسلمان ہو گیا - اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت ہو کر ساتھ ساتھ ہو لیا - غرض اللہ کے بندے ہر جگہ فیض ہی پہنچاتے ہیں - اسیطرح مولانا محمد یعقوبؒ صاحب نے اُن سے سیکھا تو ہو گا ہفتہ دو ہفتہ ہی تک مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز کے بعد اُن کی ہدایت کا سامان پیدا ہوا - اس طرح سے کہ اُنکے پاس ایک شخص آیا کہ وہ بھی اس فن میں ماہر تھا - اُس نے کچھ سُنانے کی فرمایش کی - اُنہوں نے سُنایا - جب سُنا چکے تو وہ کہنے لگا کہ سبحان اللہ کیا گلا پایا ہے - یہ جملہ سُنکر اُن کو سخت غصہ آیا اور کہا کہ افسوس اتنی محنت کا یہ صلہ ملا کہ میری وہ تعریف کی گئی جو ایک ڈوم کی ہو سکتی ہے اور عہد کیا کہ اسکے بعد پھر کبھی اِس جہل کام کے پاس بھی نہ جاؤنگا - بس مولانا کی برکت سے تائب ہو گئے اور اخیر راگ یہ دین کا رہا - تو آجکل لوگ خوش الحانی کو تلاش کرتے ہیں چنانچہ میرے بیان میں یہ عیب نکلا کہ خوش الحان نہیں ہے - میں نے کہا کہ بھائی انسان تو ہوں - آواز مُنہ سے نکلتی ہے دوسرے کے کانوں تک پہونچ جاتی ہے - جو مضامین کی تبلیغ میں کافی ہے - میں خوش الحانی و بدالحانی کو کیا جانوں - اور میں تو اسکو بھی پسند نہیں کرتا کہ آواز کے درست کرنے کے لیئے گلے پر حلوے باندھے جاویں - جیسا کہ آجکل بعض قرار کا معمول ہے - ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قرآن شریف خوش آوازی سے پڑھو اسلیئے حلوا باندھتے ہیں - تو جواب جہاں یہ حدیث پڑھی ہے اُس کی تفسیر بھی تو پڑھی ہوتی اُسی حدیث میں ادی کہتے ہیں کہ خوش آوازی یہ ہے کہ پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہو کہ اُس کے دل میں خدا کا خوف بھرا ہوا ہے - اور اگر بلغم کا صاف کرنا مقصود ہے تو میں اسکا ایک دوسرا طریق بتلاتا ہوں - اُس طریق سے صاف کرو - عشق خدا پیدا کرو - بلغم اور سب رطوبات خود خاکستر ہو جاوینگی - خوب فرمایا ہے ؎

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت تیغ لا در قتل غیر حق براند ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت	ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

باقی اگر کوئی کہے کہ یہ تو ایک شاعرانہ نکتہ ہے اسکو بلغم سے کیا واسطہ تو سمجھو کہ یہ سب رطوبتیں ہیں اور محبت کی آگ میں زاید رطوبت ہی نہ رہے گی - آپ نے کبھی کسی عاشق کو موٹا نہ دیکھا ہو گا - لیکن مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی عاشق قدرتی موٹا بھی نہ ہو گا - بلکہ مطلب یہ ہے کہ کھا کھا کر بیفکری سے جو انسان پھول جاتا ہے وہ بات اُسمیں نہ ہو گی - کیونکہ وہاں تو ہر وقت سوختن و گداختن ہے تو اِس نسخہ سے ویسے ہی گلا صاف رہیگا ایسے ٹے

آجکل لوگ خوش الحانی کے طالب ہیں۔

آواز صاف ہونے کا ایک عجیب طریق

عاشق کبھی موٹا نہیں ہوتا

ہونے کی نسبت حدیث شریف میں ہے ان اللہ یبغض الحبر السمین یعنی اللہ تعالیٰ کو موٹے عالم سے نفرت ہے مگر وہی بیفکری کا پھولا ہوا نہ وہ جو طبعی و فطری ایسا ہو۔ اسپر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ میں اپنے لڑکپن میں شہر میرٹھ میں ایک مسجد میں بیٹھا ہوا وضو کر رہا تھا۔ اور میرے قریب ہی ایک اور مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے وہ ذرا موٹے تھے۔ وہاں ایک شخص رجب علی تھے وہ ان مولویصاحب سے اکثر مزاح کیا کرتے تھے اُسوقت وہ بھی آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم اسقدر دُبلے کیوں ہو رہے ہو۔ میں نے ظریفانہ کہا کہ بھائی حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان اللہ یبغض الحبر السمین۔ اسواسطے میں دُبلا ہوں اور مجھ کو خیال نہ رہا کہ یہاں مولویصاحب موٹے بیٹھے ہوئے ہیں۔ رجب علی اُن مولویصاحب کیطرف مُنہ کر کے کہتے ہیں کہ مولویصاحب آپ سُنتے ہیں اُسوقت مجھے تنبہ ہوا کہ یہ بھی بیٹھے ہیں تو میں بہت شرمندہ ہوا اور میں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ جو کھا کھا کر بیفکری میں موٹا ہو۔ کہنے لگے۔ کہ جناب اب آپ جو مطلب چاہیں بیان کریں باقی حدیث مولویصاحب پر صادق آہی گئی۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے مگر مطلب حدیث کا یہی ہے کہ جو بیفکر کھا کر موٹا ہو۔ غرض نسخہ عشق سے بلغم میں زیادتی ہی نہ ہوگی۔ پھر یہ کہ حلوا گلے کے اندر جانے کیلیے بنا ہے نہ کہ گلے کے اوپر باندھنے کے لیے۔ ہاں اگر کوئی ایسا کرے کہ باندھ کر پھر کھا بھی لے۔ تو دوسری بات ہے۔ لیکن اسکو کون کریگا۔ اگرچہ میں نے بعض ایسے لطیف المزاج لوگوں کی حکایت بھی سنی ہے کہ اُنہوں نے پان منہ سے نکالکر رکھدیا اور کھانا کھا کر پھر اُسکو کھا لیا۔ تو خوش الحانی[1] کے وہ معنی نہیں ہیں جو حلوا باندھنے سے حاصل ہو بلکہ اسکے وہ معنے ہیں کہ جو اوپر مذکور ہوئے کہ اگر کوئی اُسکو پڑھتے ہوئے سُنے تو یوں سمجھے کہ خدا کے خوف سے اسکا قلب لبریز ہے۔ مگر لوگ آجکل خوش الحانوں کو ڈھونڈھتے ہیں۔ چنانچہ پڑھنے والے اپنے ساتھ خوش آوازوں کو رکھتے ہیں۔ اکثر تین تین چار چار امرد اور نوجوان لڑکے رہتے ہیں کہ وہ گلے ملا ملا کر گاتے ہیں۔ سوان رسوم کو چھوڑ دو حضور[2] صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک تو غذا ہے۔ اُسمیں کسی وقت کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے۔ بس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کی کتابیں لیکر جنمیں صحیح حالات ہوں اگرچہ اُنمیں ایک شعر بھی نہ ہو اُسکو روزانہ پڑھا کرو۔ اسلیے میرا بہت روز سے جی چاہتا تھا کہ کوئی ایسی صحیح معتبر کتاب لکھدوں۔ چنانچہ بحمداللہ وہ کتاب[3] تمام ہو گئی (اور دیوبند میں چھپ بھی گئی) اور میں نے اس کتاب میں اسکی بھی رعایت کی ہے کہ اُسمیں غذا کے ساتھ تفریح کا سامان بھی رکھا ہے۔ یعنی میں نے اُسمیں اشعار بھی لکھے ہیں۔ اور بہت کثرت سے ہیں۔ یعنی کتاب میں اکتالیس فصلیں ہیں ہر فصل کے اخیر میں اشعار لکھے ہیں۔ اور نہایت لذیذ اشعار عربی کے ہیں۔ اور اُن کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ لکھدیئے تو جس کا جی چاہے اِس کتاب کو اپنے پاس رکھے۔ کہ یہ انشاءاللہ تعالیٰ اسکے لیے بہت مفید ہوگی۔ مگر اسکو مجلسوں میں

ف ۱ خوش الحانی اصطلاحی کی حقیقت

ف ۲ حضور کے ذکر کی ہیئت کا طرز

ف ۳ کتاب نشر الطیب کا طرز

ان رسوم کے ساتھ نہ پڑھا جائے بلکہ بطور وظیفہ کے قرآن مجید کے بعد پڑھ لیا جاوے۔ جیسا میں نے اوپر مجنوں کی حالت ذکر کی ہے کہ ؎

گفت مشق نام لیلےٰ مے کنم   خاطرِ خود را تسلّی مے کنم

تو مجنوں نے کیا لیلیٰ کی سالگرہ کی تھی۔ اسیطرح حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مبارک کے لیے قیود کیسے وہ تو ہر وقت کا وظیفہ ہونا چاہئے۔ میں نے حضرت مولانا گنگوہی کو دیکھا ہے کہ ہر وقت درود شریف کا ورد رہتا تھا۔ اور بات بہت کم کرتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ جو لوگ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ یاد کریں وہ تو محب ہوں اور جو ہر وقت سرشار رہے اُسکو منکر سمجھا جائے کیسا غضب ہے۔ صاحبو کہاں گیا انصاف اور تدین۔ ایچ چاہتے ہیں کہ ذکر بھی اگر ہو تو دوسروں کو دکھلا کر ہو۔ بھائی محبت میں دکھلانے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی اولاد کے لئے انسان محبت سے کیا کچھ نہیں کرتا مگر کیا کسی کو دکھلاتا پھرتا ہے۔ غرض یہ معمول کر لو کہ اس کتاب کے دو چار ورق روز پڑھ لیا کرو۔ اگر خود پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے سن لیا کرو۔ اور گھر میں روزانہ پڑھ کر سنایا کرو اور عمر بھر اسی طرح معمول رکھو۔ دیکھیں تو کون منع کرتا ہے۔ تم تو اپنے ہاتھوں منع کراتے ہو۔ صاحبو یہ تو ذکر مستحب ہے (گو عشاق کے نزدیک فرض عشقی ہے مگر فتویٰ کے رو سے تو مستحب ہی ہے) نماز بھی جو کہ فرض ہے از روئے فتوے بے ڈھنگے پن سے پڑھی جاوے تو اُس سے بھی منع کیا جاویگا۔ اور مشروع طور پر ذکر کرنا خود قرآن شریف سے ثابت ہے۔ دیکھو اسی آیت میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر شریف ہے اور میں نے اسی لیے اسوقت اس آیت کو پڑھا ہے کہ اس سے آپ کے ذکر کو بھی ثابت کر دوں اور اُسکا طریق اور آداب بھی بتلا دوں۔ پس آپ اس ذکر شریف کے برکات حاصل کیجئے۔ اُن برکات میں سے ایک برکت دفع طاعون بھی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ (اور بعد وعظ کے فرمایا کہ اس آیت کے اختیار کرنے کی ایک وجہ تو یہ تھی۔ دوسری وجہ[ف۱] یہ تھی جسکو وعظ میں بیان کرنا یاد نہیں رہا کہ آپ کے ذکر ولادت کے متعلق لوگوں میں آجکل بہت سے منکرات اور اختراعات شائع ہو گئے ہیں جن سے عملاً و اعتقاداً لوگوں کی حالت خراب ہو گئی۔ اور ان منکرات کا ارتکاب اس مہینہ میں اکثر کیا جاتا ہے۔ اسلیئے بھی اسوقت یہ مضمون اختیار کیا گیا کہ یہ تبلا دیا جائے کہ شریعت میں ان کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔ سعید) غرض آیت سے ذکر شریف بھی ثابت ہوا اور آداب پر بھی تنبیہ موجود ہے۔ کیونکہ اسی آیت میں آگے ارشاد ہے

يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

سو اصل غرض آپ کی بعثت سے یہ ہے کہ ہدایت ہو صراط مستقیم کی تو جو امر صراط مستقیم کے خلاف ہو گا وہ اس مقصود کے منافی اور قابل ترک ہو گا۔ اور اُن ہی[ف۲] امور غیر مستقیمہ میں سے ایک تخصیص

ف۱ یعنی اصل مقصود کو بیان کرنا تھا بلکہ اختیار کرنے کی دوسری وجہ

ف۲ یعنی تخصیص ...

ف: حکمت اخراج حضرت آدم علیہ السلام از جنت

لازم بھی ہے۔ پس بنا اسوقت کے ذکر کی تخصیص ربیع الاول کی نہیں ہی جیسا اوپر بھی عرض کر چکا ہوں۔ اور اور اس عدم تخصیص کی ربیع الاول کی فضیلت کا انکار نہ سمجھا جاوے۔ کیونکہ فضیلت سے یہ لازم نہیں تاکہ اُس زمانہ فاضل کو بلا دلیل شرعی جس عبادت کے لیے چاہے خاص کر لیا جاوے۔ پس ربیع الاول میں فضیلت ہو مگر اس کی تخصیص ذکر نبوی کے لیے ثابت نہیں جیسے جمعہ کے روزہ کی تخصیص کی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے باوجودیکہ اُسکے فضائل بھی وارد ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں اُسکی فضیلت میں آیا ہی فِیْهِ وُلِدَ اٰدَمُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ هُبِطَ اِلَى الْاَرْضِ۔ اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہبوط الی الارض میں کونسی نعمت ہے جو اُسکو دلائل فضیلت میں ذکر فرمایا۔ یہ تو بظاہر نہایت درجہ تکلیف ہے تو اس شبہ کا جواب عارفین سے پوچھیے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ بھائی اگر حضرت آدمؑ جنت سے نہ نکلتے تو اُن کی اولاد میں سے کوئی نکلتا۔ کیونکہ جو ممانعت اُن کو ہوئی تھی چونکہ وہ شجرہ قابل نہی کے تھا وہی ممانعت اُنکی اولاد کو بھی ہوتی اور یہ ظاہر ہے کہ اُس ممانعت کے خلاف بھی بہت لوگ کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ نکالے جاتے۔ اور اخراج ایسی حالت میں ہوتا کہ جنت خوب آباد ہوتی۔ وہاں اُس کے ماں۔ باپ۔ بھائی۔ بیٹے۔ بیوی سبھی ہوتے۔ اُن سب سے علیحدہ کرکے اُسکو دنیا میں بھیجا جاتا تو جنت میں ایک کہرام مچ جاتا تو وہ جنت مثل دوزخ کے ہو جاتی۔ اسلیے اللہ میاں نے وہاں سے سب کو رخصت فرما دیا۔ یہ مصلحت تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے حق میں ہی کہ جنت میں تکلیف ہونے سے سخت تکلیف ہوتی۔ باقی خود حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں جو حکمت تھی اُسکو حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عارفوں کے لئے بڑی نعمت معرفت ہی اور معرفت کی دو قسمیں ہیں ایک علمی اور ایک عینی۔ معرفت علمی تو یہ ہے کہ صفات کمال اور اُس کے آثار کا علم ہو جائے۔ اور معرفت عینی یہ ہی کہ اُس صفت کے اثر کا مشاہدہ ہو جاوے تو اُسوقت آدمؑ کو معرفت علمی تو حاصل تھی لیکن معرفت عینی صرف بعض صفات کی حاصل تھی جیسے کہ منعم کہ اِس صفت کا اسوقت مشاہدہ ہو رہا تھا۔ لیکن بعض صفات کا مشاہدہ اسوقت نہ تھا مثلاً تَوَّاب کہ اِس صفت کی معرفت علمی تو حاصل تھی باقی معرفت عینی حاصل نہ تھی اور معرفت عینی افضل ہی معرفت علمی سے۔ تو جنت سے علیحدہ کرکے خدا تعالیٰ کو حضرت آدمؑ کی تکمیل عرفان کی مقصود تھی۔ پس یہ اخراج حقیقت میں عقوبت نہ تھی تکمیل تھی۔ اور بعض قرائن سے آدم علیہ السلام کو اسکا کچھ پتہ بھی چل گیا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث ہی کہ جب آدم علیہ السلام کی ناک میں روح داخل ہوئی تو آپکو چھینک آئی۔ ارشاد ہوا کہ کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور فرشتوں کو حکم ہوا کہ کہو یَرْحَمُکَ اللّٰہُ تو بعض روایات میں ہی کہ حضرت آدم علیہ السلام رونے اور کہا کہ دعائے رحمت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لغزش ضرور ہوگی

اور توبہ کے بعد رحمت ہوگی - اور اس کمال معرفت کی مصلحت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جیسا کہ آپنے ارشاد فرمایا ہے اتنا بخار چڑھتا تھا جتنا دو آدمیوں کو چڑھتا ہے - کیونکہ جسم کا یہ مظہر ہے اسکی معرفت حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علیٰ وجہ الکمال عطا فرمائی تھی - غرض حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے آنا بھی نعمت ہے پس یہ بھی وجوہ فضائل جمعہ سے ہوا تو دیکھئے جمعہ کے بارہ میں باوجودیکہ یہ فضائل خود حدیث سے ثابت ہیں لیکن اسدن میں تخصیص صوم کی ممانعت ہے - تو ربیع الاول کے فضائل تو منصوص بھی نہیں تو اس میں تخصیص ذکر کی اجازت کیسے ہوگی - مگر پھر مکرر کہتے ہیں کہ باوجود اس منع تخصیص کے اس ماہ کی فضیلت کے ہم منکر نہیں - فضیلت اسمیں ضرور ہے اگر اسمیں فضیلت نہ ہوتی تو اسمیں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا کیوں کیے جاتے - جیسے جمعہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے تین واقعہ ہیں ایسا ہی یہاں بھی تین واقعے ہیں ایک تو ولادت شریفہ کہ بالاتفاق اسی ماہ میں ہے مشابہ ولادت آدم علیہ السلام کے - اور دوسری بعثت بعض روایات پر کہ مشابہ دخول جنت آدم علیہ السلام کے ہے اور تیسری وفات شریف کہ ماہ اور یوم تو علی الاتفاق عین زمانہ ولادت شریفہ ہے اور تاریخ بھی علی الاشہر وہی ہے جیسا تیسرا واقعہ وہاں ہبوط تھا کہ مشابہ وفات کے تھا غرض اس ماہ کیلئے یہ فضائل ضرور ثابت ہیں اور اسی ولادت شریفہ کیطرف اشارہ کرکے کہا گیا ہے ؎

	لہذا الشہر فی الاسلام فضل		ومنقبۃ تفوق علی الشہود	
	ربیع فی ربیع فی ربیع		ونور فوق نور فوق نور	

اول ربیع سے مراد ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرا ربیع ہے موسم بہار کہ اسوقت یہ موسم تھا یا یہ کہا جاوے کہ آپ کے پیدا ہونے سے بہار ہوگئی تھی - چنانچہ اسی سنہ کو لوگوں نے سنۃ الفتح والابتہاج کہا ہے اور تیسری ربیع سے مراد ہے مہینہ - اور دوسرے مصرعہ میں نور فوق نور الخ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مراد ہیں کہ آپ میں انوار مجتمعہ متزائدہ تھے تو یہ فضیلت اس ماہ کو حاصل ہے - خواہ تو وہ فضیلت اسطرح ہو کہ اس ماہ کو پہلے سے فضیلت عطا ہوگئی تھی - اور اس ماہ کے ذی فضیلت ہونیکی وجہ سے حضور کی ولادت شریفہ کیلئے اسکو خاص فرمایا - رہی یہ بات کہ اسکو کیوں فضیلت عطا ہوئی تھی سو اسکی علت ہمکو معلوم نہیں - خدا تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں فضیلت عطا فرماویں - اور اسیطرح دوشنبہ کے دن میں فضیلت پہلے سے ہو اور بوجہ ان دونوں کے ذی فضیلت ہونے کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسمیں پیدا کیا گیا ہو جیسے جمعہ میں فضیلت پیدا کرکے حضرت آدم علیہ السلام کو اسمیں پیدا کیا گیا اور خواہ فضیلت اسطرح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت شریفہ اسمیں ہوئی ہے - اس تلبس سے اسکو فضیلت حاصل ہوگئی ہے اور ایسا ہی احتمال جمعہ میں بھی ہے کہ خود ولادت آدم علیہ السلام اور دیگر واقعات سے اسمیں فضیلت آگئی ہو اور

ربیع الاول کے فضائل اور ربیع الاول کی تخصیص کی چیزوں کی نسبت

دوشنبہ اور جمعہ کی فضیلت میں ذرا فرق ہے

یہ بھی احتمال ہو کہ پہلے سے فضیلت ثابت ہو - اور ان واقعات کو علامت کے طور پر ذکر فرمایا ہو - تو ایک احتمال پر یہ واقعات دلیل لمی ہونگے فضائل کے اور دوسرے احتمال پر دلیل انی - علیٰ ہذا حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دوشنبہ کے دن روزہ رکھتے تھے اور اسکی وجہ یہ فرماتے تھے کہ فِیْهِ وُلِدْتُ وَفِیْهِ اُنْزِلَ عَلَیَّ - اس میں بھی دونوں احتمال ہیں کہ چونکہ میری ولادت اور بعثت سے اسمیں فضیلت آگئی ہی اسلیے روزہ رکھتا ہوں یا یہ کہ یہ دن پہلے سے فضیلت کا ہے جسکی علامت یہ ہے کہ فِیْهِ وُلِدْتُ وَفِیْهِ اُنْزِلَ عَلَیَّ اُس فضیلت سابقہ کی وجہ سے روزہ رکھتا ہوں تو دونوں احتمال دونوں جگہ ہیں - اور اصل مقصود ثبوت فضیلت میں ہر دو مفید ہیں خواہ وہ فضیلت سبب ہو یا مسبب ہو - خوب کہا ہے ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف	گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

اُس نے کھینچ لیا یا میں نے مگر اصل مقصود یعنی قرب تو حاصل ہو گیا - علیٰ ہذا یہ اُسکی فضیلت کا سبب ہو یا وہ اُسکی فضیلت کی علامت ہو - دونوں میں کچھ مضائقہ نہیں - مگر قابل تعرض کے ایک اور بات ہے وہ یہ کہ اس حدیث ذالک الیوم الَّذِی وُلِدْتُ فِیْهِ سے بعض لوگوں نے (کیا کہوں) بعض لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہی کہ ہوائے نفسانی کے لیے محض بہانہ ہی ڈھونڈا کرتے ہیں جیسے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے شائقانِ متعہ کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ لوگ متعہ کے لیے بہانہ ڈھونڈتے ہیں جہاں میم تے عین اُن کو ملا اور اُنہوں نے اُس سے متعہ ثابت کیا - اور فرمایا کہ اگر متعہ ایسا ہی سستا ہے تو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس شعر میں بھی یہی مراد ہو گا ؎

تمتع زہر گوشہ یافتم الخ

اور میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ میں بھی یہی مراد ہو گا کہ انسان اور جن آپس میں متع کرتے تھے - تو بعض لوگوں نے) جو یہ حدیث سُنی تو اُسکو اپنا ایک غلطی کا سہارا بنا لیا اور وہ ہے تو پُرانا خیال مگر اُسمیں اب ایک نیا رنگ قومیت کا چڑھا ہے - جب سے یہ نئی جماعت بڑھی ہی - اُسوقت سے ہر امر میں ایک قومیت اور تمدن کا رنگ پیدا ہو گیا ہے اور وہ غلطی عید میلاد النبی کی ایجاد ہے اور یہ پہلے سے بھی لوگوں میں رائج تھا کہ اسمیں کپڑوں کا بدلنا اور مکان سجانا - احباب کو جمع کرنا اور ذکر شریف کا رسم کے طور پر اہتمام کرنا - اطعمہ یا شیرینی کا انتظام سب کچھ ہوتا تھا مگر اب کہ نو تعلیم یافتوں نے اسمیں ایک اور سیاسی نیا رنگ چڑھایا ہے - اور میں کیا کہوں ابکی مرتبہ ایک قصہ نئے رنگ کا بعض قدیم الخیال لوگوں کا سننے میں آیا - یعنی ایک جگہ ذکر میلاد ہوا ہی تو یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اخیر شب میں ہو گا جو عین وقت ولادت شریفہ کا ہے - چنانچہ اخیر شب میں لوگ جمع ہوئے اور

ف: [illegible]

عین طلوع فجر کے وقت ذکر ولادت شریفہ ہوا ۔ صاحبو کیا یہ امور قابل منع کے نہیں ہیں ۔ صاحبو آپ تو اس کی ممانعت سے وحشت کرتے ہیں جس کی کوئی اصل بھی قرآن وحدیث میں نہیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اس درخت کو کہ جسکی گونہ فضیلت خود قرآن مجید میں بھی موجود ہے لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ محض اسلیے جڑ سے کٹوا دیا تھا کہ لوگ اسکی زیارت کا زیادہ اہتمام کرنے لگے تھے ۔ صاحبو جو اساطین دین ہیں وہ دین کی خرابی پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے ۔ وہ محض اپنی بدنامی کے خوف سے ہرگز خاموش نہیں ہو سکتے ۔ اگرچہ اُن سے کوئی ناراض ہو ۔ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ حق سُنکر کوئی ناراض نہیں ہوتا اگر سمجھا کر کہا جاوے ۔ زیادہ تر جو لوگ ناراض ہوتے ہیں ۔ اُسکی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ناصح ادہوری بات کہتے ہیں جس سے عوام سمجھتے ہیں کہ یہ بالکل اصل ہی کے منکر ہیں ۔ پوری بات کہنے والے سے کوئی نہیں بگڑتا ۔ اور اگر کوئی پوری بات کہنے پر بھی بگڑے تو اُسمیں خود زیغ ہے اُس کی ایسی حالت ہی جیسے یرقانی کی کہ اُسکو ہر چیز زرد یا سیاہ نظر آتی ہے ۔ غرض اسحدیث سے بعض لوگ عید میلاد النبی کو ثابت کرتے ہیں اور یہ تھی پہلے سے لیکن امسال اس پر ایک نیا سیاسی رنگ چڑھا ہے ۔ کہ بارہ ربیع الاول کو اہتمام کے ساتھ سب جمع ہوں اور جمع ہو کر دعا کریں مسلمانوں کی فلاح کے واسطے دعا بہت اچھی چیز ہے مگر ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ دین میں ایک چیز کا بڑھانا کہ جمع کے لیے یہ تاریخ معین کیجاوے ۔ کیسے جائز ہو گیا ۔ کہتے ہیں کہ اسمیں دین کی شوکت ہے ۔ مجھ سے ایک مولویصاحب نے کہا کہ تعزیوں کو منع نہیں کرنا چاہئے ۔ کیونکہ اسمیں کرتب دکھانے سے مشق ہو جاتی ہے اور شجاعت کی تحریک ہوتی ہے ۔ اسی طرح ایک جنٹلمین صاحب نے فرمایا کہ شب برات میں آتشبازی وغیرہ سے منع نہ کرنا چاہئے ۔ کیونکہ اس سے بہادری کا اسپرٹ محفوظ رہتا ہے ۔ اللہ اکبر کسقدر بے حسی غالب ہو گئی ہے اور لوگوں کی عقول کیسی ماؤف ہو گئی ہیں ۔ اگر ان کے قبضہ میں دین ہوتا تو یہ حضرات خدا جانے اُسمیں کیا کچھ کتر بیونت کرتے ۔ صاحبو تمہارے اوپر ایک شرعی قانون حاکم ہے ۔ تمکو اسکا اختیار ہرگز نہیں ہے کہ تم خود کوئی قانون بنا لو ۔ مگر جو قانون تمہارے پاس ہے ۔ اُسپر عمل کرنیکا حکم تم کو ہے دیکھو بہت سے قانون ایسے ہیں کہ وہ حکام کو مفید ہو سکتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص تعزیرات چھپنے کے وقت اخیر میں مثلاً یہی ایک دفعہ بڑھا دے کہ جو شخص حکام کے نام کے ساتھ جناب کا لفظ نہ کہیگا اُسپر پچاس روپیہ جُرمانہ ہوگا تو تصحیح قانون کے وقت جب اس زیادتی کی اطلاع ہوگی فوراً اُس شخص کے نام وارنٹ جاری ہو جاویگا ۔ اور اسی مثال سے بدعت کے معنی بھی انشاء اللہ آپکی سمجھ میں آجاوینگے ۔ وجہ اسکے جرم ہونے کی یہ ہے ۔ کہ قانون کا بنانا صاحب سلطنت کا کام ہے ۔ تو جب کسی شخص نے کوئی قانون بنایا تو اگرچہ وہ قانون

سراسر مفید حکام ہی کیوں نہ ہو لیکن درپردہ اُس مقنن نے اپنے صاحب سلطنت ہونیکا دعوی کیا ہے - اسطرح میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی بدعت سراسر مسلمانوں کے لیے بزعم موجد نافع ہی ہو لیکن دین سے زائد ہو تو وہ تو وہ ایسی ہی ہے جیسے کہ یہ قانون بڑھانا تو اسکی وہی سزا ہوگی - یہ جواب ہے اُن لوگوں کو جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں بدعت میں یہ مصلحت ہے - صاحبو اسمیں تو خدا و رسول پر سخت اعتراض لازم آتا ہے کہ فلاں امر نافع تھا - لیکن خدا تعالیٰ نے اسکو دین میں نہیں رکھا (نعوذ باللہ) غرض عید میلاد النبی پر آجکل یہ رنگ چڑھایا گیا ہی اور مقصود اس سے وہی اظہار شوکت قومی ہے - لیکن ہمارا مذہب تو تفویض الی الشرع ہی سے

دگر خوں بفتوے بریزی رواست	اگے شرع آب خوردن خطاست

رہی دُعا تو نمازوں کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور دعا کیلئے جو جلسے کئے جاتے ہیں - اُن میں زیادہ تر ایسے شخص جمع ہوتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتے - بس محض اسواسطے کہ اپنا نام ہو اور بعض محض اقتضاء طبیعت کی وجہ سے کہ اُنکی طبیعت میں اس وقت اس قسم کے کاموں کا جوش پیدا ہوتا ہے لیکن شریعت مطہرہ نے ہمکو نرا جوش نہیں سکھایا - اس جوش کی کیا انتہا ہے کہ بعض نے قربانی ہی کو حذف کر دیا - صاحبو ہمکو شریعت نے جوش سے زیادہ ہوش کا حکم دیا ہی - یہ تو انگریزی خوانوں کا قصہ تھا - جو غریب اپنی اس ایجاد کا اس سے زیادہ جواب نہیں دیسکتے کہ اسمیں قومی مصلحت ہی مگر کوئی شرعی دلیل نہیں بیان کرتے تو اس سی پھر بھی گمراہی کم ہوتی ہے - لیکن یہ عربی پڑھے لکھے جو بگڑے تو اُنہوں نے ایک جواب شرعی بھی تیار کر لیا کہ حدیث شریف میں آیا ہی کہ ذَاكَ الْيَوْمُ الَّذِي وُلِدْتُ فِيهِ اس سے اس دن کا مبارک ہونا معلوم ہوا - اور اُس کی فضیلت ثابت ہوئی - اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس میں روزہ بھی ثابت ہے - جس سے ثابت ہوا کہ زمانہ ولادت نبویہ یوم العبادت ہے - تو جب ایک عبادت اسمیں ثابت ہے اور دوسری کو بھی کہ فرحت وسرور بالنعمۃ ہے اسپر قیاس کر لیا جائیگا - اور وہ دوسری بھی ثابت ہو جاویگی - لیکن ہم کو دونوں مقدموں میں کلام ہے اسمیں بھی کہ روزہ اس لیے رکھا تھا - ممکن ہے کہ روزہ اسلیے رکھا ہو کہ وہ پہلے سے یوم الفضیلت ہی اور یوم الولادۃ ہونا اُسی فضیلت کے سبب تجویز فرمایا گیا ہو - اور اسپر کہ روزہ کا سبب اس یوم کا کسی دوسری وجہ سے افضل ہونا ہے - ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہی کہ اس روز میں اعمال پیش ہوتے ہیں تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا عمل روزہ کی حالت میں پیش ہو تو معلوم ہوا کہ یوم دوشنبہ پہلے سے یوم العرض ہونے کے سبب ذی فضیلت ہے - اور اسیوجہ سے اس میں آپکی ولادت بھی متحقق ہوئی جیسے دسویں محرم کی کہ اسمیں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کو شہادت ہوئی - لیکن وہ دن آپکی شہادت کی وجہ سے

افضل نہیں ہوا بلکہ اُسکے ذی فضیلت ہونے کی وجہ سے اسمیں آپکی شہادت واقع ہوئی۔ اور اگر ثابت بھی ہو جائے کہ فضیلت اسیوجہ سے ہے یا دونوں کو سببیتہ میں من وجہٍ دخل ہے تو زیادہ سے زیادہ اُسیقدر تم بھی کر لو جو حضور سے ثابت ہے۔ اور اگر قیاس ایسا ہی عام ہے تو چاہیئے کہ مکہ والے ہر دوشنبہ کو حج بھی کر لیا کریں۔ کہ جب روزہ ثابت ہے حج کو بھی قیاس کر لیں۔ حضرات قیاس کرنا آپ کا کام نہیں ہے۔ اگر قیاس ایسا سستا ہے تو غیر مقلدوں کو ہرگز بُرا نہ کہو۔ غیر مقلد اسکو نہیں کہتے ہیں جو اپنے کو غیر مقلد کہے۔ بلکہ آج بلا ضرورت شرعیہ جو لوگ قرآن و حدیث سے استخراج کی کوشش کرتے ہیں یہ سب غیر مقلد ہی ہیں۔ اور لطف یہ کہ سب سے زیادہ یہی لوگ غیر مقلدوں کے دشمن ہیں۔ غرض جو شخص اعمال ظاہرہ کے اثبات میں کذا فی الھدایہ کذا فی الدر المختار نہ کہے بلکہ خود دعویٰ استنباط کا کرے بس وہ غیر مقلد ہے۔ صاحبو علماء نے تصریح فرما دی ہے کہ چوتھی صدی سے اجتہاد منقطع ہے۔ ہمارے لیے اسلم یہی ہے کہ جو بات ہمکو پیش آئے اُسکو ہدایہ میں دیکھیں یا در مختار میں۔ اور اسکا پتہ نہ ہدایہ میں ہے نہ در مختار میں۔ محض ایک مسلمان بادشاہ کی ایجاد ہے اُسنے عیسائیوں کے توڑ پر ایجاد کیا تھا کہ جیسے اُن کے یہاں بڑے دن میں خوشی ہوتی ہے اور رونق ہوتی ہے اسیطرح ہم بھی کریں۔ مگر اُسکے اہتمام سے گو وہ سنت کے خلاف تھا۔ مگر یہ غرض تو حاصل تھی اور اب تو وہ بھی نہیں۔ کیا دو آنہ کی مٹھائی تقسیم کر دینے سے یا چند آدمیوں کے جمع ہو جانے سے اُنکا توڑ ہو سکتا ہے۔ اور اصل تو یہ ہے کہ اُس بادشاہ کی یہ رائے ہی غلط تھی۔ اسلام کو ان عارضی شوکتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام کی تو وہ شوکت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام میں تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں نے نیا لباس بدلنے کیلئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ صاحبو اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہماری عزت سب کے نزدیک ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب ایک معمولی وضع میں رہتے تھے مگر لفٹنٹ گورنر اُن کے سلام کو آئے تھے۔ حضرت خالدؓ ماہان رومی کی مجلس میں تشریف لے گئے۔ وہاں حریر کا فرش بچھا ہوا تھا حضرت خالدؓ نے اُسکو ہٹا دیا۔ ماہان نے کہا کہ اے خالدؓ میں نے تمہاری عزت کی تھی لیکن تم نے اُسکو قبول نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ماہان تیرے فرش سے خدا کا فرش اچھا ہے۔ ہم کو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حریر کے استعمال سے منع فرما دیا ہے۔ تو کیا اس حریر کے ہٹا دینے سے اُن کی شوکت کم ہوئی یا اور بڑھ گئی۔ مسلمانوں کی عزت یہی ہے کہ ہر موقع پر کہدیں کہ ہمکو فلاں کام سے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا ہے۔ مگر آجکل لوگ اسلام کے احکام ظاہر کرنے کو ذلت سمجھتے ہیں۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ میں نے ریل میں نماز اسلیے نہیں پڑھی کہ وہاں سب ہندو ہی تھے سو دیکھ کر اسلام پر ہنستے۔ انا للہ۔ ایک وہ وقت تھا کہ ہر بات میں قرآن و حدیث

زبان پر آتا تھا حتیٰ کہ جب صحابۂ کرام نے روم پر حملہ کیا ہے تو وہاں کے عیسائیوں نے کہا کہ تم بھی اہل کتاب ہو۔ اور ہم بھی اہل کتاب ہیں۔ تو ہم میں تم میں ایسا زیادہ اختلاف نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ تم اول مجوس فارس سے لڑو کہ وہ مشرک ہیں۔ واقعی ہم تو شاید اس سوال کا جواب دے سکتے۔ لیکن صحابۂ کرام نے فوراً ارشاد فرمایا کہ ہم کو حکم ہے قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ۔ اور تم اُن کی نسبت نزدیک ہو وجہ یہ ہے کہ اُن کے قلب میں قرآن بسا ہوا تھا تو انہوں نے فرمایا ماہان ارمنی سے کہ تیرے فرش سے خدا کا فرش افضل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے سے ہے اور آجتک چلا آتا ہے۔ نہ دھونا پڑتا ہے نہ کچھ بلکہ اور ناپاکی کو بھی پاک کر دیتا ہے یہ وہ فرش ہے کہ حضرت بشر حافیؒ نے جب سُنا کہ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا تو جوتہ نکال کر پھینک دیا کہ خدا کے فرش پر جوتہ لیکر نہ چلنا چاہیئے۔ آخر تمام درند چرند کو حکم ہو گیا کہ جہاں جہاں بشر حافی رہ جاویں وہاں وہاں بیٹ نہ گرنے پاوے۔ صاحبو ہماری عزت سامان سے نہیں ہے اگر ہے تو بے سر وسامانی سے ہماری عزت ہے۔ یہ بے سر وسامانی کی وہ عزت ہے کہ ؎

زیر بارند درختاں کہ ثمرہا دارند		ای خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد
دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند		دلبر ماست کہ با حسن خداداد آمد

اور سُنیئے (واقعی اگر آدمی غور کرے تو بدعت کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے) جونپور میں ایک صاحب نے دسویں ایجاد کی تھی کہ وہ ہر مہینہ کی دسویں تاریخ کو شہادت نامہ پڑھواتے تھے۔ نیت تو یہ تھی کہ لوگ شیعوں کی مجالس میں شریک نہ ہوں۔ لیکن اُن کا یہ مقصود بھی حاصل نہ ہوا۔ لوگ اس سے فارغ ہو کر شیعوں کی مجالس میں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میاں چلو اُن کمبختوں کے ہاں بھی دیکھ آویں کیا ہو رہا ہے یہ ہیں بدعات کی مصالح۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر یہ مصالح واقع میں مصالح ہیں تو خدا تعالیٰ نے باوجود اِن مصالح کی رعایت نہ کرنے کے یہ کیوں فرما دیا تھا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ اور بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اذکار و اشغال بہیات وقیود خاصہ بھی تو در مختار میں نہیں ہیں تو سمجھو کہ اذکار و اشغال خاصہ سے غرض تحصیل ثواب نہیں ہے۔ بلکہ مقصود اُن سے خاص کیفیات کا طبیعت میں پیدا کرنا ہے مثل تقلیل خطرات و جمعیت و یکسوئی گو پھر اُن سے عبادت میں کام لیا جاوے اُن کی حالت مثل ادویہ طبیہ کے ہے کہ کوئی دوا بخار کو نافع ہے اور کوئی کھانسی کو نافع ہے تو مقصود اُن سے تحصیل کیفیت صحت ہے۔ پھر چاہے وہ ذریعہ عبادت کا بنجاوے۔ اور یہ تجربہ ہے کہ وہ کیفیات اُن خاص طرق سے حاصل ہوتی ہیں تو جواب کا حاصل یہ ہے کہ ہم اُن کو نفع عاجل کے لیے کرتے

ع اور اسپر یہ شبہ نکیا جاوے کہ محققین کیفیات کو غیر مقصود کہتے ہیں سو اُن کا مطلب یہ ہے کہ مقصود بالذات نہیں ۱۲ منہ

ہیں اور اُن کو مثل ادویہ طبیہ کے سمجھتے ہیں ۔ مثلاً ہم حبس دم کو ہرگز عبادت نہیں سمجھتے بلکہ تدبیر سمجھتے ہیں جمع طبیعت کی ۔ بخلاف بدعات متعارفہ کے کہ وہ کیجاتی ہیں تحصیل ثواب کے لیے اور حبس دم وغیرہ تحصیل کیفیات کے لیے کیجاتی ہیں ۔ اور یہ نفع اُن کا مشاہد ہے ۔ پس چونکہ اسکو دین سمجھ کر نہیں کیاجاتا اسلیے اُسکے درمختار میں ہونے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اور بدعات کو چونکہ دین سمجھ کر کیاجاتا ہے اسواسطے اس کے درمختار میں ہونے کی ضرورت ہے ۔ اور جبکہ یہ درمختار وغیرہ میں نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ بدعت ہیں لغو ہیں ۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر حکم کے ثبوت کا مدار شریعت پر ہے ۔ پس حدیث شریف سے اتنا ثابت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ رکھا تو تم بھی اتنا ہی کرلو باقی عید میلاد النبی وغیرہ یہ کوئی چیز نہیں ہے ۔ یہ تو تھے دلائل شرعیہ ۔ اب میں ایک اور دلیل بیان کرتا ہوں جو کہ بطور الہامی دلیل کے ہے اور اس کے بیان سے کچھ فخر مقصود نہیں ہے ۔ بلکہ ہر امر جو شریعت کے خلاف نہ ہو اور کہیں مدون بھی نہ ملا ہو اور وہ القا ہو قلب میں تو اُس کو خداتعالیٰ کیطرف سے الہام سمجھا جاویگا ۔ وہ یہ ہے کہ عجیب اتفاقی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم ولادت ووفات اور ماہ ولادت ووفات بالاتفاق اور دونوں کی تاریخ بھی علی المشہور ایک ہی ہے تو عجب نہیں کہ اس اتحاد میں اسطرف اشارہ ہو کہ کوئی شخص اس دن کو نہ یوم العید بناوے اور نہ یوم الحزن ۔ کیونکہ اگر کوئی اسکو یوم العید بنانا چاہے تو وفات کا خیال مانع خوشی ہوجاوے ۔ اور کوئی یوم الحزن بنانا چاہے تو ولادت شریفہ کا خیال مانع رنج ہوجاوے تو اس سے بھی اس دن کے یوم العید ہونے کی جڑ کٹ گئی ۔ اور چونکہ دونوں واقعوں سے زیادہ کوئی واقعہ سرور وحزن کا نہیں ہے جب ان ہی کے زمانہ کو یوم عید اور یوم الحزن بنانے کی جڑ کٹ گئی تو اور واقعات کے ازمنہ کیلیے تو بدرجہ اولیٰ ۔ اگر شرعی دلائل موجود نہ ہوتے تو ہم اس دلیل کو کوئی چیز نہ سمجھتے ۔ لیکن چونکہ اب یہ شریعت کے موافق ہے اسلیے ہم اسپر خدا کا شکر کرتے ہیں ۔ غرض وہ شبہ جو حدیث ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ وُلِدْتُ فِيْهِ سے ہوا تھا اب زائل ہوگیا ہوگا ۔ یہ ہے ہمارا کلام اس مسئلہ کے متعلق ۔ باقی نفس ذکر قطع نظر رسوم سے تو خدانخواستہ ہم اُسکا انکار کیسے کرسکتے ہیں ۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اسکو وظیفہ کے طور پر کرو ۔ اور قرآن ہی میں اسکا وظیفہ ہونا جگہ جگہ مذکور ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اور قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ عَلٰى هٰذَا اور

یوم ولادت کو عید بنانا اور یوم وفات کو ماتم بنانا دونوں کی ممانعت کا ایک لطیف نکتہ غیبیہ

نفس ذکر مستحسن ہے

ع ۵ اور اسپر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اگر کسی بدعت کو دین نہ سمجھیں بلکہ دنیوی شوکت کے لیے کریں تو کیا حرج ہے ۔ بات یہ ہے کہ ہوگی تو وہ دین ہی کی شوکت گو وہ فی الدنیا ہو ۔ اور اظہار شوکت دین عبادت ہے پس وہ ہر حال میں دین ہوگیا ۱۲ منہ

بہت جگہ قرآن شریف میں مذکور ہے تو جو شخص روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے وہ ایک دو آیت آپکے ذکر شریف کی ضرور پڑھتا ہے تو کیا ایسا شخص منکر ہوگا۔ اور دیکھئے جہاں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ موجود ہے وہیں واشھد ان محمد رسول اللہ بھی ہے۔ علی ہذا نماز میں بھی تشہد میں بھی حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے اور تشہد کے بعد تو درود شریف میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا زیادہ تر ذکر ہے تو نماز اور قرآن سبھی آپ کے ذکر سے بھرا پڑا ہے ایک اور جگہ فرماتے ہیں یا ایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا تو کون ظالم ہے کہ اس سے منع کرے اور کون ظالم ہے کہ وہ کسی کو منع کرنیوالا ہے۔ لیکن حدود سے باہر نہ نکلو۔ نماز پڑھو۔ لیکن قبلہ کیطرف منہ کرکے پڑھو۔ پس منجملہ اُن آیات کے ایک یہ آیت بھی ہے۔ جسکی میں نے تلاوت کی ہے۔ اور اسکی ایک تفسیر یہ ہے جو میں نے ذکر کی کہ نور سے مراد حضور ہوں۔ اور اس تفسیر کی ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اوپر بھی قد جاءکم رسولنا فرمایا ہے۔ تو یہ قرینہ ہے اسپر کہ دونوں جگہ جاءکم کا فاعل ایک ہو۔ دوسرے اوپر قد جاءکم رسولنا کے ساتھ جو آپکی شان بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب۔ یعنی آپ کو مبین ومظہر فرمایا ہے اب سمجھئے کہ نور کی حقیقت ہے ظاہر بنفسہ مظہر لغیرہ تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مظہر کے بہت مناسب ہے کہ مراد نور سے آپ ہوں اور اسکے آگے قرآن کی شان میں فرماتے ہیں کتاب مبین یھدی بہ اللہ تو کتاب کو تو آلہ اظہار فرمایا۔ اور آپ کو یبین میں خود مظہر فرمایا۔ پس یہ قرینہ ہے تفسیر بالا کا۔ اور گو کتاب بھی ظاہر کرنیوالی ہوتی ہے مگر اسمیں آلیت کی شان زیادہ ملحوظ ہوتی ہے توضیح اس کی یہ ہے کہ کتاب میں بھی ظہور اور اظہار دونوں ہوتے ہیں۔ اور نور میں بھی دونوں ہوتے ہیں۔ لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ نور پر جب اول بار نظر ہوتی ہے تو یہ نیت اور خیال بھی نہیں ہوتا کہ وہ خود نظر آیا ہے۔ مثلاً نور سے کتاب دیکھی۔ تو اسطرف ذہن بھی نہیں گیا کہ ہمکو نور نظر آیا ہے۔ پھر اُسکے ذریعہ سے کتاب نظر آئی ہے بلکہ اوسمیں اول ہی سے مظہر کی شان ظاہر ہوتی ہی برخلاف کتاب کے کہ اول یہی نیت ہوتی ہے کہ وہ خود سمجھ میں آوے۔ پھر سمجھ میں آنے کے بعد اُن مضامین سے دوسری جگہ کے احکام منکشف کیئے جاتے ہیں۔ تو نور کی شان میں تو اظہار غالب ہی اور کتاب میں ظہور غالب ہے تو یھدی بہ اللہ کتاب کے زیادہ مناسب ہے اور نور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ مناسب ہی یہ ہے وجہ ترجیح مگر اسمیں

[illegible]

ایک اشکال ہو سکتا ہو کہ دوسری جگہ ارشاد ہے قد جاءکم برہان من ربکم و انزلنا الیکم نوراً مبینا تو یہاں برہان سے مراد غالباً بقرینہ جاءکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں - اور نور سے مراد غالباً بقرینہ انزلنا قرآن ہو اور یہی نور وہاں بھی آیا ہے اور القرآن یفسر بعضہ بعضاً تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہم یہ کب دعویٰ کرتے ہیں کہ جہاں لفظ جاءَ ہو وہاں اُسکا فاعل حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہونگے - ممکن ہے کہ یہاں جاءکم کی اسناد کتاب کیطرف مجازاً ہو مگر جہاں اسناد حقیقی بن سکے وہاں اُس کو کیوں نہ اختیار کیا جاوے - اور یہاں یعنی قد جاءکم نورٌ میں ہو سکتا ہے - پس یہاں یہی مناسب ہوگا - دوسرے ہم انزلنا سے بھی رسولؐ ہی مراد لے سکتے ہیں - چنانچہ ایک اور مقام پر ہے انزلنا الیکم ذکراً رسولاً - رسولاً بدل بطور تفسیر ہے ذکراً سے یہاں بھی انزلنا کا معمول لفظ رسولاً واقع ہوا ہے - پس اس سے بھی تفسیر مختار پر کوئی غبار نہیں رہا - خیر یہ تو طالب علموں کے کام کی ایک بات تھی - مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کے تشریف لانے کو بطور امتنان کے فرمایا ہے تو اس سے ہمکو سبق لینا چاہیئے کہ ہم ایک تو روزانہ ذکر کیا کریں - اور اگر کوئی کہے کہ قرآن کی تلاوت میں آہی جاتا ہے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ وہ مجمل ہوتا ہے - اُس سے اکثر کچھ تفصیل نہیں سمجھ سکتے - دوسرا یہ سبق لینا چاہیئے کہ اس امتنان کے بعد یہ ارشاد ہے کہ اُن سے ہدایت ہو اور اِنابۃ ہو - اور اگر یہ حاصل نہیں کیا تو محبت نہیں ہے - اسی کو کہتے ہیں ؎

تعصی الرسول وانت تظہر حبہٗ — ھذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقاً لاطعتہٗ — ان المحب لمن یحب مطیع

یعنی حیرت ہے کہ تم دعویٰ حب رسول کا کرتے ہو - اور پھر اُنکی نافرمانی کرتے ہو - اگر تم سچے محبّ ہوتے تو ضرور اطاعت کرتے - کیونکہ محبّ محبوب کی اطاعت کیا کرتا ہے - بس یہی بیان کرنا تھا - اِسوقت اسکی تو گنجایش تھی نہیں کہ مفصل حالات کا ذکر کرتا اس لیے اصول پر اکتفا کیا - دوسرے میں نے ایک کتاب کا پتہ بھی دیدیا ہے مفصل ذکر کو جس کا جی چاہے اُس کو منگا کر اپنے پاس رکھے - اب خدا تعالےٰ سے دعا کرو کہ وہ توفیق مرضیات عطا فرماوے اور ہم سب کو اپنی اور اپنے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اطاعت عطا فرماوے

آمین

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ

تذکیر الآخرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولٰنا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم **اما بعد** فقد قال اللہ تبارک وتعالٰی :-

کلا بل تحبون العاجلۃ وتذرون الاخرہ

میں اس وقت جس مضمون کو بیان کرنا چاہتا ہوں وہ ایک نہایت ضروری مضمون ہے اور مولوی شبیر احمد صاحب کی تقریر "**دار الآخرہ**" کا گویا تتمہ ہے مولوی صاحب نے اپنی تقریر میں اعتقاد آخرت کا بیان کیا ہے میں آخرت کے متعلق عمل کا بیان کرنا چاہتا ہوں جو آیت میں نے اوپر تلاوت کی ہے اس میں خداوند تعالٰی زجر و توبیخ کے ساتھ فرماتا ہے کہ تم لوگ اس چیز کو پسند کرتے ہو جو عاجلہ ہے اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ جو لوگ دنیا کو لئے ہوئے ہیں اور دنیا میں مبتلا ہیں اور آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہیں اُن کے لئے اِس آیت میں تنبیہ ہے پہلا مضمون (مولوی شبیر احمد صاحب کا مضمون) علمی تھا اور یہ گویا عملی ہے اور چونکہ مقصود علم سے عمل ہی ہے اس لئے یہ میرا مضمون گویا اُس مضمون کا متمم ہے۔ اور ہر چند کہ بعض علوم ایسے ہیں جو قطع نظر عمل سے خود من حیث العلم بھی مقصود ہیں اور اسی لئے حکماء نے بھی اپنے فنون کے مثلاً طب ہی کے دو جز قرار دیئے ہیں علمی اور عملی اور تمام دنیا اس تقسیم کو مانتی ہے۔ اور یہ دونوں ہی مطلوب ہیں لیکن تاہم وہ علوم مقصود بھی فقط نہیں

کسی نہ کسی عمل سے من وجہ ضرور تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً خدا کے ایک ہونے کا اعتقاد ایک مقصود ہے مگر عمل میں بھی اِس کا ایسا خاص اثر ہے کہ جس درجہ کا یہ اعتقاد ہوتا ہے اُسی درجہ تک اُس عمل کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اور عارف وصحابہ کی عادت اور ہماری عبادت کا فرقِ مراتب کا یہی راز ہے:۔

عارف وصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عبادت خواہ مالی ہو یا بدنی اس کے مقابلہ میں کسی کی عبادت نہیں ہو سکتی۔ صحابہ کی عبادت میں کیا بات زیادہ ہے؟ وہی علم وخلوص عارف کی دو رکعتیں ہماری دو لاکھ رکعتوں سے بہتر و افضل ہیں اس لئے کہ علم واذعان اور خلوص اُس میں اس قدر پایا جاتا ہے جو ہماری عبادت میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت مرشدی نے فرمایا تھا کہ عارف کی دو رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعت سے بہتر و افضل ہیں۔ حضرت نے یہ غلط نہیں کہا اور نہ اس میں مبالغہ ہے حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ میرا صحابی آدھا مد غلہ خیرات کرے وہ اُحد پہاڑ کی برابر سونا خرچ کرنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے اگر اس حدیث کی بناپر آدھ سیر غلہ کے مقابلہ میں آدھ سیر سونا لیا جائے اور اُس کی نسبت سے اُحد پہاڑ کو دیکھیں تو نسبت معلوم ہوگی کہ کیا ہے۔ اور اگر یہ نسبت اس طرح لی جائے کہ بجائے آدھ سیر غلہ کے اُس کی قیمت لیکر پھر سونے کی قیمت سے موازنہ کیا جائے تو اور زیادہ نسبت حاصل ہوا اور یہ ثواب کی زیادتی صرف علم ومعرفت کی زیادتی سے ہے اور اس سے اچھی طرح صحابہ رض کی عبادت اور ہماری عبادت کی نسبت معلوم ہو سکتی ہے:۔

بعض لوگ شاید یہ کہیں کہ مولوی بھی عجیب آدمی ہیں کہیں اس حدیث کی علت محبت وخلوص کو بتلاتے ہیں اور کبھی علم ومعرفت کو اور ایک ہی حدیث سے متعدد مواقع پر متعدد کام لیتے ہیں سو واضح ہو کہ خلوص ومحبت بھی علم ومعرفت ہی سے حاصل ہوتا ہے جو صحابہ رض میں پایا جاتا تھا۔ پس ایک ہی چیز ہے خواہ اُس کو خلوص سے تعبیر کرو خواہ علم ومعرفت سے خوب کہا ہے۔ ؎

عبارا تنا شتی وحسنک واحد ۔۔۔ فکل الی ذاک الجمال یشیر

اسی علم ومعرفت سے اُن حضرات کو وہ ادراک عطا ہوا تھا کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رض نے جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اول بار دیکھا تو باوجودیکہ اُس وقت تک وہ خلوص جو بعد صحبت میسر ہوا نہ تھا مگر طلب حق کا جسقدر خلوص تھا اسی کا یہ اثر تھا کہ دیکھتے ہی بیساختہ بول اٹھے۔ ھذا لیس لوجہ کذاب ؎

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی ۔۔۔ نیک بیں باشی اگر اہل دلی

مرد حقانی کی پیشانی کا نور ۔۔۔ کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود تو جب وہ کامل خالص ہو گیا ہوگا تو کیا حال ہوا ہوگا ؎

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند　　　صاف گر باشد ندانم چوں کند

غرض صحابہؓ کو علم خالص تھا اِسی وجہ سے ہماری سعادتِ کاملہ بھی ہے کہ صحابہؓ کا اتباع کریں۔ ایک نظیر سے اس واقعہ کی کہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر کیوں چلیں اور ان کی زندگی ہماری رہنما کیوں ہے بتحقیق نہایت دل نشین مثال سے ہوسکتی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ ریل کس طرح چلتی ہے ریل کے چلنے میں متحرک اولاً انجن ہے ہر گاڑی میں انجن نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر ہر گاڑی میں انجن ہوتا تو شاید ریل چلتی بھی نہیں بلکہ ساری گاڑیوں کے لئے ایک ہی انجن ہوتا ہے۔ جو سب کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ترکیب یہ ہے کہ حرکت اولیہ ایک چیز میں ہوتی ہے اور دوسری چیزوں کو مرتبط کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ریل گاڑی میں ہوتا ہے کہ انجن صرف متحرک اولاً ہوتا ہے اور ساری ریل گاڑی انجن سے مرتبط ہوتی ہے اکیلا انجن جو متحرک اولاً ہے ساری گاڑیوں کو کالکا سے کلکتہ تک لیجاتا ہے:۔

جب ایک انجن متحرک اولاً بہت سی گاڑیوں کو ہزارہا کوس لیجاتا ہے تو کون سے تعجب کی بات ہے۔ اگر ایک شخص صحابہ سے تعلق رکھنے والا خدا تک پہنچ سکے جو شخص خدا تک پہنچنا چاہے وہ صحابہ کے انجنوں سے مرتبط ہو جائے۔ ؎

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد　　　دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

ایک چیونٹی تھی غریب و مفلوک الحال اس نے حج کے جانیکا ارادہ کیا لیکن کوئی سامان اُس کے پاس موجود نہ تھا اسی فکر میں حیران و پریشان تھی حجاج سے ترکیب پوچھی حاجیوں نے بتلایا کہ جہاز میں اتنے دنوں سفر کرنا پڑتا ہے اور اونٹوں پر اتنے دن تک سفر ہوتا ہے۔ تب کہیں یہ ہزارہا میل کا سفر ختم ہوتا ہے لیکن اس میں بڑی دقتیں ہیں ہزاروں میل کا سفر سیکڑوں روپیہ کا خرچ چور ڈاکو کا خوف جان کا خطرہ غرض بڑی بڑی تکلیفیں ہیں جن کو اُٹھا لینے کے بعد کہیں حج نصیب ہوتا ہے۔ بیچاری یہ سُنکر سخت پریشان و ہراساں ہوئی اسی ذوق وشوق اور غمگین حالت میں تھی کہ ناگہاں ایک رہبر نظر آیا جو مصداق تھا اس شعر کا ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال　　　مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

اور اس نے پوچھا کہو کیسی حالت ہے بیچاری رنج و غم میں بیٹھی ہوئی تھی ایک درد مند کو پاکر کچھ تسکین حاصل ہوئی اور کہا کہ میری حالت کیا ہے حج کو جانا چاہتی ہوں دل میں شوق محبت بھرا ہوا ہے لیکن پہنچنے کے وسائل نہیں اس وجہ سے غمگین و پریشان ہوں اگر کوئی تدبیر آپ بتلا سکیں تو للہ بتلائیے اس شخص نے کہا کہ اچھا میں ایک طریقہ بتلاؤں اگر نخوت و تکبر نہ کرو

کیونکہ نخوت و تکبر سے مقصد حاصل نہیں ہوتا اور آدمی ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ اُس نے کہا بہت بہتر میں ہر طرح راضی ہوں اتنے میں ایک کبوتر آگیا اور جنگل میں دانہ چگنے لگا وہ شخص جانتا تھا کہ یہ کبوتر حرم جانے والا ہے اس سے کہا اگر تم جانا چاہتے ہو تو اس کبوتر کے پاؤں پکڑ لو اور نخوت و غرور نہ کرو حرم میں پہنچ جاؤ گے۔ ؎

بود مورے ہوسے داشت کہ درکعبہ رسد دست برپائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

غرض اس سے یہ ہے کہ وابستگی وارتباط میں نخوت و غرور اور تکبر نہ کرو وابستگی وارتباط میں استنکاف کا ہونا ناکامیابی کی دلیل ہے اگر وابستگی کے ساتھ استنکاف کرو گے تو ہرگز کامیاب نہ ہو گے اور رہ جاؤ گے مسلمانوں میں اس کی سخت ضرورت ہے کہ وہ مقتداؤں سے ارتباط اور تعلق پیدا کریں کیونکہ مسلمانوں میں اتباع سے عار پایا جاتا ہے اور وجہ استنکاف کی یہ ہے کہ وہ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اپنے کو دولت مند اور صاحب عزت خیال کرتے ہیں اور عارف باللہ اکثر غریب و خستہ حال ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ خیال کرکے کہ لوگ چھوٹی حیثیت کے ہیں۔ غریب و مفلوک الحال ہیں میلے کچیلے اور بد حیثیت ہیں اور ہم بڑے دولتمند صاحب عزت ہمارا اور ان کا کیا جوڑ۔ ہم ان سے کیا تعلق اور ربط پیدا کریں افسوس اسی چھوٹے بڑے کے خیال نے شیطان کو راندۂ درگاہ بنایا یہاں شیطان نے یہی تو کہا تھا کہ میں ایک چھوٹی حیثیت کے وجود کو جو مجھ سے ارذل اور کمتر ہے کیوں سجدہ کروں یہی نخوت و تکبر اس کی تباہی کا موجب بنا اور اسی نے اُس کو کھویا۔ اور یہی ہمکو خراب کر رہا ہے۔ آج یہ مرض مسلمانوں میں کثرت سے ہے اور ہر شخص اس میں مبتلا پایا جاتا ہے میں اعتراضاً نہیں کہتا بلکہ شفقت کے لحاظ سے کہتا ہوں مسلمانو اس خیال کو چھوڑ دو ہماری ناکامیابی کی یہی وجہ ہے اور ہماری تباہی کا یہی موجب ہے۔ اس صورت پرستی نے ہمکو برباد کیا ہے اہل حقیقت صورت کی نسبت فرماتے ہیں۔ ؎

گر بصورت آدمی انساں بدے احمد و بوجہل ہم یکساں شدے

اینکہ می بینی خلافِ آدم اند نیستند آدم غلافِ آدم اند

لباس کو چھوٹے بڑے ہونیکا معیار نہ بناؤ لباس کو دیکھکر چھوٹے بڑے ہونے کا احتمال نہ کرو مولوی صاحب وہ روپیہ کے نوکر ہیں میلے کچیلے اور ٹوٹے پھوٹے حال میں ہیں اس کی طرف نہ دیکھو لباس کے اچھے بُرے ہونے سے آدمی کا اچھا بُرا ہونا معلوم نہیں ہوتا اگر شریعت مجبور نہ کرتی تو اہل اللہ اور عارف باللہ پائجامہ بھی نہ پہنتے ان لوگوں کو جسم کی آرایش اور زینت سے کام کیا۔ ؎

نباشد اہل باطن درپئے آرایشِ ظاہر بنقاش احتیاجے نیست دیوارِ گلستاں را

ذوق شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

عریاں ہی دفن کرنا تھا زیرِ زمیں مجھے ایک دوستوں نے اور لگادی کفن کی شاخ

اس موقع پر ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک بادشاہ ذی حشمت و شوکت تھے لیکن اُن کے بھائی لنگی باندھے ہوئے پھرا کرتے تھے۔ بادشاہ کو شرم آتی تھی کہ میں اتنا بڑا بادشاہ اور میرا بھائی صرف لنگی باندھے ہوئے پھرتا ہے۔ اُن کو بلا کر بادشاہ نے کہا کہ بھائی مجھے شرم آتی ہے تم پائجامہ تو پہن لو انہوں نے کہا ایک شرط ہے کہ جب کرتا بھی ہو کہا کرتے بہت۔ کہا کرتے کے ساتھ ٹوپی بھی ہو بادشاہ نے کہا ٹوپی بھی بہت کہا کہ جوتہ بھی ہونا چاہئے بادشاہ نے کہا جوتے بھی بہت کہا کہ جب یہ سب چیزیں ہوں تو ایک سواری بھی ہونی چاہئے بادشاہ نے کہا کہ سواری بھی ہے انہوں نے کہا سواری گھوڑے کی اور اُسکے لئے ایک اصطبل اور سائیس بھی ہونا چاہئے۔ بادشاہ نے کہا یہ چیزیں بھی موجود ہیں پھر کہا ایک مکان رہنے کے واسطے بادشاہ نے کہا بڑے بڑے عالی شان مکان آپ کے واسطے موجود ہیں کہا کہ پھر ایک سلطنت بھی ہونی چاہئے بادشاہ نے کہا کہ سلطنت بھی حاضر ہے۔ شوق سے تخت پر بیٹھئے اور حکمرانی کیجئے یہ سب پوچھکر بادشاہ سے کہنے لگے کہ میں پائجامہ ہی کیوں پہنوں جس میں اتنے جھگڑے ہوں اور ایسا بکھیڑا ہو۔ غرض جو لوگ عارف باللہ ہوتے ہیں انہیں ایسے تکلفات سے غرض نہیں ہوتی سادہ زندگی رکھتے ہیں اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ اور نہ اُن کے قلب میں اس سامان کی وقعت ہوتی ہے۔ ایک بزرگ نے ایک بادشاہ سے دریافت کیا کہ اگر آپ کسی موقع پر راستہ بھول جائیں اور وہاں پیاس معلوم ہو اور تشنگی بیچین کر رہی ہو اور ایک شخص پانی لیکر آوے اور کہے کہ میں یہ کٹورا پانی آدہی سلطنت کو فروخت کرتا ہوں تو آپ اُسے خرید لیں گے۔ بادشاہ نے کہا بلاشک میں آدہی سلطنت میں اس ایک کٹورہ پانی کو خرید لوں گا۔ بزرگ نے کہا اگر اسی طرح کبھی آپکا پیشاب بند ہو جائے اور کوئی شخص یہ کہے کہ میں نصف سلطنت کے معاوضہ میں پیشاب کا بند کھولتا ہوں۔ تو آپ اسپر راضی ہو جائیں گے۔ کہا بیشک بزرگ نے فرمایا کہ آپ کی سلطنت کی کیا قیمت۔ ایک کٹورہ بھر پانی اور پیشاب ایسی قیمت کی چیز پر نخوت و غرور کرنا اور دوسروں کو حقیر و ذلیل خیال کرنا کہانتک درست کہا جا سکتا ہے۔ یہاں سے حالت معلوم ہوئی ہوگی۔ آجکل کی ترقی کی میں ترقی کو منع نہیں کرتا بلکہ ترقی کو پسند کرتا ہوں لیکن اسی طرح جس طرح کہ ایک نیک اور مسلمان کو ترقی حاصل کرنی چاہئے۔ ایسا نہیں کہ ترقی میں دین ہی کو بھول جائیں اور خدا کا خیال بھی نہ آئے جو لوگ خدا کو جان لیتے ہیں وہ دنیا سے زیادہ محبت کیا بالکل محبت نہیں رکھتے۔ ؎

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند | فرزند و عزیز و خانماں راچہ کند

دنیا کا وجود اُن کی نظروں میں پرکاہ سے زیادہ نہیں چھوٹے چھوٹے بچے مٹی کے گھروندے کھلونے بناتے ہیں عقلاء اُن پر ہنستے ہوئے گذرتے ہیں اور بچوں کو بلاکر دکھاتے ہیں کہ اِن دیوان خانوں میں آؤ اور وہاں کو دیکھو اسی طرح عرفا اور اہل اللہ آپ کے بلند قصروں اور محلوں کو دیکھکر آپ کو دارِ آخرۃ کی ترغیب دیتے ہیں اور جب آپکو ملتفت نہیں پاتے تو وہ آپ پر ہنستے ہیں اور آپکی حالت پر یہ کہتے ہوئے افسوس کرتے ہیں ؎

دلا تاکے دریں کاخ مجازی | کنی مانند طفلاں خاکبازی
توئی آں دست پرور مرغ گستاخ | کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی | چو دوناں چغد ایں ویرانہ گشتی

پس اس سامان کو قبلہ و کعبہ مت بناؤ۔ اور اُن علماء کو جو خستہ حالت میں ہوں میلے کچیلے ہوں حقارت کی نظروں سے نہ دیکھو وہی لوگ خاصانِ خدا اور کچھ لے جانے والے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا چھوڑ دو اور تمام تعلقات کو ترک کردو۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ دنیا میں اس قدر منہمک نہ رہو کہ خدا کو بھی بھول جاؤ بلکہ دنیا کو نظرِ حقارت سے دیکھو اور خاصانِ خدا کی عزت کرو۔

اہلِ اللہ سلطنتوں اور حکومتوں کی پرواہ نہیں کرتے اور اُن کو وبالِ جان خیال کرتے ہیں قصہ مشہور ہے کہ حضرت غوثِ پاک کی خدمتِ مبارک میں سلطان سنجر نے خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ ایک حصہ ملک کا آپ کے خدام کے لئے آپ کو دیتا ہوں آپ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ ؎

چوں چترِ سنجری رخ بختم سیاہ باد | در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب | من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

ایک عارف کا قول ہے کہ ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روے | بہ زاں کہ چترِ شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے

جس شکستگی کو حقیر سمجھتے ہو اُس کی نسبت حدیث قدسی ہے انا عند المنکسرۃ قلوبھم (میں شکستہ دل لوگوں کے ساتھ ہوں) یہی شکستگی شرطِ وصول ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ | جز شکستہ می نگیرد فضلِ شاہ
ہر کجا پستی است آب آنجا رود | ہر کجا مشکل جواب آنجا رود
ہر کجا دردے شفا آنجا رود | ہر کجا رنجے دوا آنجا رود

ہم لوگوں کو طلب نہیں ہے اگر طلب ہوتی تو اتباع میں تذلیل بھی گوارا ہوتا اگر کوئی شخص کسی پر عاشق ہو جائے اور معشوقہ عاشق سے کہے کہ تمام کپڑے اُتار کر لنگوٹ بند ہو جاؤ تب وصل ہوگا۔ واللہ ایسا ہی کرے گا۔ اُس کو لنگوٹ بند ہونے میں کچھ بھی تامل نہ ہوگا۔ اور تمام شرم و حیا بالائے طاق رکھدی جائیگی۔ لیکن خدا کے لئے ایسا نہیں ہ

عشق مولے کے کم از لیلےٰ بود گوئے گشتن بہر او اولےٰ بود

ایک زندہ نظیر سے اِس کو دیکھئے کیمیا گردن کی حالت سب کو معلوم ہے کہ کپڑا اُن کے بدن پر نہیں ہوتا میلے کچیلے اور غلیظ رہتے ہیں۔ لیکن عام لوگوں کے علاوہ والیانِ ملک اور بادشاہ تک اُنکے پیچھے ایک بڑا ہوا حقہ لئے پھرا کرتے ہیں اگرچہ حقیقت میں وہ کیمیا گر نہ ہو۔ اللہ اکبر ایسی کیمیا کے لئے اپنے عیش و عشرت اپنی ذاتی عزت، وجاہت کو تباہ کر دیا لیکن جن کو سچ مچ کی کیمیا آتی ہے جو لوہے کو سونا بناتے ہیں۔ اُن کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ اگر ان کے پیچھے پھرو تو تعجب نہیں کیونکہ کیمیا گر حقیقت میں وہی ہیں۔ حاصل یہ کہ اگر تم بھی صحابہ سے ارتباط حاصل کرو گے اُن کا واسطہ ڈھونڈو گے تو یقیناً کامیاب ہو گے کیونکہ خدا تک پہنچنے کا صحیح راستہ بتلانے والے یہی ہیں۔ جس طرح کہ چیونٹی کبوتر کے پاؤں میں لگ کر کعبہ مقدسہ پہنچ گئی تو ہم بھی اسی طرح صحابہ کے پاؤں میں لگ کر کس طرح اللہ تک نہ پہنچینگے۔ پہنچینگے اور ضرور پہنچیں گے اور صحابہ سے واسطہ پیدا کرنا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واسطہ حاصل کرنا ہے۔ تو کامیابی یقینی ہے۔

غرض معرفت و علم ہی نے صحابہ کو درجہ دیا ہے علم و معرفت بہت بڑا درجہ رکھتا ہے اگر علم و معرفت کوئی چیز نہیں ہے تو دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے لیکن اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اس کا تعلق بھی عمل سے ہے بدون عمل وہ چنداں نافع نہیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ طلباء میں علم کا ناز پیدا ہو گیا ہے اور وہ خیال کرنے لگے ہیں کہ یہ علم ہمارے لئے کافی ذخیرہ ہے اور ہم بحیثیت علم ایک بڑی حیثیت رکھتے ہیں عقائد تو ان کے درست ہوتے ہیں لیکن اعمال اُن کے ٹھیک نہیں ہوتے غلطی یہ پڑی ہوتی ہے کہ وہ علوم و عقائد ہی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور عمل کی طرف توجہ نہیں کرتے ہیں اُن کو بتلاتا ہوں کہ تم عقائد کے گھمنڈ میں عمل درست نہیں کرتے اور جو کچھ ہے عمل ہی ہے اگرچہ علم و معرفت کے بعد ہی سہی قنوج میں ایک صاحب عامل بالحدیث سے ملاقات ہوئی مجھ سے کہنے لگے۔ کہ اجی حضرت ہم صرف نماز ہی کے چند مسئلوں میں حدیث پر عمل کرتے ہیں باقی معاملات میں حدیث کا نام بھی نہیں کیسے مثلاً میں عطر بیچتا ہوں اور اُس میں تیل بھی ملاتا ہوں۔ غرض عملاً

ہم بہت کمزور ہیں۔

اسی طرح ہم حنفی ہیں ہمارے عقائد درست ہیں لیکن اعمال کی شکایت ہم میں بھی ہے حالانکہ عمل وہ چیز ہے کہ جس پر سب چیز موقوف ہے۔ ہرچند کہ بعض علوم و معارف ایسے ہیں جن کا عمل سے چنداں تعلق نہیں ہے بلکہ خود وہ علوم ہی مقصود معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن شریف اور احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غایت بھی عمل سے خالی نہیں۔ مثلاً خداوند تعالیٰ کلام پاک میں فرماتا ہے کہ ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتٰب من قبل ان نبرأھا ان ذلک علی اللہ یسیر لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم اس آیت میں مسئلہ تقدیر کی تعلیم کی ہے۔ یعنی جو کچھ مصیبت آفاقی یا انفسی پہنچتی ہے وہ ہم نے پہلے سے لکھ رکھی ہے یہ ایک تعلیم ہے لیکن اس علم میں بھی ایک عملی غایت موجود ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ

ہمنے تقدیر کی تعلیم کیوں دی اس لئے کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے فوت ہو جائے اس پر مغموم مت ہو اور جو چیز مل جائے اس پر شاداں نہ ہو (مراد فرح کبر ہے) اس تعلیم میں ایک بھی بڑی خوبی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے بالکل طبیعت کے موافق بتلایا ہے۔ کیونکہ غم و رنج طبعی ہوتا ہے اس تعلیم سے غم کے موقع پر طبعاً تسلی و تسکین حاصل ہو سکتی ہے اور حوادث میں وہ سکون کا باعث ہو جاتی ہے تمام عقلا جمع ہو کر بھی ایسی تدبیر نہیں بتلا سکتے۔ غرض مسئلہ تقدیر کی ایک غایت تسلی و تسکین صبر و سکون بھی ہے چنانچہ لکیلا تاسوا میں اس کی تصریح ہے اور یہ ایک ایسی غایت ہے جس کا فائدہ اظہر من الشمس ہے ایک مفروضہ واقعہ سے یہ بات آپ کی سمجھ میں آجائیگی خیال کیجئے کہ دو شخص ایک ہی جگہ کے ہوں دونو کی ہر طرح سے یکساں حالت ہو لیکن فرق صرف یہ ہو کہ ایک اُن میں تقدیر کا قائل ہو اور دوسرا تقدیر کا قائل نہو اور دونو کے دو لڑکے بھی یکساں ہوں دونو نے یکساں تعلیم پائی ہو اور دونو کے والدین نے یکساں تعلیم دی ہو دونو کے والدین کی امیدیں اُن سے وابستہ ہوں اتفاق سے دونو لڑکے بیمار ہوں یکساں دونو کا مرض ہو اور دونوں کا معالج بھی ایک ہی ہو ڈاکٹر کی غلطی سے علاج ناکافی ہو اور دونو مر جائیں دونو کے والدین کو سخت رنج ہوگا لیکن دونو کا فرق اس موقع پر تقدیر کے مسئلہ سے ہوگا۔ جو شخص تقدیر کا قائل ہے اس کی زبان سے تو اس موقع پر بیساختہ یہ کلمہ جاری ہوگا قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا یعنے جو کچھ مصیبت آتی ہے وہ خدا ہی کی طرف سے آتی ہے فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ

خدا کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔
حضرت خضر علیہ السلام نے جو ایک لڑکے کو مار ڈالا تھا اُس میں بہتری ہی تھی خداوند تعالے بلا کسی حکمت کے کوئی کام نہیں کرتا۔ عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میرے والد کے انتقال پر ایک بدوی نے مجھ سے کہا کہ

اصبر فلکن بک صابرین فانما	صبر الرعیۃ بعد صبر الراس
آپ صبر کیجئے آپ بڑے ہیں اور ہم چھوٹے ہیں آپ کی وجہ سے ہم بھی صبر کریں گے :۔	
خیر من العباس اجرک بعدہ	واللہ خیر منک للعباس

آپ کے والد کے مرنے سے کسی کا نقصان نہیں ہوا بلکہ آپ کو اور اُن کو دونوں کو فوائد پہنچے آپ کو ثواب ملے گا جو عباسؓ سے بہتر ہے اور عباسؓ کو اللہ میاں مل گئے جو تم سے خیر ہے۔ جب کسی کا نقصان نہیں ہوا تو غم کیسا۔ یہ مقولہ ہے ایک بدوی کا جو تقدیر کا قائل تھا دیکھو اس سے کیسی تسلی ہو سکتی ہے۔
دوسرا شخص جو تقدیر کا قائل نہیں ہے کہتا ہے کہ لڑکے کو ڈاکٹر کی بے تدبیری نے مار ڈالا اگر ڈاکٹر تدبیر سے علاج کرتا تو لڑکا کبھی نہ مرتا۔ میں ڈاکٹر پر دعویٰ کروں گا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب پر دعوے دائر کر دیا گیا اور بیچارے ڈاکٹر صاحب کو جیلخانہ ہو گیا لیکن وہ حسرت اب بھی موجود ہے کہ اگر علاج میں بے تدبیری نہ ہوتی تو لڑکا نہ مرتا اس سے معلوم ہو گا کہ تقدیر کا قائل ہونا کیا کام دیتا ہے کہ غم کی عمر دو تین ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوتی چنانچہ قائل تقدیر کا سکون غم کے ازالہ کا سبب بن گیا اور منکر تقدیر کا غم ہمیشہ باقی رہا۔ اسی طرح ہر علم اور ہر اعتقاد میں ایک غایت عمل کی ضرور ہے۔
حدیث شریف میں ہے کہ خداوند تعالیٰ آخر شب میں آسمان اول پر نزول فرماتے ہیں اس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ حرکت خداوند تعالےٰ کے لئے خلاف ہے۔ لیکن اعتراض کی نوبت کیوں آتی ہے۔ غایت عمل پر نظر ہونے سے اگر غایت عمل پر نظر ہوتی یہ اعتراض ہی پیدا نہ ہوتا بلکہ یہ سُنتے ہی عزم ہوتا کہ اُس وقت توجہ الی اللہ میں زیادہ اہتمام چاہئے کہ وقت قرب وقبول کا ہے اس کا پتہ مثال سے ملیگا۔ کوئی حاکم دورہ پر ہو اور کسی جگہ سے قریب آجاوے اور لوگ آکر کہیں کہ فلاں حاکم یہاں سے ۲ میل کے قریب آگئے ہیں اور عنقریب آنا چاہتے ہیں اگر اس جگہ کے ملازم کہنے لگیں کہ کل تو اتنی دور تھے آج اس قدر مسافت طے کر کے کیونکر آسکے تو اس سے معلوم ہو گا کہ وہ لوگ کام نہیں کرتے اگر وہ کام کرتے ہوتے تو قریب ہونے کی توجیہ نہ ڈھونڈتے

بلکہ کام کی درستی کے اہتمام میں لگ جاتے اسی طرح حدیث میں خداوند تعالٰے کے قرب کو اس لئے بتلایا جاتا ہے کہ قرب کے جان لینے سے تنبیہ ہوگی اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہونگے اور بزبان حال کہیں گے ؎

امروز شاہِ شاہاں مہماں شدہ است مارا	جبریل با ملائک درباں شدہ است مارا

مجھے حضرت مولٰنا مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت یاد آئی حدیث پڑھی گئی تھی کہ جو شخص تازہ وضو سے دو رکعت نماز پڑھے اور اُن رکعتوں میں حدیث النفس نہ کرے تو اُسکے گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت ایسا ہو سکتا ہے کہ نماز میں خیال نہ آوے مولانا نے فرمایا کہ کبھی کر کے بھی دیکھا تھا یا ویسے ہی شبہ کرتے ہو۔ غرض محض الفاظ کی توجیہ کی تحقیق بیکاری کی علامت ہے عمل کو مقصود سمجھنا چاہیئے۔ اور اسی وجہ سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایسا امر کبھی نہیں پوچھا اور نہ کبھی اعتراض کیا ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم سے معراج میں کیا کیا باتیں ہوئی تھیں بزرگ نے کیا خوب جواب دیا ہے۔ ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں	بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد

کسی اور نے کہا ہے۔ ؎

تو نہ دیدی گہے سلیماں را	چہ شناسی زبان مرغاں را
عنقا شکار کس نہ شود دام مار	کیں جا ہمیشہ باد بدست ست دام را

وجہ یہ کہ تمہاری عقلوں کا جسقدر احاطہ ہے اللہ میاں کا احاطہ اُس سے بہت زیادہ ہے ان اللہ بکل شئی محیط محاط محیط کو کیا سمجھ سکتا ہے۔

پانی کے کیڑوں میں سے ایک کیڑا اس نکال کر دیکھے کہ بڑے بڑے سامان ہیں خدا کی حکمتوں سے جہان معمور ہے۔ لیکن وہ سب کے اسرار کو کیا سمجھ سکتا ہے اسی طرح محققین کی وصیت ہے ؎

حدیث مطرب ومی گو و راز دہر کمتر جو	کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

اور اس مرض سے بڑھکر علوم غیر شرعیہ کی تحقیق ہے نصوص شرعیہ سے جیسا آج کل جب کوئی مسئلہ سائنس کا سُنا اور اُس کو قرآن مجید میں داخل کرنے کی کوشش کی بھلا قرآن مجید میں سائنس وفلسفہ کے مسائل ڈھونڈھنا کواکب وغیرہ کی تحقیقات کرنا لغویات نہیں تو کیا ہے قرآن مجید میں اس کے متعلق اگر کچھ آیا ہے تو وہ توحید پر استدلال کرنے کے لئے آیا ہے تو اس غرض کو تفصیل

کی حاجت نہیں بہت اجمال بھی کافی ہے حتیٰ کہ بدوی نے استدلال کیا ہے البعرۃ تدل علی البعیر و الاثر یدل علی المسیر فالسماء ذات الابراج والارض ذات الفجاج کیف لا یدل علی اللطیف الخبیر۔ یعنی مینگنی اونٹ کا پتہ دیتی ہے۔ یہ تمام چیزیں جو کائنات میں نظر آتی ہیں خدا کے وجود پر کیسے دلیل نہ ہوں گی۔

قرآن مجید میں سائنس و فلسفہ کی تحقیقات دیکھنے کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسی کہ کوئی جوتی سینے کی ترکیب طب اکبر میں دیکھے قرآن مجید طب اکبر ہے جوتی سینے کی کتاب نہیں ہے قرآن مجید میں روحانی تربیت اور اصلاح کے نسخے ملیں گے سائنس و فلسفہ کی لغویات سے اُسے کیا تعلق اگر بقدر ضرورت کسی سائنس کے مسئلہ سے توحید وغیرہ پر استدلال کیا گیا ہے تو اُس میں کلام نہیں لیکن قرآن مجید کو سائنس کی کتاب سمجھ لینا سخت غلطی ہے۔

صحابہؓ کا خدا کی ذات و صفات پر بحث نہ کرنا امور کائنات کے متعلق کچھ دریافت نہ کرنا اس امر کو بتلاتا ہے کہ یہ سب باتیں زائد از ضرورت ہیں ایک سچے مسلمان کو ایسی باتوں سے واسطہ کیا پس علوم وہی مقصود ہیں جن کی [illegible]ت عملی بھی ہے جیسا مسئلہ تقدیر و حدیث نزول الرب میں معلوم ہوا اسی طرح توحید کی غایت میں خداوند تعالیٰ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ فرمایا ہے قل ھو اللہ احد اللہ الصمد اس سورۃ میں خدا کی ذات و صفات بیان کی گئی ہے اس سے فائدہ یہ ہے کہ جس وقت خدا کو ایسا سمجھو گے غیر خدا پر طمعاً و خوفاً نظر نہ ہوگی جس طرح حاکم کا مقرب رعایا سے نہیں ڈرتا۔ اسی طرح توحید پرست غیر خدا سے نہیں ڈرے گا۔

اکبر شاہ سے جنگل میں ایک گنوار کی دوستی ہو گئی اکبر نے گنوار کو گھر بلایا کہ اگر تمہیں کچھ ضرورت پیش ہو تو ہمارے پاس آنا گنوار کو ایک مرتبہ کچھ ضرورت پیش آئی اور وہ اکبر شاہ کے پاس آیا دیکھا کہ اکبر شاہ نماز پڑھ رہے ہیں نماز پڑھ کر دعا کی گنوار نے دیکھا کہ جب یہ خود خدا سے مانگتے ہیں تو کیا میں نہیں مانگ سکتا اکبر شاہ سے کہا کہ تمہارے احسان کی ضرورت نہیں ہم خود اس سے مانگ لیں گے جو تم کو لاکھوں دیتا ہے وہ کیا مجھے نہ دیگا توحید کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ؎

موحد چہ بر پائے ریزی زرش ۔۔۔ چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد ز کس ۔۔۔ ہمین ست بنیاد توحید و بس

اگر غور کیا جائیگا تو تمام مسائل اعتقادیہ میں علاوہ غایت نجات کے اور بھی بہت سی غایات عملی نکلیں گی پس جب علم کا عمل سے یہ تعلق ہے تو ضرور ہے کہ مسئلہ اثبات آخرت کے ساتھ

جس کا بیان مولوی شبیر احمد صاحب نے کیا ہے اُسکے اہتمام عمل کا مضمون بھی بیان کیا جائے اسلئے
میں نے اس آیت کو اختیار کیا ہے کہ یہ عمل کو بھی ضروری تبلا رہی ہے پس اس آیت (آیت مذکورۃ
العنوان) میں حق تعالے نے شکایت کی ہے محبّت دنیا کے اور آخرت کے چھوڑ دینے کی۔ اور حب دنیا سے مراد یہ ہے کہ دنیا کو
کو دین پر ترجیح دی جاوے اور آخرت کا خیال مطلقاً نہ رہے تو بعضے محبین دنیا اسکو مطلق کسب دنیا پر محمول
کرکے اس تعلیم پر مضحکہ کرتے ہیں اور تعلیم کنندوں کی مثال دیتے ہیں کہ ایک بادشاہ کے ہاں علما کا
دخل تھا بادشاہ ان کی مرضی پر چلتے تھے۔ مولوی صاحبان نے کہا کہ بادشاہ سلامت یہ تمام فوج
وغیرہ جو فضول جھگڑا لگا رکھا ہے اس سے فائدہ کیا۔ بیکار مصارف ہیں۔ مناسب ہے کہ تمام فوج موقوف کردی
جاوے۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور تمام فوج کو موقوف کر دیا۔ غنیم کو معلوم ہوا کہ فلاں بادشاہ نے فوج
کو برخاست کر دیا ہے فوراً لشکر کشی کی اور سرحد کے قریب آپہنچا۔ بادشاہ نے مولوی صاحب سے کہا کہ دشمن
حملہ کرکے آپہنچا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ہم جا کر فیصلہ کیے دیتے ہیں۔ چنانچہ گئے اور جا کر اُسکو سمجھایا
کہ یہ کام بہت بُرا ہے۔ کسی کا ملک چھین لینا بڑے گناہ کا کام ہے۔ ایسا نہ چاہیئے۔ غنیم کہیں ایسی
نصیحتوں سے باز رہ سکتا تھا ناکام واپس آئے اور بادشاہ سے کہا کہ صاحب وہ مانتا نہیں۔ آپ ہی جانے
دیجیئے۔ آپ کا ملک گیا اُسکا ایمان گیا۔ اسیطرح مولویوں کے کہنے پر چلے تو سارا گھر بار چھوڑ بیٹھے۔ میں
بقسم کہتا ہوں کہ اس الزام کی وجہ صرف یہ ہے کہ علماء کی صحبت میں نہیں رہتے۔ اُن کے پاس رہنے کے
لیئے کچھ مدت تو نکالو۔ زیادہ نہیں تو چالیس دن ہی سہی۔ افسوس ہے اپنے جسمانی معالجہ کے لیے ملازمت
سے بوضع تنخواہ رخصت لیتے ہیں۔ گھر کا انتظام کرتے ہیں۔ روپیہ خرچ کرتے ہیں جسمانی مرض کیلئے بیکار
رہنا اور نقصان گوارا کرنا منظور ہے۔ معالج ڈاکٹر کو سولہ روپیہ فیس دینے منظور لیکن روحانی مرض کیواسطے کچھ
بھی نہیں کرتے۔ عربی سول سرجن (مولوی) کے پاس روحانی امراض کے معالجہ کے لیے بہت قلیل مدت چالیس
دن اگر رہیں تو تمام اعتراضات وسوالات کے جواب ہوجائیں۔ سب کام طلب اور ضرورت سے ہوتے ہیں
چونکہ جسمانی امراض سے صحت مطلوب ہوتی ہے۔ اُس کیلئے ہر قسم کے نقصان اور تکلیف گوارا کرتے ہیں اور
روحانی مرض سے خود ہی شفا پانا مقصود نہیں ہوتا۔ کاش وہ اس کے ازالہ کی بھی ایسی ہی تدبیر کرتے
کیا کسی محقق کے پاس چالیس دن رہ لینا بھی کوئی بڑا مشکل کام ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اُس کی صحبت ہی
تمامتر شبہات کے رفع کے لیے کافی ہوجاوے گی۔ زیادہ قیل وقال کی حاجت نہ ہوگی۔ بقول ؎

	اے لقائے تو جواب ہر سوال	مشکل از تو حل شود بے قیل وقال	

اس کی دلیل یہی ہے کہ آزما کر دیکھ لو۔ بقول مولانا رح ؎

گر دلیلت باید از وے رو متاب	آفتاب آمد دلیل آفتاب

اور چالیس دن کی تخصیص جو میں نے عرض کی ماخذ اُسکا ایک حدیث ہے جسکا یہ مضمون ہے کہ جو شخص چالیس روز اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اختیار کرے اللہ تعالیٰ اُس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری کرتے ہیں لیکن یہ شرط ہے کہ مولویوں کے پاس رہنا کسی دنیوی غرض سے نہ ہو ورنہ ہرگز فائدہ نہ ہوگا۔ جیسا ایک گنوار کا واقعہ ہے۔ کہ ایک گنوار سے کسی مولویصاحب نے کہا کہ اگر تو چالیس دن نماز پڑھ لے تو تجھ کو میں ایک بھینس دوں۔ گنوار نے کہا بہت اچھا۔ جب چالیس دن گذر گئے تو گنوار آیا اور کہا مولویصاحب میں نے چالیس دن نماز پڑھ لی بھینس دلوائیے۔ مولویصاحب نے کہا کہ میں نے تو بھینس دینے کو صرف اس واسطے کہا تھا کہ تجھ کو نماز کی عادت ہو جائے۔ گنوار نے کہا کہ تو جاؤ ہمنے بھی بے وضو ہی ٹرکائی تھی۔ اگر مولویصاحب کی خدمت میں ہیں تو روٹی کھانے کی غرض سے نہیں۔ بلکہ روٹی اپنے گھر سے کھاویں تاکہ کچھ قدر بھی ہو۔ ایک مفید عام رسالہ میں نے حضرتؒ کے حکم سے چھپوایا تھا اور میں چاہتا تھا کہ مفت دوں۔ لیکن حضرتؒ نے حکم دیا کہ مفت نہیں بقیمت دینا۔ کیونکہ مفت کی قدر نہیں ہوتی۔ غرض اخلاص وعقیدت اور فراغت کے ساتھ کام کرنا چاہیئے تاکہ کچھ مفید نتیجہ نکل سکے۔ کیرانہ (ضلع مظفر نگر) میں ایک شخص کو ایک تحصیلدار صاحب نے پیش کیا اور کہا کہ ان کو بڑے شبہے ہیں۔ اگر آپ کچھ فرمائیں تو اُن کی تسکین ہو جائے۔ میں نے کہا کہ یہ میرے ساتھ چلیں اور چند روز وہاں رہیں شبہات خود بخود دُور ہو جائیں گے۔ عارف شیرازی اس چالیس دن کے لیے فرماتے ہیں ؎

ہمیں گفت ایں معما با قرینے	شنیدم رہروے در سرزمینے

پس چالیس دن تو شیشہ قلب میں محبت الٰہی کی شراب کو بساؤ۔ تمہارے قلب کو اطمینان ہو جائیگا۔ اگر بڑوں کے پاس رہنے کی ہمت نہ ہو تو خدا کے لیے تم چالیس روز میرے ہی پاس رہ کر اس سستے نسخہ سے فائدہ اٹھا کر دیکھ لو۔ غرض صحبت ہی سے یہ شبہ بھی جاتا رہیگا کہ مولوی لوگ کسب دُنیا سے منع کرتے ہیں اصل یہ ہے کہ وہ حُبِّ دُنیا سے روکتے ہیں جس کی مذمت اِس آیت میں ہے۔ اور آیت سے حدیث حب الدنیا راس کل خطیئة کی تصریح بھی ہو گئی۔

غرض ایک تو ہے کسب دُنیا اور ایک ہے حُبِّ دُنیا۔ تو کسبِ دُنیا جائز ہے اور حُبِّ دُنیا ناجائز۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک تو پاخانہ میں بضرورت طبیعت بیٹھنا اور ایک پاخانہ کو پیارا سمجھ کر اُسمیں جی لگا کر بیٹھنا۔ اوّل صورت جائز دوسری ناجائز۔ اسیطرح دُنیا کو کمانا تو جائز لیکن دُنیا کو مرغوب محبوب سمجھنا حرام قرآن شریف میں اِن ہی الفاظ سے تصریح کیگئی ہے یعنی کَلَّا بَلْ تحبون العاجلة وتذرون الاخرة

یعنی عاجلہ کو محبوب سمجھتے ہو اور آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہو۔ اور اس خصوص میں ایک شبہ کا احتمال ہے وہ یہ کہ بعضے آدمی یہ سنکر کہ یہ آیت کفار کے متعلق ہے کہنے لگتے ہیں کہ کفار کے متعلق آیات سے ہمکو کیا تعلق۔ اسیطرح اگر وہ کسی ترجمہ قرآن میں دیکھ لیتے ہیں کہ یہ آیت مکی نہیں تو وہ خیال کر لیتے ہیں کہ مکی آیت سے ہمکو کیا تعلق۔ اسیلئے اس موقع پر اسکے متعلق بھی کچھ بیان کردینا ضروری ہے۔

خداوند تعالیٰ کو کسی کی ذات سے محبت و عداوت نہیں ہے۔ بلکہ اس کی بنا اعمال خاصہ ہیں۔ اور گو بعض احکام کا مورد اگرچہ خاص ہوتا ہے لیکن الفاظ کے عموم سے حکم ہوتا ہے۔ اسیلئے کفار کی شان میں جو بعض آیات اُتری ہیں وہ اگرچہ باعتبار مورد کے خاص ہیں لیکن اُن کا حکم عام ہے۔

پس جس عمل پر کفار کی شکایت ہے۔ اگر وہ عمل ہم میں بھی ہے تو ہم کو بھی سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ دوسرے اگر پھر بھی خاص ہی مانا جاوے تب اور بھی زیادہ افسوس ہے ہم پر کہ ہم مسلمان ہیں اور یہ کافروں کی خصلتیں ہم میں پائی جائیں۔ پس ایسی حالت میں یہ شبہ کہ کفار کے متعلق آیات سے ہمیں کیا واسطہ کسی طرح گنجایش نہیں رکھتا۔ بلکہ کفار کی شان میں جو آیات ہوں اُن کا اثر ہم پر زیادہ ہونا چاہیئے۔ غرض کفار پر جو طعن و ملامت اور شکایت ہے وہ اُن کی ذات کی وجہ سے ہے یا فعل کی وجہ سے۔ یہ امر سب جانتے ہیں کہ اُن کی شکایت ذات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ فعل کی وجہ سے ہے۔ اگر تم مسلمان ہو تو اُن آیات کو دیکھ کر جو کفار کی شان میں اُن کے فعل کی وجہ سے ہیں عبرت حاصل کرو اور دیکھو کہ جو خصائل کفار کے تھے وہ آج ہم میں پائے جاتے ہیں۔ افسوس کس قدر بُری بات ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شریف کو چمار کہدیا جائے اُسکو بہت بُرا معلوم ہوگا لیکن اگر چمار کو چمار کہا جائے تو اُسکو خیال بھی نہ ہوگا۔ اسیطرح کفار کو کافر کہہ کر خطاب کرنے سے جتنا اُنہیں خیال ہوسکتا ہے اُس سے زیادہ ہمیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر میں یہی بات سمجھنا چاہیئے کہ تاویل بہ نسبت عدم تاویل کے اس خاص اعتبار سے زیادہ موجب ہے تغلیظ کو اور اس سے زجر و توبیخ اور بڑھ گئی ہے اور اشتداد کم نہیں ہوا۔ ایک اور شبہ ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ ترک آخرۃ پر جو ملامت ہے مراد اس سے ترک اعتقادی ہے یعنی انکار۔ اور ہم خدا کے فضل سے آخرۃ کے قائل ہیں۔ پس خود لفظ ہی عام نہیں اور اس لیے اُس کا مصداق ہم نہیں ہوسکتے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اوّل تو یہ قید بلا دلیل ہے۔ دوسرے اگر تسلیم بھی کیا جاوے تو دوسری بعض آیات عموم میں محکم ہیں تیسرے لفظ ظاہر سے تو شبہ اطلاق کا ہے۔ اور جس دل میں درد ہوتا ہے وہ تو تھوڑے سے لفظی التباس سے بھی بیچین ہو جاتا ہے۔ خفیف سا خفیف التباس بھی اُن کی جان پر بنا دیتا ہے۔ ع "عشق است و ہزار بدگمانی"۔ لیکن اس کے لیے طلب کی ضرورت ہوتی ہے۔ معترض خالی الذہن طلب سے دُور ہیں۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ ایک کنجڑا اُن کے سامنے سے گذرا اور آواز لگائی۔ "الخیار العشرۃ بدانق"۔ یعنی دس ککڑیاں

ایک دانگ میں - یہ آواز سُنتے ہی آپ کا ذہن "تخیار" کے دوسرے معنی کی طرف منتقل ہُوا - یعنی خیر کی جمع - آپ ایک چیخ مار کر بیہوش ہو گئے اور فرمانے لگے جب دس نیکیوں کی قیمت ایک دانگ ہے تو ہم بروں کی کیا قیمت ہے - واقع میں کسی چیز کی فکر میں یہی حال ہوتا ہے - خوب کہا ہے ؎

بسکہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی	ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

ایک اور واقعہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ آلہ وسلم ایک دفعہ جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے اور بعض لوگ پریشان پھر رہے تھے - آپ نے اُن کے بٹھلانے کے لیے ارشاد فرمایا کہ اجلسوا - اُسوقت ایک صحابی دروازہ پر تھے جس وقت آپ کی زبان مبارک سے اجلسوا کا لفظ اُن کے کان میں پہونچا اُسیوقت دروازہ ہی پر بیٹھ گئے - ہر چند یہ حکم اُن کے لیے نہ تھا لیکن شدت اطاعت غالب آگئی اور گوارا نہ ہوا کہ آپ ایک حکم فرمائیں خواہ کسی کو سہی اور اُس کی تعمیل نہ کی جائے - مسلمانو! تم میں ذوق اور محبت نہیں - طلب صادق تم میں نہیں پائی جاتی - اگر محبت و طلب ہوتی تو ہرگز ایسے شبہات و اعتراضات پیش نہ آتے - حق یہی ہے کہ اس آیت (مذکورۃ العنوان) میں خداوند تعالےٰ کا مقصود مطلقاً حب عاجلہ اور ترک آخرۃ پر شکایت کرنا ہے اور اس کے مختلف مراتب ہیں جس مرتبہ کی حُبِ دنیا ہوگی اُسی درجہ ترک آخرت ہوگی - اور ویسی ہی ملامت ہوگی - اگر حُبِ دنیا و ترک آخرت مرتبہ اعتقاد میں ہے یعنی آخرۃ کا انکار ہے تو ابدالآباد تک جہنم میں رہے گا - کیونکہ کفر ہے اور اگر آخرت کا اعتقاد تو ہے لیکن عمل نہیں تو فسق ہے اور عذاب محدود کا استحقاق - غرض جسطرح عقیدہ ضروری ہے اسیطرح عمل بھی - اور یہ عقیدہ مرجیہ کا ہے کہ عقیدہ درست ہونا چاہیے عمل کی ضرورت نہیں ہے - عمل اور ایمان دونوں اپنے اپنے درجہ پر ہیں - ہم چونکہ اہل سنت و جماعت ہیں اس لیئے دونکو ضروری سمجھتے ہیں ؎

ہر چند کہ دوسرا مرتبہ اور اُسکی شکایت اوّل کے درجہ پر نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہُوا لیکن یہ مرتبہ بھی چھوٹا نہیں خاطر جمع نہ ہو جیے بلکہ اگر یہ صغیرہ بھی ہوتا تب بھی بے فکری کی چیز نہ ہوتا - خیال کیجیے کہ چھوٹی سی چنگاری کیا گُل کھلاتی ہی - صغیرہ گناہ پر بھی جرأت کرنا بڑا زیان ہے - اگر صغیرہ کوئی بڑی بات نہیں ہے تو جو صاحب یہاں سے جائیں وہ اپنے گھر جاکر چھت میں ذراسی چنگاری آگ کی رکھ کر دیکھیں کہ وہ تھوڑی دیر میں کیا اثر دکھلاتی ہی - اسیطرح چھوٹا سا گناہ بھی تمام نیکیوں کو برباد کر سکتا ہی جسطرح کہ چھوٹی سی چنگاری سارے گھر کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے - اور دوسرا درجہ ترک آخرت کا اگرچہ معصیت ہے کفر نہیں - اور معصیت کا درجہ کفر سے کم ہے لیکن اُسپر عمل کرنا بھی تو سخت ظلم ہے اور کفر کے مقابلہ میں کم ہونے سے اُسکا فی نفسہ صغیرہ ہونا لازم نہیں آتا -

مولانا کی ایک مثال مجھے یاد آئی - فرماتے ہیں ؎

آسماں نسبت بعرش آمد فرود	لیک بس عالیست پیش خاک تود

یعنی آسمان گو عرش سے چھوٹا ہے مگر زمین سے تو بڑا ہے - اگر کوئی شئے درجہ میں چھوٹی ہو تو یہ لازم نہیں کہ وہ فی نفسہ بھی چھوٹی ہو - اور بعضے مدعی تو ہیں اعتقاداً ماننے کے مگر واقع میں وہ من حیثیت المذہب نہیں مانتے - بلکہ قومیت کی حفاظت کے لیے مانتے ہیں - مذہب چونکہ ایک ایسی چیز ہے کہ تمام افراد کو متحد بنا سکتا ہے اسوجہ سے اسکو اختیار کرلیا ہے - اگر اُن کی یہ غرض کسی اور مذہب سے حاصل ہوتی تو وہ ہرگز مسلمان نہ ہوتے - ایک اخبار میں دیکھکر سخت افسوس ہوا کہ اب چونکہ ترقی کا زمانہ ہے - اسلیے وحشیانہ خیالات کو چھوڑ دینا چاہیئے اور سب ایک ایسے نقطۂ خیال پر قائم ہو کر ایک مذہب اختیار کرلینا چاہیئے اور اُسکی صورت یہ ہے کہ توحید کو اختیار کرکے اُس کو اصل مذہب قرار دیں اور اعتقاد رسالت کی ضرورت کو بھی چھوڑ دیں - افسوس! مسلمان اور یہ رائے ؎

از مذہب من گبر و مسلماں گلہ دارد

ایک ایسے ہی شخص کے جواب میں میں نے کہا کہ خدا کی توحید کو تو تسلیم کرتے ہو اور توحید یہی ہے کہ اسکو ذات وصفات میں کامل اور متوحد خیال کیا جائے اور منجملہ کمالات کے صدق بھی ہو - جھوٹ بولنا بڑا نقص ہے - پس اعتقاد کذب منافی توحید ہوگا - اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے محمد رسول اللہ -

پس جو شخص رسالت کا منکر ہوگا وہ توحید ہی کا منکر ہوگا - پس ثابت ہوا کہ توحید کا قائل ہوگا لازم ہے کہ رسالت کا بھی قائل ہو - مگر ایسے قوم پرست رسالت ہی کا خاتمہ کیے دیتے ہیں - اور ایسے لوگ اگرچہ بعض اوقات اسلام کی کچھ خدمت بھی کرتے ہیں - لیکن خدمت ہمارے نزدیک اس لیے قابل قدر نہیں کہ اُن کا مقصود خود خدمتِ مذہب نہیں ہے - بلکہ محض ترقی قوم مقصود ہے - اور اگر اسلام کو سچا سمجھ کر اُس کی خدمت کی جاتی تو اُن کے آثار سے اُس کی جھلک معلوم ہوتی - لیکن واقعات اس کے خلاف ہیں - چنانچہ عقاید اسلام پر جرح کی جاتی ہے - اہل دین کو حقیر سمجھا جاتا ہے - مسائل اسلام میں شبہات پیدا کیے جاتے ہیں - اگر حق سمجھ کر دین و مذہب کی خدمت کی جاتی تو ان باتوں کی کہاں نوبت آتی - ان کی غرض تو صرف قومیت کا بڑھانا اور قومیت کو نشو و نما بخشنا ہے - جس طرح دوسری قومیں ترقی حاصل کر رہی ہیں - ترقی کی دوڑ میں سب سے اخیر مسلمان جاگے لیکن ایسے جاگے کہ سوتے ہی رہتے تو زیادہ بہتر ہوتا - غرض ترک خدمت کے مراتب مختلف ہیں - اور اس کے اعتبار سے آج کل چند قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں ؂

(۱) پرانی وضع کے امراء جو عام قسم کی برائیوں میں مبتلا پائے جاتے ہیں اگرچہ آسائشی زندگی نے انہیں بنادیا ہے کہ اونکی عملی زندگی بہت خراب ہے لیکن وہ بایں ہمہ جب علماء و صلحاء کو دیکھتے ہیں تو دل سے تعظیم بجالاتے ہیں اور جھک جاتے ہیں اور یہ سمجھکر کہ یہ لوگ اللہ والے ہیں اونکا ادب کرنا چاہئے ادب کرتے ہیں حتیٰ کہ محض درویش صورتوں تک سے ڈرتے ہیں خدمت کرتے ہیں اگرچہ وہ رہزن ہی کیوں نہ ہوں اور واقع میں یہ دنیادار لوگ ان درویشوں سے ہزار درجے بہتر ہیں
میرے ایک عزیز بیان کرتے تھے کہ فلاں جگہ کے امراء تمام جنتی ہیں اور فقراء دوزخی کیونکہ امراء تو فقراء سے دین کیلئے تعلق رکھتے ہیں اور فقراء امراء سے دنیا کا تعلق رکھتے ہیں۔
ایک حکایت کسی پیر مرد کی مشہور ہے کہ مرید نے پیر سے خواب میں بیان کیا دیکھتا ہوں کہ میری انگلیاں پاخانہ میں بھری ہوئی ہیں اور آپکی انگلیاں شہد میں پیرجی نے کہا ہاں ٹھیک تو ہے اسمیں شک ہی کیا ہے ہم ایسے ہی ہیں اور تو ایسا ہی ہے۔ مرید نے کہا ابھی خواب پورا نہیں ہوا یہ بھی دیکھا کہ میں تمہاری انگلیاں چاٹ رہا ہوں اور تم میری انگلیاں چاٹ رہے ہو پیر بہت خفا ہوئے اس حکایت کا وہی حاصل ہے کہ مرید تو پیر سے دین حاصل کرنا چاہتا ہے کہ وہ مشابہ شہد کے ہے اور پیر مرید سے دنیا حاصل کرنا چاہتا ہے کہ مشابہ پاخانہ کے ہے۔
(۲) وہ لوگ ہیں جن کے دل میں اسلام کی وقعت و عظمت ہی نہیں پہلی قسم کے لوگوں کا علاج موت کو یاد کرنا ہے علم و اعتقاد تو تھا ہی عمل کی کمی تھی اس وجہ سے موت کی یاد انکے لئے عبرت بخش ہوگی چنانچہ فرمایا گیا ہے اکثروا ذکر ھاذم اللذات موت کو اکثر یاد کیا کرو موت کے خیال اور مراقبہ سے بہت جلد اصلاح ہو جائیگی علاوہ ازیں فرمایا گیا ہے کہ اگر بیس مرتبہ روزانہ موت کو یاد کیا کرے تو شہادت کا مرتبہ حاصل ہو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف موت کا نام لے لیا کرے بلکہ غرض یہ ہے کہ موت کو اسی طرح یاد کرو کہ گناہوں سے بچانیکا سبب بنجائے۔
دوسروں کا علاج یہ ہے کہ وہ کسی محقق کی خدمت میں رہیں خدا کے لئے مسلمانو رحم کرو تم نہایت خطرناک حالت میں ہو تمہاری اصلاح کی سخت ضرورت ہے اب معلوم کرنا چاہئے کہ جس طرح اہل دنیا کی یہ قسمیں ہیں اسی طرح اہل دین باعتبار ترک آخرت کے دو قسم پر ہیں اہل ظاہر و اہل باطن ظاہری دینداروں میں یہ کمی ہے کہ بعض اعمال آخرت کے جن کے ترک کو وضع کے خلاف نہیں سمجھتے انہوں نے چھوڑ رکھے ہیں اور مضرات آخرت میں مبتلا ہیں مثلاً غیبت کرنا جو بلائے عام ہونیکے سبب نخل تقویٰ ہی نہیں سمجھا جاتا جیسا بی بی تمیزہ کا وضو تھا کہ فسق و فجور سے بھی نہ ٹوٹتا تھا

اس کا علاج یہ ہے ؂

قال را بگذار و مرد حال شو　　　پیش مرد کاملے پا مال شو

اور بدون اسکے تو اکثر حالت یہ رہتی ہے ؂

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و ممبر می کنند　　　چوں بخلوت میروند آں کار دیگر می کنند

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس　　　توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند۔

یہ تو خرابی واعظوں میں ہے ایک خرابی تارکین وعظ میں اس سے بڑھکر ہے وہ یہ کہ بعضے لوگ اس لئے خود واعظ نہیں کہتے کہ خود عامل نہیں اس میں دو گناہ ہیں ایک تو خود عامل نہ ہونا اور عمل کرنیکی کوشش نہ کرنا دوسرے اور لوگوں کو بھی تبلیغ نہ کرنا بعض اہل علم دولتمندوں کے پاس پڑے رہتے ہیں اور لالچی و طماع ہو جاتے ہیں یہ بری بات ہے جو لوگ اچھے ہوتے ہیں وہ دولتمندوں سے متنفر رہتے ہیں بئس الفقیر علی باب الامیر ونعم الامیر علیٰ باب الفقیر اسی لئے وہ حق نہیں کہ سکتا کیونکہ طمع ان کو مانع ہوتی ہے ع طمع بگسل و ہرچہ خواہی بگو۔

شاہ سلیم کا واقعہ ہے کہ شاہجہاں انکے پاس آئے تو انہوں نے پاؤں بھی نہ سمیٹے جو کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ جب سے ہاتھ سمیٹا پاؤں پھیلا دیا۔

مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ لکھنؤ تشریف لے گئے لکھنؤ کے ایک شہزادہ حاضر ہوئے اور زمین سلام کیا آپنے انگوٹھا دکھا دیا اس نے اشرفی نذر دی آپنے منہ چڑا دیا مولانا نے ایسا قصداً کیا تھا کیوں ؟ اس لیئے کہ اہل دنیا تنگ نہ کریں اور غیر مہذب سمجھکر وہ پاس نہ آئیں تاکہ دنیا داروں کے جھگڑوں نجات ہو یہ سب بے طمعی کا سبب تھا پس حب مال کا علاج ایسے اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنا ہے اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنے سے مال و دولت سے محبت دور ہو جاتی ہے اور غناء باطنی حاصل ہوتا ہے یہ کمی تھی اہل ظاہر میں اس سے اہل باطن خوش ہو رہے ہونگے کہ ہم میں کوئی کمی نہیں اور نہ کوئی خرابی ہے لیکن انکو واضح رہنا چاہیئے کہ لطیف غذا جب بگڑتی ہے تو سب سے ہی زیادہ گندی ہو جاتی ہے اسی طرح صوفیوں کا بگڑنا ہے ان میں جو بگڑتے ہیں ان میں بد خلقی بد مزاجی وغیرہ ایسی بری باتیں پائی جاتی ہیں حالانکہ درویشوں میں ان امور کا پایا جانا نہایت ہی مستنکر ہے۔

حضرت خلیفہ کعبہ کی تعلیم بتلاتا ہوں حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ بعض درویش امراء کی تحقیر کرتے ہیں یہ ہمیں پسند نہیں جب امیر تمہارے دروازے پر آگیا تو حسب قول

نعم الامیر علی باب الفقیر وہ نعم الامیر میں داخل ہوگیا اس لئے اُس سے اخلاق برتنا چاہئے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب سے ملتے اور سب کی تعظیم کرتے تھے نزلوا الناس منازلھم ہمارے لئے حکم ہے یعنی لوگوں کو اُن کے مرتبے کے موافق بٹھاؤ میرا خیال ہے کہ خدا جس کو بڑا بنائے جیسے امراء اُس کو تم بھی بڑا سمجھو البتہ خوشامد و طمع سے دور رہو اور خوش اخلاقی برتو مگر افسوس ہے کہ جو خوش اخلاق بنے ہیں وہ امراء سے خود ملتے نہیں امراء کے گھروں پر جاتے نہیں تو ایسوں سے بھلا انکی اصلاح کیونکر ہو پس نہ تو خود اُن کے گھر جائیں اور نہ انکو اپنے آنے سے روکیں بلکہ اگر وہ آئیں تو ان سے ملنے میں عذر نہ کریں کیونکہ انکی اصلاح بھی تمہارا فرض ہے۔

اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ بعض امراء اور دنیا دار علماء کی جو شکایت کیا کرتے ہیں وہ خود ہماری اصلاح کیلئے ہمارے پاس کیوں نہیں آتے یہ شکایت بیجا ہے انہیں غور کرنا چاہئے کہ پیاسا کنوئیں کے پاس آتا ہے کنوئیں پیاسوں کے پاس نہیں آیا کرتے علماء کو تمہاری ضرورت نہیں تمکو علماء کی ضرورت ہے تم انکے پاس جاؤ کیا کبھی سول سرجن بھی بغیر بلائے اور فیس لئے تمہارے گھر آیا ہے اس خیال سے اگر میری رائے میں مولوی بھی اپنی فیس مقرر کردیں تو اچھا ہے لیکن ابھی مولوی جلدی نہ کریں کہیں میری رائے ظاہر ہوتے ہی فیس لگا دیں بلکہ ابھی کچھ انتظار کریں ابھی اسکا موسم نہیں آیا ہے یہ عیب مذکور بد مزاجی کا تو دنیا دار درویشوں میں ہے دوسرا عیب جو سچے صوفیوں میں ہے حب العاجلہ کا ہے وہ دقیق ہے وہ یہ کہ ذرا سا کام کر لینے کے بعد اس امر کے منتظر رہتے ہیں کہ کوئی کیفیت پیدا ہو اور جب کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو پیر صاحب سے شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے ورد پڑھا سب کچھ کیا لیکن ابھی تک کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوئی یہ بھی حب عاجلہ میں داخل ہے کیونکہ کیفیت ثمرہ عاجلہ ہے جو موعود بھی نہیں اصل موعود و مقصود ثمرہ آخرت کا ہے کہ وہ نجات اور رضا ہے پس یہ بھی بڑی کمی ہے جسپر نظر ہی نہیں ہے اسکا علاج نقل کرتا ہوں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی آکر یہ کہتا کہ حضرت اللہ کے نام سے کچھ فائدہ نہیں ہوا آپ جواب میں فرماتے کہ یہ فائدہ کیا کم ہے کہ اللہ کا نام لیتے رہو۔ ؎

گفت آں اللہ تو لبیک ماست وین نیاز و سوز دردل پیک ماست

نیز حضرت نے فرمایا کہ تم کسی امیر کے گھر جاؤ جو تمہارا آنا پسند نہ کرے تو وہ کان پکڑ کر نکال دیگا پس جب مسجد میں جاتے ہو اور وہاں سے نہیں نکالے جاتے تو سمجھو کہ حاضری مقبول ہے چنانچہ غیر مقبولین کو حاضری کی توفیق بھی نہیں ہوتی ایک نقلہ ہے کہ کسی امیر کے غلام نے نماز کے وقت مالک سے اجازت چاہی مالک نے کہا اچھا غلام مسجد میں چلے گئے اور مالک دروازے پر بیٹھے رہے غلام کو بہت دیر ہوگئی اور مالک نے مجبور ہو کر

بکار کر دریافت کیا کہ اتنی دیر سے کیا کر رہے ہو غلام نے کہا کہ باہر آنے نہیں دیتا مالک نے کہا کون باہر آنے نہیں دیتا؟ اس نے جواب دیا کہ وہ جو تمکو اندر نہیں آنے دیتا۔

ایک شخص نے ایک محقق سے کہا کہ اتنے دن ہوئے ذکر و شغل کا کچھہ نتیجہ نہیں نکلا جوابمیں فرمایا کہ اگر نفع بھی نہ ہو تو کچھہ پروا نہیں اسکی مثال اسطرح ہے کہ مالک کسی غلام سے کوئی کام لے اور وہ مالک سے کہے کہ کیا ملیگا کیا غلام کا یہ جواب گستاخی نہو گا۔ اسی طرح ہم خدا کے غلام ہیں ہمیں کیا حق ہے کہ ہم اس سے کچھہ معاوضہ مانگیں بوستانمیں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص عبادت کرتا تھا آواز آئی کہ قبول نہیں ہوتی مگر وہ عبادتمیں مشغول رہا ایک مرید نے پیر سے کہا کہ ایسی عبادت سے کیا فائدہ جو مقبول نہیں ہوتی پیر نے کہا اے برخوردار ؎

تو انی ازاں دل بپرداختن | کہ دانی کہ بے او توان ساختن

اگر دوسرا دروازہ ہوتا تو میں وہاں چلا جاتا دروازہ بھی ایک ہے اس سے علیحدہ ہو کر کہاں ٹھکانا ہے اس پر فوراً آواز آئی ؎

قبول است گرچہ ہنر نیست است | کہ جز ما پناہ دگر نیست است

کانپور میں ایک بزرگ تھے شاہ غلام رسول رسول نما وہ اپنی توجہ سے رسول مقبول صلعم کی زیارت کرا دیتے تھے انکے علاوہ اور بھی ایسے لوگ گذرے ہیں وہ لکھنؤ اپنے مرشد کے پاس گئے بیعت ہونیکے لئے مرشد نے استخارہ کے لئے فرمایا شاہ صاحب وہاں سے تھوڑی دور ہٹ کر جا بیٹھے پھر حاضر ہو گئے مرشد نے کہا یہ کیسا استخارہ تھا کہا کہ میں نے بیعت ہونے کیلئے نفس سے کہا کہ بیعت بک جانے کو کہتے ہیں تو آزادی کو چھوڑ کر غلام بنتا ہے کیوں بیوقوف ہوا ہے نفس نے جواب دیا کہ بک جانیکے بعد خدا تو ملے گا میں نے کہا کہ کیا تیرا اجارہ ہے اگر نہ ملا نفس نے کہا اگر نہ ملیگا تو بلا سے مگر اُسے خبر تو ہو گی کہ ہمکو کسی نے طلب کیا تھا مگر ہم نہ ؎

ہمینم بس کہ داند ماہر ویم | کہ من نیز از خریداران اویم

مولوی صاحب نے فرمایا جزاک اللہ ایسا استخارہ کسی نے نہیں کیا۔

ہر کام میں مقصود کام ہی ہونا چاہیے خواہ ثمرہ ملے یا نہ ملے ہر حالت میں راضی رہنا چاہیے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو تحبون العاجلہ میں من وجہہ داخل ہو گے مسلمانو آخرۃ کیلئے عمل کرو ورنہ اس شکایت میں داخل ہو جاؤ گے ۔

الاتفاق

اَیْنَ	مَتٰی	کَمْ	کَیْفَ	مَاذَا	مَنِ اسْتَفَادَ	لِمَ	مَنْ ضَبَطَ	اَلْمُسْتَمِعُوْنَ	اَشْتَاتٌ
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر	کیا مضمون تھا	کس طبقہ کو زیادہ مفید ہے	کیوں ہوا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ	۲ گھنٹہ ۴۰ منٹ	بیٹھکر	اتفاق کے اسباب کی تشخیص	تعلیم یافتہ حضرات کو	وعظ کے شروع میں مذکور ہے	محمد عبداللہ اسعد عفی عنہ گنگوہی	۲۰۰ دو سو	دیہاتوں دعوام قصباتی اور کچھ اہل علم اور بعض ترقی خواہوں کا مجمع تھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا

یہ آیت سورہ مریم کی ہے۔ مجھ کو اس سے ایک ضروری مضمون کا بیان کرنا مقصود ہے۔ اور خود اسکی ضرورت تو پہلے سے سب ہی کے نزدیک مسلّم ہے۔ مگر بیان کی ضرورت ذہن میں ابھی آئی ہے۔ میں گڈھی پختہ گیا تھا اُسکے متصل حسن پور ہے وہاں بھی جانا ہوا اور وہاں وعظ بھی ہوا تھا۔ عین بیان کے وقت اس مضمون کی ضرورت بھی ذہن میں آئی چنانچہ کچھ ناتمام سا بیان بھی کیا۔ ارادہ یہ تھا کہ اس مضمون کو کسی موقع پر مستقلاً بیان کرونگا۔ آج بیان کا ارادہ نہ تھا۔ لیکن بعض احباب اور بعض اعزہ تشریف لائے اور زبان حال سے ان کی فرمایش اور اشتیاق ظاہر ہوا۔ اسلیے دل چاہا کہ اس مضمون کو آج بیان کردوں۔ لیکن یہ سوچتا تھا کہ اس مضمون کو کسی آیت یا حدیث سے بیان کروں۔ کوئی آیت یا حدیث ایسی سمجھ میں آتی تھی کہ مضمون اُسکا مدلول صریح ہو۔ جمعہ سے پہلے غسل وغیرہ کی تیاری میں پھر رہا تھا کہ اتفاقاً یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے زبان پر جاری ہوگئی لیکن اس خیال سے نہیں کہ اس مضمون سے اسکا تعلق ذہن میں ہو بلکہ اسطور سے کہ ہر مسلمان کو خالی وقت میں شوق میں کسی آیت یا حدیث کے زبان سے تکرار کرنیکی توفیق ہو ہی جاتی ہے۔ عین تلاوت کے وقت تو کچھ خیال نہیں آیا۔ بعد میں دفعتہً ذہن منتقل ہوا کہ یہ تو میرے مقصود پر صریح دال وناطق ہے۔ میں نے اسکو من جانب اللہ سمجھا اور اسکو اپنے مضمون مقصود کا متمسک بنایا۔ رہا یہ کہ

وہ مضمون کیا ہے سو وہ نفس ترجمہ سے ذہن میں آویگا۔ مگر برکت کے لیے اوّل ترجمہ کسیقدر تفسیر کیساتھ کیے دیتا ہوں
حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل کیے عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کیلیے
محبت پیدا کر دینگے۔ یعنی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لیے اللہ تعالیٰ ایک وعدہ فرماتے ہیں اور وعدہ بھی
قریب کا۔ گو یہ آخرت کا وعدہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت بھی قریب ہی ہی مگر سیجعل کے س سے متبادر یہی ہے
کہ دنیا کا وعدہ ہے۔ کیونکہ قرب متعارف دُنیا ہی کو ہے۔ چنانچہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کام جلدی ہو جائیگا تو
یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بہت جلد ہو جائیگا۔ پس ہمکو بناءً علی القواعد اللسانیہ یہ حق حاصل ہی کہ جس شئی کی نسبت حق تعالےٰ
جلدی ہو جانے کا وعدہ فرمادیں اُسکو دُنیا کے وعدہ پر اور دُنیا میں بھی بہت جلد حاصل ہو جانے پر محمول کریں۔
بہر حال ایمان اور عمل صالح پر وعدہ وُدّ کا جسکا نام محبت ہی فرماتے ہیں۔ یعنی ایمان اور عمل صالح والوں کی محبت
اللہ تعالیٰ پیدا کر دینگے۔ اس مقام پر اہل علم اسکو یاد رکھیں کہ میں نے اس حاصل ترجمہ میں وُدّ کو مصدر مبنی للمفعول
یعنی مصدر مجہول لیا ہے۔ آگے چلکر یہ بات کام آویگی۔ یہ تو ترجمہ ہوا آیۃ کا۔ اس ترجمہ سے وہ مضمون ذہن میں
آیا ہوگا۔ قبل اسکے کہ میں آیت سے اپنا مضمون مقصود استنباط کروں اوّل اُس مضمون کی تعیین کر دوں اور اُس
سے بھی اوّل سمجھنا چاہیے کہ وہ مسئلہ جس طرح قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے اسیطرح وہ تمدن کا بھی مسئلہ ہی بلکہ
تمدن پرستوں کے نزدیک تو تمامی مسائل تمدن کا وہی اصل الاصول اور اس اور اساس ہی اور اُنکا کوئی لکچر و تقریر اس سے
خالی نہیں ہوتا وہ مسئلہ کیا ہی **اتفاق**۔ ساری دُنیا اسکی دعوت دیتی ہی خواہ اُس کی حقیقت سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے
ہوں لیکن سبپر اتفاق ہی کہ اتفاق ضروری ہے۔ اور تمدن کے تمام اصول اسپر موقوف ہیں۔ کوئی اصل تمدن
کی بغیر اس کے بار آور نہیں ہو سکتی۔ ہر چند کہ اب شہرت کی وجہ سے یہ مسئلہ باوقعت نہیں ہا لیکن حقیقت کے اعتبار سے
اب بھی اہمات مسائل سے ہی۔ خصوص تمدن کو اس کے ساتھ بہت ہی بڑا علاقہ بلکہ اُسکا موقوف علیہ اور مبنیٰ ہی۔ پس میں
اس مسئلہ کو اس آیت سے بیان کرنا چاہتا ہوں اور اس کے سُننے کے بعد یہ بھی معلوم ہو جاویگا کہ قرآن مجید
ہی وہ شئے ہی کہ ہمکو ہر موقع اور ہر شئی میں اسکی ضرورت ہی۔ کوئی حالت ہماری ایسی نہیں کہ ہمکو اسکی ضرورت نہ ہو۔ لیکن اسکے یہ
معنی نہیں کہ اگر کپڑا بننے کی ضرورت ہو یا مکان بنانیکی ضرورت ہو یا کوئی مشین چلانیکی ضرورت ہو تو اسکا بھی طریقہ قرآن
مجید میں مذکور ہی۔ ہم اسکا دعویٰ نہیں کرتے اور نہ ہم اسکو نباہ سکتے ہیں۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اسکا بھی التزام کیا ہے
چنانچہ شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ کی ایک کتاب ہی۔ شجرہ نعمانیہ اسکا نام ہی۔ اُنہوں نے اپنے زمانہ سے لیکر نفخ صور تک
کے حالات صرف سورہ روم کی اوّل آیات سے لکھے ہیں اور اُسمیں علم جفر و تکسیر وغیرہ سے کام لیا ہے۔ حروف کے اعداد
لیکر اُن کے اندر کچھ قواعد جاری کیے ہیں۔ اصل میں تو واقعات اُنکو منکشف ہوئے ہیں اُنہوں نے خاص فوق و سلیقہ
سے اِن آیات سے اُن کو چسپاں کر دیا ہی۔ اور یہ سب رموز ہیں پھر اُسکی شرح بھی خود ہی لکھی ہی وہ بھی رموز میں ہے۔ پھر

کسی بزرگ نے اُسکی شرح کی بھی شرح لکھی ہی لیکن وہ بھی رموز و اشارات میں ہی - باوجود اسقدر اخفا کے پھر ڈرتے رہے کہ کوئی سمجھ کر ظاہر نہ کر ڈالے - اسلیے ماتن اور شارح دونوں نے بے انتہا قسمیں دی ہیں کہ اگر کوئی انکو سمجھ جاوے تو منہ پر نہ لاوے - بعضوں نے اور علوم بھی قرآن مجید سے نکالے ہیں اور اسی بنا پر بعض لوگوں نے کہا ہی ؂ جمیع العلم فی القرآن لاکن + تقاصر عنہ افہام الرجال + مگر میں کہتا ہوں ؂ ومن یدنی حب الدیار لاہلہا + وللناس فیما یعشقون مذاہب + ہر شخص کا مذاق جُدا ہے - ہمارا مذاق تو اسکے خلاف ہی - ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہر کتاب کا کمال اُسکے موضوع کے اعتبار سے ہوتا ہے یعنی جس فن کی وہ کتاب ہے اُس فن میں یکتا ہونا اور زوائد سے خالی ہونا یہی اُسکی خوبی ہے - طب اکبر کی یہ خوبی نہیں ہی کہ اُسمیں غیر طب کے بھی مسائل ہوں مثلاً صرف و نحو کے مسائل اُسمیں مذکور ہوں اُسکا کمال تو یہ ہے کہ اُسمیں طب کے مسائل خوبی سے درج ہوں - ہاں اُنکے ضمن میں یا اُن مسائل کی تتمیم کے لیے اگر دوسرے فن کے مسائل آجاویں تو مضائقہ نہیں جیسے نفیسی کی کلیات میں فلسفہ سے کام لیا گیا ہی - پس قرآن مجید ایک طب کی کتاب ہے - آپکو یہ جملہ سنکر شاید شبہ ہوا ہوگا کہ قرآن مجید میں گل بنفشہ کا تو کہیں ذکر نہیں پھر اسکو طب کیسے کہدیا صاحبو میری مراد طب سے طب جسمانی نہیں ہی - طب روحانی ہے - یہ طب وہ ہے جسکی نسبت فرماتے ہیں ؂ چند خوانی حکمت یونانیاں + حکمت ایمانیاں ہم بخواں + آگے دونوں طبوں کی غایت بیان فرماتے ہیں ؂ صحت این حس بجوئید از طبیب + صحت آں حس بجوئید از حبیب + صحت ایں حس ز معموری تن + صحت آں حس ز تخریب بدن + تو قرآن مجید اس طب کی کتاب ہے - تفصیل اس اجمال کی یہ ہی کہ طب بدنی کی کتابوں میں تو امراض بدنیہ اور اُنکے علاج اور تدبیریں لکھی ہیں جس کا ثمرہ صحت و بقاء محدود دنیوی ہے اور قرآن مجید جس طب کی کتاب ہے اُس میں امراض نفسانیہ اور اُنکا علاج مذکور ہے اور اسکا ثمرہ ہلاکت ابدی سے نجات ہے - پس قرآن مجید میں صرف اِس طب کے مسائل ہونا قرآن مجید کا یہی کمال ہی - اور دوسرے مسائل اپنے ذہن سے اُسمیں نکالنا یہ قرآن مجید کے لیے نقص کا باعث ہوگا - باقی بزرگوں کے کلام میں جو غیر فن کے بعض اسرار کا تعلق قرآن مجید سے متوہم ہوتا ہے سو وہ مدلولات کی حیثیت سے نہیں بلکہ لطائف کے درجہ میں ہی + آجکل بہت سے قرآن مجید کے دشمن دوست نما پیدا ہوئے ہیں جو قرآن مجید میں سے سائنس کے مسائل درجہ دلالت میں ثابت کرتے ہیں - یہ سخت دہوکہ میں پڑے ہوئے ہیں - وہ تو فخر کے طور پر کہتے ہیں کہ جو مسئلہ اہل یورپ اور سائنس والوں نے آج سمجھا ہے وہ قرآن مجید میں تیرہ سو برس پہلے محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکل چکا ہے - لیکن فی الواقع ؂ دوستی بے خرد چوں دشمنی ست + حق تعالی زیں چنیں خدمت غنی ست + خدا کو اور خدا کے کلام کو اس خیر خواہی کی ضرورت نہیں یاد رکھو اس مسلک میں کئی طرح کی دشمنی ہے - اور مولوی لوگ اُن مسائل کی تحقیق اور قرآن مجید کے ساتھ زبردستی چسپاں ہو سکنے کی تقریر سے بے خبر نہیں ہیں - چنانچہ میں حالانکہ ایک ادنیٰ طالب علم ہوں مگر خود

میرے پاس اسکا بڑا دفتر ذہن میں موجود ہی لیکن اُن ہی خرابیوں کے سبب قرآن مجید سے اُنکو کبھی متعلق نہیں کیا جاتا
بقول بزرگے ؎ مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز + ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست ؛ ہمارے
زمانہ کے یہ محققین تو یوں سمجھتے ہیں کہ اِن مُلّانوں کو خبر نہیں ہو - صاحبو اِن مدعیوں کو تو ایک ہی خبر ہے کہ یہ
مسائل قرآن مجید سے اِسطرح نکلتے ہیں اور مُلّانوں کو اسکی بھی خبر ہے اور اِسمیں جو مضرت ہو اُسکی بھی خبر ہے
چنانچہ اہل نظر و تحقیق کے نزدیک ایک خرابی جو اِسکے لیے لازم غیر منفک ہے یہ ہو کہ جس فن کی وہ کتاب ہے وہ مسئلے
اُس فن کے نہیں - طب کی کتاب اگر کوئی لکھے اور اُسمیں ایک فصل تو لکھے امراض رأس کی اور آگے اُسکے فعل فعلا
فعلوا کی بحث لکھے پھر دوسری فصل لکھے امراض بطن کی اور تیسری فصل میں یفعل یفعلان کی بحث لکھدے تو کتاب
کیا ہوگی - آدھی میزان الطب اور آدھی میزان الصرف اُسکو کہا جاویگا - پھر اُسکو اگر اہل علم کے روبرو پیش کیا جاوے
تو اُس کتاب کو کون پسند کریگا - تو کیا قرآن مجید کو آپ ایسا بنانا چاہتے ہیں - کیا یہ قرآن مجید کے لیے نقص نہوگا
دوسرے جو مسائل قرآن مجید سے یہ لوگ استنباط کرتے ہیں اور جن کے اوپر بڑا فخر و ناز ہے وہ کوئی وقیع مسائل
بھی نہیں - سب ممد و معاون شکم و دہن کے ہیں تو جن کے نزدیک شکم و دہن اور اُنکی خدمت بڑی چیز ہو اُنکے
نزدیک یہ مسائل بیشک مہتم بالشان اور مایۂ فخر و ناز ہونگے - ہم تو اُنکو کچھ بھی نہیں سمجھتے - اور اگر وہ ایسے مسائل
ہوں جنمیں شکم و دہان کی بھی امداد نہیں تو پھر تو بالکل ہی لغو ہونگے - کیونکہ نہ آخرت کے لیے مفید نہ دنیا کیلیے نافع
حاصل یہ کہ وہ مسائل اگر کچھ کام کے ہیں تو دُنیا ہی کے کام کے ہیں تو جنکے نزدیک دُنیا بڑی چیز ہے وہ اِن مسائل پر فخر
کرے اور جنکو دُنیا اُس کی اصلی حالت پر نظر آرہی ہو اور وہ اصلی حالت کیا ہی یہ ہو کہ لو کانت الدنیا عند اللہ جناح
بعوضۃ ما سقی منہا کافراً شربۃ ماء یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کی برابر ہوتی تو کافر کو اُسمیں سے
ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ پلاتے - پس اُنکے نزدیک تو یہ مسائل باد در دست اور نقش بر آب سے بھی کم ہیں
ان تحقیقات کی اہل نظر کی نظروں میں ایسی مثال ہو جیسے کوئی شخص تھانہ بھون کا جغرافیہ لکھے اور اُسمیں
اُس نے یہ تو لکھا ہے کہ فلاں جگہ جامع مسجد ہو اور وہ ایسی ہو اور بازار اِس قسم کا ہے - اور فلاں موقع پر قاضی
نجابت علیخان کا مکان ہو لیکن کسی جگہ لونڈیوں نے کھیلنے کیلیئے گارے سے پیر کو ڑ ا بنایا تھا بھلے مانس نے اُس جغرافیہ
میں وہ بھی لکھدیا تو ظاہر ہے کہ جغرافیہ دان اور اہل علم اُس شخص کو کیسا کچھ ہنسینگے اور کسقدر بیوقوف بنائینگے سو
اسیطرح اہل بصیرت بھی اِس زمانہ کے محققین کی تحقیقات پر ہنستے ہیں - واللہ دُنیا کے مسائل قرآن مجید میں ہونا ایسے
ہی ہیں بلکہ اس سے بھی کمتر جیسے اُس جغرافیہ میں لڑکیوں کا ریت کا گھر - اور منشا اصلی اِن تحقیقات کے قرآن مجید میں
داخل کرنیکا یہ ہے کہ یہ لوگ اہل یورپ کو اللہ و رسول ؐ کی برابر بلکہ خدا و رسول سے بڑھ کر جانتے ہیں - چنانچہ اگر
اللہ و رسول ؐ کی بات اُنکے موافق ہو تو مانتے ہیں ورنہ اُسمیں پھیر پھار کرتے ہیں - پس جو مسائل اُن لوگوں نے سمجھے ہیں

قرآن مجید کو اُن کی موافق بنانے کیلئے اُنکو قرآن سے استنباط کرنیکی کوشش کرتے ہیں تو اُنکے اقوال اور اُنکی تحقیقات کو توان لوگوں نے اصل ٹھیرایا اور قرآن کو تابع۔ سو اس منشا کا فساد ظاہر ہے۔ سو بنا بھی فاسد۔ پھر اُس پر ان مسائل کا بوجہ دنیوی ہونے کے بے وقعت ہونا گویا مبنی کا فاسد ہونا ہے۔ پھر قرآن مجید سے استنباط کرنا بنار الفاسد علی الفاسد۔ چنانچہ اُنکے بیوقعت ہونے کی مسلمان کے نزدیک تو کافی دلیل ہے کہ خدا اور رسولؐ تو دُنیا کی تحقیر اور توہین کرتے ہیں اور پھر ان حضرات کو اُسپر فخر ہے ناز ہے۔ یا در کھیے آپکے نزدیک اسوقت دُنیا قابل قدر و وقعت ہے اور جب کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ کا ظہور ہوگا۔ اور آپ جو اسوقت مَن جنیم مَن چنانم کر رہے ہیں آپ بھی اِس مَن (عربی مَن) میں داخل ہو جائینگے اُسوقت معلوم ہوگا کہ ہم کس مہملات میں مبتلا تھے آج جس سکہ کی قدر ہے کل وہاں اسکی کچھ قدر نہ ہوگی اور اِس سکہ کی وہی مثال ہوگی کہ باپ نے اپنے لڑکے کو نانک ایک روپیہ[ع] جس پر سیاہی لگی ہوئی تھی دیا۔ لڑکا اُس کو لیکر جو باہر نکلا تو کسی ٹھگ[ھ] نے دیکھ لیا۔ ٹھگ کے پاس ایک شیشہ[لل] کا ٹکڑا تھا جو چمک دمک ظاہری میں اُس روپیہ سے بڑھ کر تھا۔ اُس لڑکے کو اُسنے دھوکہ دیکر وہ روپیہ لیلیا اور شیشہ کا ٹکڑا دیدیا۔ اب لڑکا خوش ہے کہ میرے پاس روپیہ ہے۔ جب بازار پہونچا تو وہ میوہ فروش کو وہ روپیہ دیا اُسنے اٹھا کر پھینکدیا کہ یہ روپیہ یہاں نہیں چلتا۔ یہ مصنوعی اور ظاہری بازار میں چلتا ہے۔ یہ تو واقعی اور سچا بازار ہے۔ یہاں سچا سکہ چلیگا۔ اب یہ لڑکا تہیدست رہگیا اُسوقت سمجھ میں آیا ؎ کہ بازار چندانکہ آگندہ تر + تہیدست را دل پراگندہ تر۔ اُسوقت سوائے حسرت کے کچھ ہاتھ نہ آویگا۔ یہ سب قصہ موت کے ساتھ ہی نظر آجائیگا۔ یہ سائنس کے مسائل اور ان تحقیقات جدیدہ کا وہاں پتہ بھی نہ لگیگا۔ وضل عنکم ماکنتم تزعمون۔ الحاصل ایک خرابی تو قرآن شریف سے مسائل سائنس وغیرہ نکالنے کی یہ ہوئی۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ سائنس کے مسائل ہمیشہ متبدل ہوتے رہتے ہیں۔ پرانی سائنس آجکل گم د ہو رہی ہے۔ حال کی سائنس کی خود اختلاف ہے اور ممکن ہے کہ آئندہ جو محققین پیدا ہوں اُن کی تحقیقات اسکے بالکل خلاف ہوں تو آج اگر کسی سائنس کے مسئلہ کو قرآن مجید کی تفسیر بنادیا اور یہ ثابت کر دیا اور تسلیم کر لیا کہ یہ مدلول قرآنی ہے تو کل کو جبکہ ان مسائل کی غلطی ثابت ہو جاویگی ایک ادنیٰ سا ملحد اُسکو غلط ثابت کر کے پھر اُس سے قرآن مجید کا نعوذ باللہ خلاف واقع کے ہونا دکھلادیگا اور مخالفین کو یہ کہنے کی گنجایش ہو جاویگی کہ تمہارے مذہب کی یہی کتاب جسمیں ایسے خلاف واقع مسائل ہیں۔ پس یہ مسلک درحقیقت قرآن کی خیر خواہی نہیں بلکہ بدخواہی ہے۔ تیسری خرابی اور ہے اور اُسکو میں بے غیرتی سے تعبیر کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ

ع استعداد قبول حق کی جو فطرۃً سب کو ملی ہے ۱۲ جامع عہ ناگواری طبع و نفس ۱۲ جامع ھ رہزن دین من و جان والناس ۱۲ جامع لل دُنیا و متاع دُنیا جس کو لوگ خریدتے ہیں سادہ دولت ایمان بہادیا بے رونق کر دیتے ہیں۔ دکم و ازکم اُس میں لگ کر اُس دولت کو بڑھاتے ہیں ۱۲ جامع

ان مسائل کو مدلول قرآنی بناتے ہیں۔ گویا اہل یورپ کو احسان جتلانے کی گنجایش دیتے ہو کہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری بدولت آج قرآن مجید کی معنی معلوم ہوئے۔ اگر ہم ان مسائل کی تحقیق نہ کرتے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر اسوقت تک کسی کو قرآن مجید کا پتہ نہ لگتا اور تم کو غیرت دیدے کر وہ کہینگے کہ کہاں گئے ابوبکرؓ کہاں گئے عمرؓ۔ کہاں ہیں غزالیؒ اور کہاں ہیں ابن عباسؓ۔ دیکھو ان حضرات میں سے کسی نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا۔ پھر سمجھا کس نے یورپ کے دہریوں نے جرمن کے ملحدوں نے۔ افسوس جب ایسا ہوگا تو ڈوب مرنے کا وقت ہوگا۔ خدا کی قسم ہے ہمارے یہاں سب کچھ ہے اور دوسروں کے یہاں کچھ نہیں۔ کیوں انکی کاسہ لیسی کیجاتی ہے اور کیوں قرآن مجید میں اُن کی خاطر سے تحریف کیجاتی ہے ۵ بر ہوا تاویل قرآن میکنی + پست وکژ شد از تو معنی سنی + چوں ندارد جان تو قندیلہا + بہر بنیش میکنی تاویلہا + کردہ تاویل لفظ بکر را + خویش را تاویل کن نے ذکر را + خود تمہارے اندر سب کچھ ہے۔ تمہارے اندر وہ نور موجود ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے تم کو کسی کی حاجت نہیں۔ اُس نور کیطرف توجہ کرو۔ دیکھو تو کیا کیا علوم کھلتے ہیں جن کے سامنے یہ علوم مادیہ سب خرافات نظر آوینگے ۵ بینی اندر خود علوم انبیاء + بے کتاب و بے معید و اوستا + اُسوقت تم کو معلوم ہوگا کہ وہ سب تحقیقات بچوں کا کھیل تھا۔ پس اے مہذبین کی جماعت اسکا ہرگز ہرگز وسوسہ بھی نہ لاؤ کہ قرآن مجید میں ساری چیزوں کو ٹھونسو۔ ہاں اگر ضمناً تبعاً کوئی مسئلہ اس حیثیت سے آجاوے کہ اُس کو بھی طب روحانی میں دخل ہو تو اور بات ہے۔ چنانچہ اتنی سائنس قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ جہاں ارشاد ہے ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا به الارض بعد موتها وبث فیها من کل دابة وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لاٰیٰت لقوم یعقلون۔ یعنی بیشک آسمان وزمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ادل بدل میں اور جہازوں میں جو چلتے ہیں سمندر میں وہ چیزیں لیکر جو نفع دیتی ہیں لوگوں کو اور پانی میں جو اُتارا ہے اللہ نے آسمان سے پھر جلا دیا اُس سے زمین کو اُسکے مرنے (خشک ہونے) کے بعد اور پھیلا دیے اُس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل میں جو گھرا ہوا ہے آسمان وزمین کے درمیان میں (سب میں) دلیلیں ہیں اُن لوگوں کیواسطے جو عقل رکھتے ہیں۔ سو ان آیات سے ان چیزوں کی تحقیقات منظور نہیں کہ اس حیثیت سے اسکا طب روحانی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کو مصنوع سے صانع پر استدلال کیا ہے کہ یہ سب مصنوع ممکن ہیں اُن کے لیے کوئی محدث ضروری ہے اور اس حیثیت سے اسکا تعلق طب روحانی سے ظاہر ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ثم جعلنه نطفة فی قرار مکین۔ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشانه خلقا اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ یعنی اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے پھر ہمنے اُسکو رکھا نطفہ بنا کر مضبوط جگہ (عورت کے رحم) میں۔ پھر ہمنے بنایا اس نطفہ کو لوتھڑا۔ پھر ہمنے اُس

لوتھڑے کی بنائی بوٹی - پھر بنائی بوٹی کی ہڈیاں - پھر پہنا دیا ہڈیوں کو گوشت - پھر اُسکو بنا کھڑا کیا ایک نئی صورت میں - تو بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے" -

دیکھیے اِس آیت میں سائنس انسانی کے تمام تقلبات و اطوار موجود ہیں مگر اُسمیں کاوش نہیں کی گئی - اور نہ اس حیثیت سے بیان کیا کہ ماہیات بیان کی جائیں بلکہ مقصود قدرت پر استدلال ہے اور بیان بھی سیدھی طور سے ہے جسکو ساری دُنیا سمجھ سکتی ہے - اس لیے کہ قرآن مجید کے مخاطب تمام عالم کے افراد ہیں اور ان میں سب طرح کے ہیں - اکثر تو عوام ہیں اس لیے اُس کے خطابات بھی ایسے ہیں کہ جسکو ہر عامی عہ سمجھ سکتا ہے - غرض سائنس وغیرہ کے مسائل قرآن مجید میں اُتنے ہی لیے گئے ہیں کہ جن کو نجات ابدی میں دخل ہے - پس میں نے جو دعوے کیا ہے کہ قرآن مجید کی ہم کو ہر موقع میں ضرورت ہے اور ہر جگہ کام آتا ہے - اُس ہر موقع سے مراد طبعیات اور ریاضیات وطرق معاش کے مواقع نہیں بلکہ مطلب اسکا یہ ہے کہ جن امور کو فلاح اُخروی میں دخل ہے خواہ اُس کا وقوع دنیا میں ہو یا آخرت میں ہو اُسمیں ہمکو قرآن مجید کی ضرورت ہے اور جو محض دُنیا ہی ہو یا کہ نہ دنیا ہو نہ آخرت کے متعلق ہو بلکہ لغو ہو قرآن مجید کو اُس سے بحث نہیں عہ - سو ان امور دُنیویہ نافعہ فی الدین میں سے ایک **اتفاق** بھی ہے کہ وہ قرآن مجید میں مامور بہ ہے چنانچہ ارشاد ہے یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ والرسول ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم یعنی اے ایمان والو اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور آپسمیں جھگڑا نہ کرو تم بزدل و سست ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائیگی - دیکھیے اِس آیت میں مسئلہ اتفاق کو بیان فرمایا ہے - اسپر بیشک ہم فخر کرینگے کہ قرآن مجید نے ہمکو کیسے عجیب غریب مسئلہ کی تعلیم کی ہے اور جی کھولکر ہم اسکو مدلول و منصوص قرآنی کہینگے - باقی اور علوم جو بزور کھینچ قرآن سے نکالے ہیں اُنکو یہ کہینگے کہ منطبق علی القرآن ہیں مدلول قرآن نہیں ہیں - یوں نہ کہینگے کہ ثابت بالقرآن ہیں ہاں

عہ سوال اس مقام پر شبہ ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ لا تنقضی عجائبہ کیا ان عجائب میں یہ مسائل فلسفیہ شامل نہیں ہو سکتے اور کیا ہر عامی کا سمجھنا اس حدیث کے معارض نہیں ہے جواب عجائب سے مراد اگر علوم فلسفیہ ہوں تو لازم آتا ہے کہ صحابہ رضی میں سے کسی نے ان عجائب کی ایک فرد بھی نہیں سمجھی - کیونکہ کسی صحابی رض نے قرآن مجید سے ان چیزوں کو کبھی نہیں بیان کیا - عجائب سے مراد علوم نافعہ فی الآخرۃ ہی ہیں کہ وہ دوسرے دلائل صحیحہ کے بھی مدلول ہیں لیکن اہل فہم عالی کو قرآن مجید سے بھی مفہوم ہو جاتے ہیں جنکو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے الا فہما اوتیہ الرجل فی القرآن اور عامی کا سمجھ سکنا ہر مضمون کے لیے عام نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جتنے حصہ کو ضروریات دین میں دخل ہے اُس پر وجہ دلالت اور جو اُسکے لیے مقدمات بیان کیے گئے ہیں اُن کا مفہوم و مدلول عام فہم ہے - ولقد یسرنا القرآن للذکر اس کی دلیل ہے - اور ضروریات دین کی تعریف اہل علم کے نزدیک معروف ہے ۱۲ اشرف

عہ یعنی اُس کے تحصیل کے طرق قرآن مجید میں نہیں ہیں - باقی جواز و عدم جواز کی حیثیت سے اُس کی بھی بحث ہے ۱۲ جامع

منطبق موافق کہدینگے ۔ چنانچہ اوپر بھی اجمالاً عرض کیا گیا ہے ۔ اور مدلول اور منطبق میں بڑا فرق ہے ۔ ایک مثال سے آپکو اسکا فرق ظاہر ہوگا ۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس حجام آیا اور اُس نے کہا کہ خط بنوا لیجئے ۔ اُس نے جواب دیا کہ بڑھنے دو ۔ اتفاق سے جسوقت اُس نے یہ جواب دیا تھا لڑکے والوں کیطرف سے ڈوم بھی اُن کی لڑکی کی شادی کا خط لیکر آیا ۔ وہ بھی اتفاق سے اِس جواب سے اپنا مطلب نکال لے تو یہ جواب "بڑھنے دو" دونوں سوالوں کا ہوسکتا ہے اول سوال کا تو اسطرح کہ خط بڑھنے دو جب بڑھ جائے گا بنوا ئینگے ۔ دوسرے سوال کا اس طور پر کہ لڑکی ابھی چھوٹی ہے اُس کو بڑھنے دو ۔ پس پہلے معنی کو تو مدلول کہیں گے اور دوسرے کے مدعا پر اسکو صرف منطبق کہیں گے ۔ قصد تو یہ تھا کہ نائی کو جواب دیں لیکن یہ کلام کی لطافت ہے کہ وہ ڈوم کا بھی جواب ہوگیا پس اسکو نکتہ اور لطیفہ کہہ سکتے ہیں اور تفسیر نہیں کہہ سکتے ۔ یہاں سے ایک بات اور کام کی سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ صوفیہ کرام نے آیات کے متعلق کچھ بصورت تفسیر کے کہا ہے مثلاً اذہب الیٰ فرعون انہ طغیٰ کے متعلق لکھا ہے اذہب ایہا الروح الی النفس انہ طغیٰ اور اذبحوا بقرۃ ای بقرۃ النفس تو ان تاویلوں کو دیکھ کر دو جماعتیں ہوگئی ہیں ۔ ایک تو جو صوفیہ کی محبت سے خالی ہیں اور یحمل النصوص علیٰ ظواہرہا کے پورے پابند ہیں اُنہوں نے تو اِن تاویلات کا بالکل انکار کر دیا کہ کہاں فرعون کہاں نفس کہاں موسیٰ کہاں رُوح ۔ یہ تو ایسا ہے کہ زمین بولکر آسمان مراد لے لیں ۔ اور صوفیہ کو اس بنا پر ضال و محرف کہکر اُنکے مُنکر ہوگئے ۔ سو اُنکو تو یہ ضرور ہوا کہ حضرات اہل اللہ کے برکات سے محروم ہوئے ۔ دوسرے وہ تھے جو اِن حضرات کی محبت میں غرق ہیں وہ یہ کہنے لگے کہ قرآن کا مدلول اور تفسیر یہی ہے علماء ظاہر نہیں سمجھے اِسمیں تو سارا قصہ باطن کا ہے ۔ پھر اِس بات میں ان غالین کا یہانتک غلو بڑھا کہ بعض جگہ تو اُنہوں نے قرآن مجید کی گت ہی بنا دی ۔ جیسے ایک حکایت ہے کہ ایک جلد ساز تھے ۔ جو شخص کتاب یا قرآن جلد بندھوانے لاتا تھا ۔ وہ اُس میں کچھ اصلاح ضرور کر دیا کرتے تھے ۔ ایک شخص قرآن شریف جلد بندھوانے کے لیے اُن کے پاس لائے اور کہا کہ اسکی جلد باندھ دو مگر شرط یہ ہے کہ کچھ اصلاح نہ دیجو ۔ کہنے لگے کہ اب تو میں نے توبہ کرلی ہے ۔ جب جلد طیار ہوگئی اُس شخص نے پوچھا کہ کچھ اصلاح تو نہیں دی ۔ کہنے لگے کہ توبہ توبہ میں کیا اصلاح دیتا مگر دو تین جگہ تو صریح غلطی تھی اُس کو صحیح کر دیا ۔ ایک جگہ تو یہ تھا عصیٰ آدم تو یہ صریح غلطی ہے عصا تو موسیٰ کا تھا میں نے اسجگہ بجائے آدم کے موسیٰ بنا دیا ہے ۔ اور ایک مقام پر خر موسیٰ ۔ تو خر عیسیٰ کا تھا وہاں عیسیٰ بنا دیا ہے ۔ اور ایک جگہ ولقد نادانا نوح تھا تو نوح تو دانا تھے میں نے وہاں نا کاٹ کر اسطرح کردیا ہے ولقد دانا نوح ۔ اور ایک مشترک اور عام غلطی تھی وہ یہ کہ جگہ جگہ فرعون ۔ قارون ۔ ہامان ۔ ابلیس کا نام تھا تو ایسے کفار ملعونوں کا قرآن میں کیا کام وہاں میں نے اپنا اور تمہارا نام لکھ دیا ۔ کہا خدا تیرا ناس کرے تو نے میرا قرآن شریف ہی کھو دیا ۔

تو وہ مصلح صاحب اسی مذاق کے ہونگے واللہ یہ لوگ بالکل ہی برباد ہوئے خدا کی قسم ہے کہ قرآن کا یہ مدلول ہرگز ہرگز نہیں اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ روزہ نماز سب اڑ گیا اسلیئے کہ تمام نصوص کے مدلولات کو بلکہ تمام شریعت کو ان لوگون نے بدل دیا میرے ایک دوست رئیس پیران کلیر گئے تھے ایک طرف سے آواز آئی ابے او مرغے انہوں نے کچھ التفات نہ کیا پھر آواز آئی انہوں نے اُس طرف دیکھا تو کہا ابے تجھکو ہی بلاتے ہیں یہان آیہ گئے کہ دیکھیں کیا کہتے ہیں کہنے لگے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے جب روحوں کو پیدا کیا تو سب کو جمع کرکے حکم دیا کہ بنگ بوزہ مت چھوڑنا تو ہم تو قریب تھے ہم نے صحیح سنا اور مولوی لوگ دور تھے انہوں نے بجائے بنگ بوزہ کے نماز روزہ سن لیا جاوے یہ نکتہ ہے مرشدون کا یا در کھیو تو ان تفسیرون کی بدولت یہان تک نوبت پہونچ گئی ہے ایسے صوفیوں نے ناس کیا ہے دین کا خود بھی تباہ ہوتے اور ون کو بھی تباہ کیا سو یہ تو محض لغو وخرافات ہیں لیکن اسوقت کلام ہے صوفیہ محققین کی تاویلات واشارات میں سو اوسمیں بعضے تو اون کے ہی منکر ہوگئے اور بعضے مفسرین کے منکر ہوگئے اب رہگئے ہم بیچ میں کہ ہم قرآن کو کلام اللہ اور صوفیہ کو اہل اللہ جانتے ہیں تو دونوں کی اعانت وحفاظت کیلیئے ضرور ہوا کہ ان تاویلات کو ایسے معانی پر محمول کیا جاوے کہ کلام اللہ کی بھی تحریف نہو اور اہل اللہ کا کلام بھی خلاف قواعد شرعیہ نہو اسلیئے ہم کہتے ہیں کہ صوفیہ کرام نے جو آیات کے معنی بیان کئے ہیں یہ فی الوقع تفسیر نہیں ہے اور نہ وہ حضرات مدلول ظاہری کے منکر ہیں اونکی یہ مراد ہرگز نہیں کہ قرآن میں فرعون سے نفس اور موسیٰ سے روح اور بقرۃ سے نفس مراد ہے جو کچھ وہ فرمارہے ہیں یہ علم اعتبار کہلاتا ہے اور علم اعتبار یہ ہے کہ دوسرے کے حال پر اپنے حال کو قیاس کیا جاوے تو مطلب یہ ہے کہ فرعون وموسیٰ کے قصہ پر اپنے حال کو بھی قیاس کرو اسکی ایسی مثال ہے جیسے زید نے ایک کام عمر کے دیکھا دیکھی کیا اور اوسمیں اوس کو ناکامی ہوئی تو اوس موقع پر کہتے ہیں کہ کوا چلا تھا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا تو اس کلام میں کوے سے مراد زید اور ہنس سے مراد عمر یقیناً نہیں ہے کوے سے کوا مراد ہے اور ہنس سے ہنس ہی مراد ہے اور حاصل اسکا یہ ہے کہ دو موقع ایک حالت کے اندر متطابق ہیں ایک موقع پر جو نظر پڑی تو دوسرا موقع اوسکو دیکھکر یاد آگیا اور ایک کو دوسرے کیساتھ تشبیہ دیدی مثلاً یہان زید وعمر اور اونکے قصہ کو کوے اور ہنس اور اونکے قصہ سے تشبیہ دیدی پس اذہب ایہا الروح الخ سے یہ مراد ہو

کہ اے قاری جب تو قرآن پڑھے اور یہاں پہونچے تو اس قصہ سے یہ سبق لو کہ تمہارے اندر بھی ایک چیز فرعون کی مشابہ اور ایک چیز موسیٰ کے مشابہ ہے قصہ کو قصہ ہی کے طور پر مت پڑھو بلکہ قرآن شریف کے ہر ہر موقع سے اپنی حالت پر مطابق کرتے جاؤ اور اُس سے نصیحت اور عبرت حاصل کرتے جاؤ یہ مطلب ہے صوفیہ کرام کا پس دونوں فرقے غلطی پر ہیں جو ان تاویلات کا بالکل انکار کرتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں اور جو ان کو تفسیر مدلول قرآنی قرار دیتے ہیں وہ تو بالکل ہی گئے گذرے ہیں یہ تاویلات لطائف اور نکات کے درجہ میں ہیں تفسیر نہیں ہیں اور اُن کو علوم قرآنیہ نہیں کہہ سکتے علوم قرآنیہ وہ ہی ہیں جبیر عبارۃ النص یا اشارۃ النص یا اقتضاء النص یا دلالۃ النص سے استدلال ہوسکے ورنہ وہ نکات و لطائف کا درجہ ہے جیسے کسی شخص نے آیۃ وکلھم آتیہ یوم القیمۃ فرداً کے متعلق کہا تھا کہ قیامت آئندہ آنیوالی ہے اسلیئے قرآن مجید میں فرداً کہا گیا فردا کہتے ہیں کل کے دن کو یہ ایک نکتہ ہے ورنہ فردا بمعنی کل فارسی ہے اور آیت میں فرداً سے مراد متفرداً متوحداً ہے اہل لطائف نے کہیں کہیں ایسے نکتوں سے کام لیا ہے گو شرعاً بعض جگہ پسندیدہ نہیں ہے جیسے ایک جولاہہ تھا اُس نے دو چار سورتیں پڑھ لی تھیں مگر ماں کا حق ادا نہ کرتا تھا اُسکی ماں اُسکو لیکر ایک بزرگ کی خدمت میں آئی کہ دیکھئے حضرت یہ میرا حق ادا نہیں کرتا اون بزرگ نے فرمایا کہ بھائی تم ماں کا حق کیوں نہیں ادا کرتے کہا کہ حضرت قرآن میں تو ماں کا حق ہی نہیں آیا اون بزرگ نے پوچھا کہ تو نے کچھ قرآن پڑھا ہے کہنے لگا جی ہاں الم ترکیف تک یاد ہے اون بزرگ نے فرمایا کہ تبت تو پڑھو اُس نے پڑھی جب ما اغنی عنہ مالہ وکسب پر پہونچا تو فرمایا کہ دیکھ تو کہتا ہے کہ ماں کا کچھ حق نہیں قرآن میں تو یہ ہے کہ ماکاسب یعنی ماں کا سب ہے وہ مان گیا اور اُسی دن سے عہد کیا کہ ماں کی خدمت کیا کرونگا اِس لطیفہ سے یہ تو فائدہ ہوا کہ وہ ماں کا حق ادا کرنے لگا لیکن ضرر بھی ہوا کہ ساری عمر اسی جہل میں مبتلا رہیگا ایسے ہی ایک شخص ایک مولوی صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ مولوی صاحب تم کہتے ہو کہ قرآن میں سب چیزوں کا ذکر ہے یہ تو بتلاؤ کہ قرآن میں باؤ مرسٹہ کا بھی ذکر ہے مولوی صاحب نے کہا ہاں ہے اور خدمت کیساتھ ذکر ہے وباؤ بغضب من اللہ کہ باؤ اللہ کے غضب میں ہے یہ نکات نہیں بلکہ نکات بھی اُنکو نہیں کہہ سکتے اسلئے کہ نکتہ وہ ہے کہ جس سے تفسیر نہ بدلے یہاں تو تفسیر ہی بدل جاتی ہے لطائف اور نکات بھی وہ ہی مقبول ہیں کہ انطباق بھی ہو جائے اور تفسیر نہ بدلے

اسواسطے میں ان دونوں قصوں کے جواب کو ناپسند کرتا ہوں۔ پس اس تمامتر تقریر سے معلوم ہوگیا کہ نہ تو شیخ اکبر اور دیگر صوفیہ قدس اسرارہم پر کچھ اعتراض ہوسکتا ہے اور مفسرین نے جو تفسیر اور مدلول قرآنی بیان کیا ہے نہ اُس میں کچھ شبہ ہے ہاں اعتراض اہل غلو پر ہے جو اُنکا یا اِنکا انکار کرتے ہیں خواہ وہ اہل غلو برنگ جہلا ہوں یا بہیئت علماء ہوں۔ یہ مفصل گفتگو تھی بعض اشارات و لطائف قرآنیہ کے متعلق جو جملہ معترضہ کے طور پر آگئی۔ اب مضمون مقصود کیطرف عود کرتا ہوں کہ قرآن نے ہمکو اِس مقام پر مسائل تمدن میں سے ایک مفید مسئلہ اتفاق کی تعلیم بھی فرمائی پس وہ اِس وجہ سے شریعت میں مامور بہ ہے اور دنیا دین دونوں حیثیتوں سے ضروری ہے اور اصلاح دین بھی اِس سے ہوتی ہے اور اصلاح دنیا بھی جو لوگ دیندار ہیں اُنکی نظر تو اُسکے منافع دین پر ہے اور جو دنیا دار ہیں اُونکی نظر اُسکے منافع دنیا پر ہے خصوص ہمارے زمانہ کے ترقی خواہ بھائیوں کے نزدیک تو بڑا قبلہ و کعبہ دنیا ہی ہے حتی کہ اونکے نزدیک تو خالص دینی کام میں بھی دنیا ہی کی مصلحت پیش نظر رہتی ہے اور اُوسکی وقعت اُوسی مصلحت دنیوی کے سبب ہوتی ہے اور یہ مذاق اہل یورپ سے ماخوذ ہے چنانچہ ایک جرمنی ڈاکٹر نے نماز کے منافع لکھے ہیں کہ نماز ایسی اچھی ورزش ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے کسی ورزش کی ضرورت نہیں اور صحت خوب قایم رہتی ہے اُس بھلے مانس نے نماز کو اتنا ہی سمجھا آگے ذہن ہی نہیں گیا جیسے کسی مولویصاحب نے ایک گنوار کو نصیحت کی کہ نماز پڑھا کر کہا بہت اچھا چند روز کے بعد مولویصاحب سے کہا کہ مولوی جی نواج (نماز) بہت بہادرے (فائدے) کی جیج (چیز) ہے مجھے بائی (ریاح) کی بیماری تھی جب مُونڈھا (اُوندھا) پڑوں جب ہی باوی نکلتی ہے) جیسے اُوس گدھے نے نماز کا یہی فائدہ سمجھا تھا ایسے ہی اس جرمنی محقق نے نماز کا فائدہ اتنا ہی سمجھا مگر ہمارے ترقی یافتہ بھائی ایسی باتوں سے خوش ہوتے ہیں اور ریجھے جاتے ہیں اور اگر کوئی ہم سے پوچھے تو ہم تو یہ کہیں گے کہ اِس جرمنی کی اس تحقیق کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کے پاس پانچسو روپیہ کا دوشالہ ہوا اور وہ اُسکے منافع یہ بیان کرے کہ یہ دوشالہ بہت اچھی شے ہے سفر میں اگر کہیں سوختہ نہ ملے تو اسکو جلاکر چاء پکا سکتے ہیں تو فی نفسہ یہ صحیح ہے کہ چاء اُوس سے پک سکتی ہے لیکن کیا اس شخص کو یہ نہ کہا جاویگا کہ اسنے اِس دوشالہ کی قدر نہیں جانی۔ نماز کے فائدے ہم سے پوچھو اور ہم سے کیا ہم کیا چیز ہیں حق تعالی سے پوچھو اور ہم سے پوچھو میں نے اسلئے کہدیا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ درحقیقت حق تعالیٰ کا کہا ہوا ہے ہماری تو وہ مثال ہے ؎ درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ؛ آنچہ استاد ازل گفت بگو می گویم ؛ سو نماز کا فائدہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں واسجد واقترب یعنی سجدہ کرو اور اللہ کے قریب ہو جاؤ

پس نماز کا اصلی مقصود قرب ہی مولانا فرماتے ہیں ؎ قرب نے بالا و پستی رفتن است ٭ بلکہ قرب از قید ہستی رستن ست ٭ یعنی قرب اسکا نام نہیں ہو کہ نیچے سے اُوپر کو چلے جاؤ بلکہ قرب یہ ہے کہ قید ہستی سے چھوٹ جاؤ اسلئے کہ اوپر جانا قرب جب ہو تا کہ خدا تعالے کا مکان اوپر ہوتا خدا تعالیٰ مکان سے پاک ہے پس اُوسکا قرب یہی ہے کہ اپنی ہستی کو خاک میں ملادو اسیکو وصل کہتے ہیں بعض لوگ وصل کے خدا جانے کیا کیا معنی سمجھتے ہیں وصل کے معنی اہل فن سے پوچھیئے شیخ شیرازی فرماتے ہیں ؎ تعلق حجاب ست و بے حاصلی ٭ چو پیوندہا بگسلی واصلی ٭ یعنی غیر کے ساتھ کے علاقے جب قطع کردوگے واصل ہوجاؤگے یہی تعلق حجاب ہے پس سجدہ کی غرض اپنی اس ہستی و تعلق کو مٹانا اور ہستی کا مٹانا یہ نہیں ہو کہ سنکھیہ کھاکر مر رہو مطلب یہ ہے کہ دعویٰ اور انانیت دماغ میں سے نکالو یہ سجدہ اُوسی کا سامان ہے اسلئے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور پھر تمام اعضاء انسان کے اندر اشرف چہرہ ہی اسیواسطے چہرہ پر مارنا حرام ہے حکم ہے کہ مجرم کے بھی چہرہ پر مت مارو قتل کرنا جائز اور چہرہ پر مارنا ناجائز اسلئے کہ چہرہ معظم ہے تو ایسے شریف عضو کو حکم ہے کہ ارذل الاشیاء کے ساتھ ملصق کردو یعنی زمین کے ساتھ جو بہت سے وجوہ سے اور نیز باعتبار حیز کے پست ترین مخلوق ہے تو یہ کاہے کی تعلیم ہے اسی کی تعلیم ہے کہ اپنے کو مٹادو اور ہستی کو کھودو کہ یہ تمہاری ہستی تمہارا حجاب بن رہی ہے حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎ میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست ٭ تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز ٭ پس نماز کی یہ حکمت ہے مگر جرمنی صاحب نے چونکہ ورزش اُسکی حکمت بیان کی ہو تو ہمارے بھائی اس تحقیق پر غش ہیں یاد رکھو شارع نے یہ حکمت نماز کی کہیں بیان نہیں کی اور جو چیز شریعت میں نہیں وہ سب ہیچ ہے گو اُس جرمنی کی زبان سے اتنا نکلنا بھی غنیمت ہو لیکن اے بھائیو تمکو کیا ہو گیا کہ وحی واقرب کے ہوتے ہوئے ایک جرمنی کافر کی تحقیقات کو پسند ہی نہیں بلکہ اوسپر ناز کرتے ہو کیوں خواہ مخواہ گداگری کرتے ہو تمہارے یہاں سب کچھ ہے آپ لوگوں کی وہ مثال ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں ؎ یک سبد پُر نان ترا بر فرق سر ٭ تو ہمی جوئی لب نان در بدر ٭ تا بزانو ہی میان قعر آب ٭ وز عطش وز جوع گشتستی خراب ٭ اے صاحبو آپکے یہاں ساری دولتیں موجود ہیں کیوں فقیروں سے مانگتے ہو کیوں جرمنیوں کی کاسہ لیسی کرتے ہو۔

الحاصل ۔ اتفاق بھی ایسی ہی شے ہے کہ اہل یورپ کو للدنیا مطلوب ہے اور ہمکو للدین مطلوب مگر دونکا ایک ضروری مسئلہ متفق علیہا ہونا تو ثابت ہوا اب اس آیت میں غور کیجئے کہ اس میں سے اس مسئلہ کے متعلق

کیا تحقیق ہے اسکے لئے ایک چھوٹی سی تمہید کی ضرورت ہے وہ یہ ہو کہ ساری دنیا اتفاق پکار رہی ہے، مگر اوسکے جو اسباب ہیں اون سے بالکل ناواقفیت ہے بالکل اسکی ایسی مثال ہو کہ ایک شخص چھت پر جانا چاہتا ہے مگر زینہ سے نہیں جاتا اوچک کر جانا چاہتا ہے اور ایک جست لگاتا ہو اور گر پڑتا ہو اسیطرح پھر جست لگاتا ہو اور پھر گرتا ہو تو یہ شخص چھت پر کیوں نہیں پہنچا اسلیئے کہ جو طریق ہی جانیکا اُس نے نہیں کیا. اس نے اوسپر عمل نہیں کیا ، اطلبوا الارزاق من اسبابہا ؛ وادخلوا الابیات من ابوابہا ؛ اسواسطے شریعت نے اسکی اجازت نہیں دی کہ مطلقاً اسباب چھوڑدو بلکہ اسکا حکم کیا ہے کہ جس شے کے جو اسباب پیدا کئے گئے ہیں اُسکو اُن ہی سے طلب کرو اسپر بعضے لوگ خوش ہوئے ہونگے کہ اس سے تو وہی بات ثابت ہوئی جو اہل دنیا کا مطلب ہی یعنی تدبیر پرستی چنانچہ اسی بناپر لوگ اہل اللہ پر ہنستے ہیں اور اُن کو احدیون کی پلٹن اور گرانی کا سبب اور قوم پر بار قرار دیتے ہیں ایک شخص بزعم خود مفسر قرآن ہیں اور لوگ اُنکے ترجمہ پر فریفتہ ہیں اسلیے کہ محاورہ کے موافق ہو صاحبو محاورہ کے موافق تو ہو لیکن قرآن کے موافق نہیں ہے ایسے ہی محاورہ کا شوق ہے تو چہار درویش اور حاتم طائی کی عبارت بہت ہی بامحاورہ ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ وہ تو قرآن نہیں ہی میں کہتا ہوں کہ وہ ترجمہ بھی بہت مقامات میں قرآن نہیں اسلئے کہ ایسے ایسے مسائل نکالے ہیں کہ وہ قرآن کا مدلول نہیں ہو چنانچہ آیت ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل کی تفسیر میں حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ جو بعض لوگ دنیا کے تمام دہندے چھوڑ چھاڑ کر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہتے ہیں اُنکو کیا حق حاصل ہے کہ قوم کی آمدنی کھائیں جب کچھ حق نہیں تو باطل ہو اور باطل ہو تو اس آیت سے حرام ہو لوگ اس استدلال پر فریفتہ ہیں مرے جاتے ہیں میں اس استدلال کی حقیقت کھولتا ہوں کہ یہ جو باطل جسکا ترجمہ ناحق ہو اس ناحق میں جو حق ہو اس سے کیا مراد ہو حق واجب یا جائز اگر حق واجب مراد ہے تو ہم مفسر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ تمکو کیا حق حاصل ہو کہ ایک کتاب تصنیف کردی اور سرکار سے ہزار روپیہ انعام کے لے لئے کیا سرکار پر یہ حق واجب ہے اور ان مفسر صاحب کو کوئی ہدیۃً روپیہ دے تو اُسکے قبول کرنیکا انکو کیا حق حاصل ہے خوب یاد رکھو کہ اس ناحق میں حق سے مراد حق جائز ہے پس ترجمہ آیت کا یہ ہو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا مال بدون حق جائز کے مت کھاؤ یعنی جس شے کا لینا جائز نہو وہ مت کھاؤ اور اگر محبت سے کوئی کچھ دے تو یہ ناجائز نہیں مفسر صاحب نے حق سے مراد حق واجب لیکر اپنے اوپر بھی سیکڑوں اعتراض لیلیئے ، غرض یہ حضرات اہل توکل کی تحقیر اسی ترک اسباب پر کرتے ہیں تو شاید میرے اس کہنے سے کہ اسباب سے مسببات کو حاصل کرو ان معترضین کو اپنی تائید کا شبہ ہوا ہو گا خوب سمجھ لو

کہ ترک اسباب میں تفصیل ہے جو عنقریب آتی ہے اُسکے نہ جاننے ہی سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ متوکلین نے پھر اسباب کو کیوں چھوڑا جبکہ تم کہتے ہو کہ شریعت نے ترک اسباب کی اجازت نہیں دی سو خوب سمجھ لو کہ یہ اعتراض ناتمام علم سے پیدا ہوا ہے جیسے ایک حکیم جی تھے اونکے ایک صاحبزادہ بھی تھے مگر تھے عقل سے کورے اُنکو حکیم صاحب نے طب پڑھائی اور مطب میں بھی وہ ساتھ رہتے تھے حکیم جی ایک مریض کو دیکھنے گئے نبض دیکھکر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمنے نارنگی کھائی ہے جس سے تمہاری حالت کل کے اعتبار سے بگڑی ہوئی ہے مریض نے اقرار کیا صاحبزادہ صاحب کو حیرت ہوئی کہ ابا جان نے یہ کیسے پہچانا کہ نارنگی کھائی ہے جب وہاں سے آئے تو پوچھا حکیم صاحب نے کہا کہ بھائی قرائن اور علامات اور نبض سے اتنا تو معلوم ہو گیا تھا کہ کسی بارد شئی کا استعمال کیا ہے چارپائی کے نیچے نارنگی کے چھلکے پڑے تھے اس سے اوسکی تعیین بھی ہو گئی اب صاحبزادہ صاحب کو ایک قاعدہ ہاتھ آگیا کہ جو چیز چارپائی کے نیچے پڑی ہوئی ہوتی ہے مریض اوسیکو کھاکر بیمار ہو جاتا ہے بڑے حکیم نے تو رحلت فرمائی اب چھوٹے حکیم جی کا دور دورہ ہوا ایک مریض کی شامت آئی انکو بلایا اوسکو دیکھنے گئے نبض دیکھی چارپائی کے نیچے جھانکے وہاں نمدہ پڑا ہوا تھا کہنے لگے کہ ہمکو معلوم ہو گیا کہ تمہاری جو یہ حالت ہے اوسکا ایک خاص سبب ہے وہ یہ کہ تمنے نمدہ کھایا ہے سب لوگ ہنس پڑے کہ نمدہ بھی کوئی کھایا کرتا ہے اور حکیم جی کو نکلوا دیا۔ سچ ہے نیم ملا خطرۂ ایمان نیم حکیم خطرۂ جان بس ایسے ہی ہمارے معترضین ہیں کہ جب سنا کہ شریعت نے ترک اسباب سے منع کیا ہے علم تو تھا نہیں تمام اسباب کو اوس میں داخل کر کے متوکلین اور تارکین اسباب پر ایک اعتراض جڑ دیا خوب سمجھ لو کہ اسباب کی تین قسمیں ہیں اسباب قطعیہ ظنیہ وہمیہ سبب قطعی کسی شئے کا تو وہ ہے کہ عادۃً وہ اُس شئے کا موقوف علیہ ہے اگر وہ سبب نہو تو اُس شئے کا تحقق بھی نہو جیسے کھانا کھانا پیٹ بھرنے کے لئے پانی پینا سیرابی کے واسطے سو رہنا آرام کیواسطے ان اسباب کو چھوڑنا تو حرام ہے اگر کوئی چھوڑ دے اور اسی میں مر رہے تو حرام موت مریگا حتی کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اہل توکل بھی خلوت میں ایسی جگہہ نہ بیٹھے جہان کسی کا نہ گذر ہو اور نہ کسیکو اسکے حال کی اطلاع ہو دوسرے اسباب وہمیہ ہیں وہ یہ ہیں کہ سبب کے اُن پر مرتب ہونیکا بہت بعید احتمال ہو جیسے کوئی خیالات پکاوے کہ میں تحصیلدار ہو جاؤنگا پھر ڈپٹی کلکٹر ہونگا بہت سی میری اولاد ہو جائیگی جب زیادہ مال ہوگا تمام ضلع مظفر نگر کو خریدونگا غرض جہاں جہاں تک ذہن پہنچا یا اسی طرح تجارت میں بعید بعید صورتیں سوچے اور اُنکے اسباب میں مشغول ہو ایسے اسباب وہمیہ واجب الترک ہیں اسکو

دنیا کے اندر کھپ جانا کہتے ہیں؛ تیسرے اسباب ظنیہ ہیں کہ مسبب اُن پر غالباً مرتب ہو جاتا ہے اور کبھی بلا اُن اسباب کے بھی وہ مسبب حاصل ہو جاتا ہے جیسے تجارت سے؛ ضرورت کے موافق روپیہ ملنا زراعت سے غلہ حاصل ہونا کہ مسبب ان پر اکثر تو مرتب ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا اور کبھی بلا ان اسباب کے بھی مسبب حاصل ہو جاتا ہے چنانچہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ جو لوگ ان اسباب میں مشغول نہیں ہیں اُن کو بھی یہ چیزیں ملتی ہیں پس ان اسباب ظنیہ کے ترک کو اصطلاح میں توکل کہتے ہیں اور اس میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کے لئے جائز نہیں اور قوی النفس کے لئے جائز بلکہ مستحسن و مستحب ہے لیکن اس نیت سے توکل جائز نہیں کہ یہ بھی ایک طریق ہے روپیہ ملنے کا جیسے ایک شخص کی حکایت ہے کہ مولوی صاحب سے وعظ میں سن لیا کہ جو خدا پر توکل کرے اللہ تعالیٰ اُسکو ضرور رزق پہنچاتے ہیں اور یہ بھی اُسنے سنا تھا کہ ایسی جگہ بیٹھنا جائز نہیں جہان کسی کا گذر نہو جنگل میں جاکر ایک کنوئے کے قریب جا بیٹھے اور منتظر رہے کہ اب میرے واسطے خوان لگ کر آویگا چنانچہ دو تین روز گذر گئے اتفاق سے اودھر کسی کا گذر بھی نہ ہوا کئی روز کے بعد ایک مسافر آیا سمجھا کہ مجھے بھی کچھ دیگا اُس مسافر نے اسکی طرف توپشت کی اور (حسب عادت) راستہ کیطرف منہ کیا کہ آتے جاتے کو دیکھیں گے اور روٹی کھا کر چلا گیا اسکی اُسکو خبر بھی نہ ہوئی اسی طرح ایک اور آیا وہ بھی اسیطرح بیٹھ کر اور کھا کر چلا گیا اسنے اپنے جی میں کہا کہ یہ تو بُری رسم نکلی ہے تیسرا آیا تو آپ فرماتے ہیں اھوں اھوں (صوت ہے جو حکایت ہے کھنکارنے کی) اوسنے جو مُڑ کر دیکھا کہ ایک آدمی فاقہ سے ضعیف نحیف ہو کر پڑا ہے اُسکو رحم آیا اُسنے بلا کر اُسکو روٹی کھلائی خوش خوش مولوی صاحب کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ مولوی صاحب توکل برحق مگر آپ نے تعلیم میں کسر رکھی اتنی بات رکھ لی یہ نہ کہا کہ کھنکارنا بھی پڑتا ہے۔ تو بعضے آدمی ہاتھ پاؤں توڑ کر اسلئے بھی بیٹھ جاتے ہیں کہ یہاں بے فکری سے کھانے کو ملیگا چین سے رہینگے کچھ کرنا نہ پڑیگا تو یہ کوئی قابل قدر نہیں خدا کے نزدیک بھی اسکی کوئی قدر نہیں کمال نہیں حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت لکھی ہے کہ جب بلخ کی سلطنت چھوڑ کر نکلے ہیں تو اول ہی دن ایک جنگل میں پہونچے وہان شام ہو گئی ایک مقام پر لیٹ رہے بھوکے پیاسے تھے اور قریب ہی ایک اور درویش بھی رہتا تھا شب کے وقت اُن کے واسطے غیب سے ایک خوان آیا کہ کھانوں کی خوشبو سے تمام جنگل مہک اوٹھا اور اُس درویش کیواسطے دو روٹی جو کی آیا کرتی تھین حسب معمول وہی آئی وہ درویش یہ دیکھکر جل گیا اور حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ مجھے تو یہان پڑے ہوئے اتنے سال ہو گئے میرے واسطے تو یہی جو کی روٹی ہے آج تک ترقی نہوئی

اور یہ آج ہی آیا اس کے واسطے ایسے کھانے بھیجے ہاتف کے ذریعہ سے ندا آئی کہ یاد کر تو کون تھا اور اس کو دیکھ یہ کون ہے تو ایک گھس کھدا تھا اس قابل بھی نہ تھا پہلے صبح سے شام تک مصیبت بھرتا تھا اب بے مشقت اُس سے زیادہ ملتا ہے غنیمت نہیں سمجھتا اگر پسند نہیں فلاں درخت کے نیچے تیرا کھرپہ جالی رکھا ہے نکل اور گھاس کھودنا شروع کر غرض توکل میں تو نے کون کمال کیا کمال تو اس شخص کا ہے کہ سلطنت اور حشم خدم کو ہمارے واسطے اس نے چھوڑ دیا بہر حال اگر تجھکو سیدھی طرح کھانا ہے کھا ورنہ کھرپہ جالی تیرا رکھا ہے جا اور سنبھال سنکر لرز گیا اور بہت توبہ استغفار کی پس روٹیوں کے واسطے گوشہ اختیار کرنا توکل نہیں شیخ شیراز فرماتے ہیں ؎

نان از برائے کنج عبادت گرفتہ اند ٭ صاحبدلان نہ کنج عبادت برائے نان ٭

یعنی روٹی اسواسطے لیتے ہیں کہ اللہ اللہ کریں نہ کہ اللہ اللہ اسلیئے کریں کہ روٹی ملے یہ خداع اور مکاری ہے کہ جسکی نسبت مولانا فرماتے ہیں ؎ گہہ گہے آہے دروغے میزنی ٭ از برائے سکہ دوغے میزنی ٭

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام ٭ در غلط اندازی تا ہر خاص و عام ٭ کارہا با خلق آری جملہ راست ٭ با خدا تزویر و حیلہ کے رواست ٭ کار با او راست باید داشتن ٭ رایت اخلاص و صدق افراشتن ٭

خلاصہ یہ ہے کہ جن ترک اسباب کی شریعت میں ممانعت ہے وہ اسباب قطعیہ ہیں اونکا چھوڑنا حرام ہے اور اسباب وہمیہ کا ترک خود مامور بہ ہے اور اسباب ظنیہ میں یہ تفصیل ہے جو ابھی عرض کی گئی۔ اور یہ سب تفصیل سببات دنیویہ کے متعلق ہے اور جو سببات دینیہ ہیں چونکہ وہ مطلقاً محمود و مطلوب ہیں اُنکے اسباب ہر درجے میں محمود ہونگے بشرطیکہ کسی ضروری امر میں خلل نہو پس اتفاق جو ایک شئے ہے اوسکے لئے بھی کوئی سبب ضرور ہے اور چونکہ وہ محمود ہے اُسکے اسباب بھی قابل اہتمام ہونگے سو اُس سبب کی ہمارے عقلاء نے تحقیق نہیں کی بلکہ جو اُسکے اسباب نہیں ہیں اُنکو سبب قرار دیا اسی لیے اتفاق متحقق نہیں ہوتا پس یہ امر مبحوث فیہ اور قابل تفحص ہوا کہ سبب اتفاق کا کیا ہے تاکہ اوسکو اختیار کرنے سے اتفاق پیدا ہو سو اسکی تفحص میں ہمکو بفضلہ تعالیٰ دریوزہ گری کی ضرورت نہیں ہمارے پاس تو قرآن ہے اُس میں اسکے متعلق ارشاد ہے ہو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین والف بین قلوبہم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبہم ولکن اللہ الف بین قلوبہم ان اللہ عزیز حکیم یعنی خدا تعالیٰ کی وہ شان ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ اُس نے اپنی مدد اور مومنین کے ساتھ آپ کو قوت دی۔

اور ان کے دلوں میں باہم الفت ڈالدی اگر آپ روے زمین کا تمام مال خرچ کرتے تو آپ ان کے قلوب میں الفت نہ ڈال سکتے لیکن اللہ ہی نے ان کے درمیان الفت ڈالدی بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ دیکھئے جہاں حضور جیسے مدبر عاقل حکیم دور اندیش ہوں کہ جن کی عقل کے کامل ہونے پر تمام جہان کا اتفاق اور تدبیر یہ کہ تمام روئے زمین کے خزانے اتفاق کے لئے خرچ کریں اور نتیجہ کیا ہے ما الفت بین قلوبہم اس سے کیا پتہ لگتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسباب ظاہرہ جیسے کوئی فنڈ اسلامی بنانا لکچر دینا رسالوں میں مضامین اتفاق کے شائع کرنا اس سے اتفاق پیدا نہیں ہوتا ولکن اللہ الف بینہم سے معلوم ہوتا ہے کہ مدار اتفاق کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ دلوں میں الفت پیدا کر دیتے ہیں۔ آپ مجھکو چاہیں میں آپ کو چاہوں ہر ایک ایک دوسرے کے نزدیک محبوب ہو۔ اب یہ بات رہی کہ وہ الفت اور محبت خدا تعالیٰ کس طرح سے پیدا کر دیتے ہیں اس کا سبب کیا ہے۔ یہ بھی حق تعالےٰ ہی سے پوچھو۔ چنانچہ اس محبت پیدا کرنے کے واسطے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے۔ جو میں نے اول تلاوت کی ہے۔ اور تبرکاً و تذکیراً پھر اسکا اعادہ کرتا ہوں ان الذین امنوا وعملوا الصلحت سیجعل لہم الرحمن ودا یعنی ایمان اور عمل صالح سے حق تعالیٰ ان لوگوں کی محبت بمعنے محبوبیت پیدا کر دیتے ہیں اب اہل علم کی سمجھ میں آیا ہوگا۔ کہ میں نے ود کو مصدر مبنی للمفعول کیوں لیا۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کی یہ خاصیت بیان فرمائی ہے۔ کہ اسکے اختیار کرنے والے قلوب میں محبوب ہو جاتے ہیں۔ پس جبکہ ایک جماعت ایمان اور عمل صالح اختیار کرینگے تو ان میں ایسا اتفاق پیدا ہوگا کہ کبھی نہ جائے گا لا یزال و لم یزل ہو جائیگا۔ پس سبب اصلی اتفاق کا ایمان اور عمل صالح ٹھیرا اب فرمائیے۔ کہ دنیا میں کتنے عاقل ہیں جنہوں نے یہ راز سمجھا ہو ہاں اتفاق اتفاق سب گاتے ہیں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اتفاق کا نام بھی نہ لو مگر ایمان اور عمل صالح اختیار کر لیجئے۔ اتفاق آپ کی لونڈی ہے دست بستہ وہ آپ کے سامنے آکر کھڑی ہو جائیگی۔ آپ کو اس کی ضرورت نہیں کہ آپ لکچر دیں یا مضمون لکھیں۔ اور پھر اتفاق بھی ایسا ہوگا کہ مرنے تک اور مرنے کے بعد جنت میں بھی نہ جائے گا۔ اور دعوے سے کہا جاتا ہے۔ کہ یہی ہے وہ محبت جو قائم رہنے والی ہے۔ باقی محبتیں سب زائل ہونے والے ہیں۔ میں اس کا نمونہ دکھلاتا ہوں سو دیکھئے۔ پیر سے جو محبت ہوتی ہے۔ وہ کیسی ہوتی ہے۔ کہ کبھی نہیں جاتی۔ اگر کسی امرد سے محبت ہو گئی ہے تو وہ جب ہی تک ہے۔ جب تک اس کے چہرہ پر بال نہ آجائے

یا جیسا یہاں نہ پڑھیں ؎

این نہ عشق است آنکہ در مردم بود ✤ این فساد از خوردن گندم بود
عشق با مردہ نباشد پائدار ✤ عشق را با حی و قیوم دار
عشقہائے کز پئے رنگے بود ✤ عشق نبود عاقبت ننگے بود
عاشقی با مردگان پائندہ نیست ✤ زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست

اور پیر کے ساتھ جو عشق ہے۔ اس کی کیفیت سُنئے۔ کہ پیر صاحب پر تو روز بروز بڑھاپا آتا جاتا ہے اور ان کا ان پر عشق بڑھتا جاتا ہے ؎

خود قوی تر مے شود خمر کہن ✤ خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

آخر پیر میں کیا شے ہے۔ کہ اس سے ایسی محبت ہو جاتی ہے۔ کہ اگر وہ جان بھی مانگے۔ اس سے بھی انکار نہیں۔ اسکا کیا سبب ہے۔ اسکا سبب وہی ایمان اور عمل صالح ہے چونکہ اس ایمان اور عمل صالح سے یہ اعتقاد ہے۔ کہ یہ حق تعالے کا مقرب ہے اسلئے طبعاً اسکی محبت ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض اوقات پیر اس سے ناخوش بھی ہوتا ہے۔ مارتا بھی ہے۔ کبھی کبھی نکال بھی دیتا ہے اور طرح طرح کی خدمتیں لیتا ہے مگر ان کی کیفیت یہ ہے کہ پیچھے جاتے ہیں مرے جاتے ہیں یہ نمونہ آنکھوں سے دیکھ لیجئے اب موجود ہے۔

حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ایک مرید بیان کرتے تھے۔ کہ حضرت ایک مرتبہ حرم میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دوسرے کو مار رہا ہے ہم لوگ سمجھتے تھے۔ یہ کوئی نوکر ہے حضرت نے فرمایا۔ کہ یہ پیر مرید ہیں اور فرمایا دیکھو پیر ایسے ہوتے ہیں۔ کبھی ہمنے بھی تم لوگوں کو مارا ہے واقعی حضرت کو تو اس قدر رحمت اور شفقت تھی۔ کہ کہیں نہ دیکھی نہ سنی سے مخالفت کی نگاہیں دیکھیں۔ جانیں کیا چشم غضبناک کو ہم ؟ میں سے حضرت کو دیکھا ہے کہ اپنے مریدوں کے ساتھ وہ برتاؤ فرماتے تھے جیسا کہ لوگ اپنے پیروں کیساتھ کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت سے فیض زیادہ ہوا خیر یہ تو حضرت کی خاص حالت تھی مگر مقصود اس وقت مجکو ان خراب پیر کے قصہ سے استدلال کرنا ہے کہ وہ مرید بڑی خوشی سے پٹ رہا تھا جو بدون محبت کامل کے اپنے اختیار سے کوئی انسان اسکو گوارا نہیں کر سکتا۔ اور اس محبت کا منشا صرف یہی امر ہے کہ اس کو اللہ والا و بلفظ دیگر کامل الایمان۔ کامل العمل سمجھتے ہیں۔ حضرت رح فرماتے تھے۔ کہ ایک مولوی صاحب فرماتے تھے۔ کہ خدا جانے یہ فقیر کیا گھول کر پلا دیتے ہیں۔ ہم طالب علموں کو کھلاتے ہیں پہناتے ہیں سبق پڑھاتے ہیں کتاب اپنے پاس سے دیتے ہیں۔ ان کے تمام ناز نخرے اٹھاتے ہیں اور جب پڑھ لکھ کر چلے جاتے ہیں۔ تو کوئی پوچھتا بھی نہیں اور ان فقیروں کے پاس جو آتا ہے۔ منہ سے بولتے تک نہیں وہ خانقاہ میں پڑے

ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہے کبھی شاہ صاحب ہنس پڑے تو عید ہو گئی جیسے کسی عورت کو اس کا خاوند مدت
لگاتا تھا ایک روز اس نے گاجر کھا کر مینڈی عورت کے ماردی تو اس نے اپنی ماں کو کسی کے ہاتھ کہلا کر بھیجا
کہ کھائی تھی گاجر ماری تھی مینڈی اماں سے کہنا کہ کچھ کچھ سہاگ ہو گیا ہے (ایسا ہے) ایسے ہی یہ مرید بھی
پیر صاحب کے ہنسنے سے پھولے نہیں سماتے۔ برسوں کے بعد اگر کچھ بتلا دیا۔ تو بہت ہی خوش ہیں حالانکہ
پیر صاحب پر کونسی محنت پڑی ذرا زبان ہلادی۔ ساری محنت مرید ہی کرتا ہے پھر حالت یہ ہے۔ کہ نہ
اس کے کھانے کی خبر نہ پینے کی خبر اور خدمتیں کرو وہ علیحدہ اور اگر پیر صاحب کے یہاں بھینس بھی ہے۔ تو
سانی کرو چارہ لاؤ بھینس کو چراؤ دودھ نکالو اور جب چاہیں بھینس کی وجہ سے مرید کو نکال دیں
جب چاہیں ماریں مگر وہ ہے کہ ٹلتا ہی نہیں زندگی تک تو یہ حال رہتا ہے اور جب پیر صاحب مر گئے
بیوی بچوں کو چھوڑ ان کی قبر کا مجاور ہو گیا غرض خدا جانے کیا پلا دیتے ہیں کہ سر پٹ ہو کر لپٹ جاتا ہے۔
حضرت ان کے پاس ایک مقناطیس ہے وہ اس سے جذب کرتے ہیں وہ کیا ہے وہی خدا تعالیٰ کی
اطاعت شیخ شیرازی فرماتے ہیں ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ + کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

مولانا رومی فرماتے ہیں ؎ ہر کہ ترسید از حق و تقوی گزید ۔ ترسد ازوے جن و انس و ہر کہ دید

یہ خوف اور محبت کا جمع ہونا بھی نہایت عجیب وغریب ہے۔ دیکھئے اس قسم کے نمونے موجود ہیں۔ کہ مدار
محبوبیت کا ایمان اور عمل صالح ہی ہے۔ اب مجھے اپنے اس دعوے پر دلائل کی ضرورت نہیں اسلئے
کہ جبکہ میں مشاہدہ کرا رہا ہوں تو دلیل کی اب کیا ضرورت رہی۔ مگر تبرعاً اس کی وجہ بھی بتاتا ہوں۔ کہ
ایمان وعمل صالح کی وجہ سے محبت کیوں ہوتی ہے اصل وجہ تو یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خاصیت ہی
یہ رکھدی ہے۔ جیسے بعض دوائیں بالخاصہ موثر ہوتی ہیں ایسے ہی یہ بھی ہے لیکن یہ زمانہ ہے
تحقیقات کا اس لئے اس پر اکتفا نہ کیا جاویگا اسلئے میں اس کی دو وجہ بیان کرتا ہوں ایک تو ظاہری
اور ایک باطنی۔ باطنی کو اول بیان کرتا ہوں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو
حقتعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ تمام ملائکہ میں پکار دو کہ فلاں بندہ
سے ہم کو محبت ہے تم بھی اسکو دوست رکھو پھر حکم ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی پکار دو اگر کوئی شبہ کرے کہ ہم کو کسی
کی نسبت بھی اعلان نہیں سنتے بات یہ ہے کہ فرشتوں کا اعلان قلوب میں ہوتا ہے اور وہ یہی کہ اسکی
محبت قلوب میں پڑ جاتی ہے چنانچہ زمین میں یہ اعلان کیا جاتا ہے فیوضع لہ القبول فی الارض
پس وہ سب کی نظروں میں مقبول ہوتا ہے اسکے بعد حضور نے استشہاد میں یہ آیت پڑھی

ان الذین امنوا وعملوا الصلحت سیجعل لہم الرحمن ودا حضور کا آیت پڑھنا صریح دال ہے اسپر کہ ود بمعنی مصدر مبنی للمفعول ہے اور میرا اس مضمون کو اس آیت سے استنباط کرنا صحیح ہے۔ دوسرا راز باطنی یہ ہے۔ کہ محل محبت کا قلب ہے اور قلوب حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جب وہ قلوب میں کسی کی محبت پیدا کرنا چاہیں گے۔ بالاضطرار اس کے سامنے جھک جانا ہی پڑیگا۔ اس کے سامنے پھر کسی کا حوصلہ نہیں ہے کہ ٹیڑھا چلے۔ ایک مقام پر ایک بزرگ سے کوئی شخص الجھا دونوں طرف خشک خشک جواب ہوئے ان بزرگ کے پاس سے وہ شخص پچاس قدم بھی نہ گیا ہوگا۔ کہ دل میں ایک چوٹ سی لگی اور قدم آگے نہ بڑھا اور واپس آکر ہاتھ جوڑے کہ خدا کیواسطے میرا قصور معاف کردو۔ اور یہ کہا۔ کہ خدا جانے مجکو کیا ہو گیا کہ میں قدم آگے بڑھاتا تھا۔ اور پیچھے کو ہٹتا تھا۔ وہ بات کیا تھی یہ نہیں کہ ان بزرگ نے کچھ تصرف کیا ہو۔ بلکہ اس پر ایک سرکاری پیادہ مسلط ہوگیا اور کشاں کشاں اس کو پکڑ لایا غرض ان بزرگ نے جب قصور معاف کیا اس وقت وہ گیا اس سے معلوم ہوا کہ قلب میں کوئی بات خدا تعالیٰ پیدا کردیتے ہیں غرض راز باطنی تو اس کا یہ ہے اور راز ظاہری یہ ہے کہ محبت کے کل تین سبب ہوا کرتے ہیں۔ نوال۔ کمال۔ جمال۔ کبھی نوال یعنی عطا واحسان سبب محبت کا ہوتا ہے۔ چنانچہ محسن سے اسی بناء پر محبت ہوتی ہے اور عطا ہی میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کی خطا معاف کردی جاوے یا کسی کا کام کردیا جاوے۔ کسی کی بہبودگی پر درگذر کی جاوے۔ کبھی کمال کی وجہ سے محبت ہوتی ہے خواہ علمی ہو یا عملی یا اخلاقی مثلاً اہل علم سے محبت اسی واسطے ہوتی ہے کہ ان میں کمال علم ہے اگرچہ اس کے علم سے اپنے کو بھی نفع نہو اور جیسے حاتم کی سخاوت سُنکر اسکی طرف ایک میلان ہوتا ہی اور جیسے رستم سے اسی واسطے محبت ہے کہ اسمیں شجاعت کا کمال ہے۔ مجکو یاد ہے کہ بچپن میں اردو شاہنامہ دیکھا کرتا تھا جب کسی لڑائی کا قصہ آتا تو جی سے تمنا ہوتی تھی کہ خدا کرے یہ لکھا ہو کہ رستم جیت گیا حالانکہ اگر وہ جیت گیا یا ہار جاوے تو ہم کیا نفع ہے مگر اسکے کمال کی وجہ سے کان اس بات کو نہیں سن سکتے تھے کہ ہار گیا۔ تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کے اندر شجاعت کا کمال تھا۔ اس زمانہ میں جو بہت واقعات لڑائی کے ہوئے تو مسلمانوں کے غلبہ کو سُنکر مسلمانوں کا دل تو خوش ہوتا ہی تھا مگر بہت سے ہنود کو بھی دیکھا کہ وہ ان کے غلبہ کو سنکر خوش ہوتے تھے۔ اس کا سبب بھی وہی محبت ہے تُرکوں سے بسبب ان کے کمال شجاعت کے اور اسکے علاوہ ایک سبب ترکوں سے محبت کا ان کی مظلومیت بھی تھی کہ یہ بھی کمال میں داخل ہے۔ اسلئے کمال یہ ہے کہ کسی پر ظلم نکرے اور جب اسپر ظلم ہو تو مستقل رہے تیسرا سبب محبت کا جمال ہوتا ہے جیسے کوئی حسین جمیل ہے اس سے بالطبع محبت ہوتی ہی لیکن اسکے ساتھ ہی

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ گورے چٹے کو جمیل نہیں کہتے یہ تو پوست پرستوں کا مذہب ہے کہ ان کے یہاں محبت جمال صورت ہی سے ہے عقلاء کے نزدیک اصلی جمال یہ ہے کہ اخلاق میں تناسب و اعتدال ہو اور اسی سے کشش ہوتی ہے قلوب کو اور اگر اس کے ساتھ صورت بھی کچھ اچھی ہو تو بہت ہی کچھ کشش ہوتی ہے یہ ہیں طبعی اسباب محبت کے اب دیکھئے مطیعان شریعت میں یہ امور کس درجے کے ہوتے ہیں کیونکہ خود تعلیم شریعت ہی ان کی جامع ہے چنانچہ نوال کی تو یہ کیفیت ہے کہ ایثار۔ جود۔ کرم۔ عطا۔ انسان ہی کے ساتھ نہیں بلکہ جانوروں تک کے ساتھ کرنے کا حکم فرمایا ہے جو ہمدردی شریعت نے تعلیم کی ہے کیا کوئی اس کا مقابلہ کر سکتا ہے اور اس پر ممکن ہے کہ کوئی ایسا شخص جو سانپ وغیرہ کو بھی نہیں مارتا یہ کہے کہ شریعت نے تو موذی جانوروں کے مارنے کا حکم دیا ہے یہ کیا ہمدردی ہے اور ہم تو موذی جانوروں کو بھی نہیں ستاتے صاحبو ہر شے کا ایک مصرف ہے رحم اور ہمدردی کا بھی موقع ہے اگر اس موقع پر کیجائیگی تو مدح کے قابل ہوگی ورنہ ہمدردی نہ ہوگی دیکھو پیار محبت بہت اچھی شے ہے مگر کس کے ساتھ اپنے بچوں کیساتھ بیوی کیساتھ اگر کوئی بیہودہ معمول کرلے کہ جب گھر آیا کرے اماں جان کو پیار کیا کرے تو اسکو سب مسخرہ اور بیوقوف اور بے ادب کہیں گے اسی طرح مثلاً باپ کو برخوردار نور چشم لکھنے لگے تو معیوب ہوگا غرض ہر شے کے اندر اعتدال ہونا چاہیئے۔ ورنہ پھر وہ اپنی حد سے نکل کر اپنی ضد میں جا پہنچتی ہے بقول اہل تحقیق

الشئ اذا خرج عن حدہ مال الیٰ ضدہ مثلاً ترحم ہی ہے اس میں اگر اعتدال نہ ہو مثلاً چوہوں کو نہیں مارا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے آدمیوں کو مارا کیونکہ وہ آدمیوں کو تکلیف دینگے کیا اچھا رحم ہوا کہ چوہوں پر تو رحم کیا اور اپنی بنی نوع کا نقصان کیا۔ اسلام نے اخلاق کی تعدیل کی ہے یہ تو نوال میں گفتگو تھی۔ اب کمال کو لیجئے۔ بڑا کمال علم ہے شریعت اس کے حاصل کرنے کی بہت ہی تاکید ہے۔ سخاوت اور شجاعت بھی کمال ہیں شریعت نے ان دونوں کا بھی ایسا اہتمام کیا ہے کہ کوئی اسکی نظیر نہیں دکھلا سکتا اب رہگیا جمال تو اس کا مدار ہے اخلاق پر اس لئے کہ اخلاق حمیدہ میں جو کشش ہے حسن صورت میں سقدر نہیں ہے اگر کسی کے لئے اخلاق جمیل ہوں اگرچہ ترکیب اعضاء کے قاعدے سے عرفاً وہ حسین نہ ہو مگر اسکے اندر ایک دلربائی چہرہ پر حلاوت اور نور ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے حسینوں میں وہ بات نہیں ہوتی بازاری عورتیں اپنے کو بہت بناتی ہیں مگر چونکہ اخلاق ذمیمہ ان کے اندر ہوتے ہیں اسلئے چہرہ پر پھٹکار برستی ہے۔ بھولاپن نہیں ہوتا۔ بخلاف عفیف عورتوں کے کہ کیسی ہی میلی کچیلی کالی کولی ہوں مگر ان کے اوپر ایک نور اور کشش ہوتی ہے سو اعمال صالحہ میں یہ خاصیت بھی ہے کہ جمال بڑھ جاتا ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ سیماھم

فی وجوھم من اثر السجود مولانا فرماتے ہیں ؎ نور حق ظاہر بود اندر ولی ٭ نیک بیں باشی اگر اہل دلی۔

کسی نے خوب ترجمہ کیا ہے ؎ مرد حقانی کی پیشانی کا نور * کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور۔

اور اگر کسی کا ذہن اتنا عمیق نہو اور غایت بلاہتہ سے وہ حسن متعارف ہی میں جمال کو منحصر سمجھتا ہو تب بھی ظاہر ہے کہ محبوبیت کاملہ کے لئے اس کا مدار ہونا مشروط ہوگا اس حسین الصورت کے حسین الخیر ہونے پر جس سے پھر اصل مدار یت ایمان و عمل صالح ہی کیلئے ثابت رہی ورنہ اگر اس کی سیرت اچھی نہوئی تو بعض کو اس سے محبت ہی نہ ہوگی اور اگر کسیکو ہوگی؛ کامل نہ ہوگی یعنی ضعیف ہوگی یا جلدی زائل ہو جاویگی یعنی جب یہ حسن جاتا رہیگا تو محبوبیت بھی جاتی رہیگی اور حسن سیرت پر جو محبوبیت ہوگی وہ مدت العمر باقی رہیگی علاوہ اسکے اگر اس سے بھی قطع نظر کیجاوے تب بھی محبوبیت کیلئے مجموعہ اسباب کا جمع ہونا ضروری نہیں اگر مومن و عامل صالحات میں جمال بھی نہو تب بھی دوسرے اسباب تو قوت کیساتھ موجود ہیں وہ بھی محبوبیت کیلئے کافی ہیں اور اگر کسی کافر میں محبوبیت پائی جاوے تو اگر وہ اخلاق اسلامی میں سے کسی خلق کے پائے جانے سے ہے تب تو اوسکا سبب بھی عمل صالح ٹھیرا باقی یہ بات کہ پھر مومن کی کیا تخصیص ہوئی اسکی تحقیق یہ ہے کہ وہ خلق بھی غیر مومن میں اس کمال کے ساتھ ہرگز نہ پایا جاویگا جیسا مومن میں کیونکہ مومن میں اُسکا مقتضی مضبوط ہوگا یعنی ابتغاء مرضات حق جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا بخلاف کافر کے کہ اوسکا جو منشا ہوگا وہ متبدل ہوگا اور اُسکے تبدل سے وہ خلق متبدل ہو سکتا ہے پس کمال محبوبیت مومن ہی میں رہی اور اگر اخلاق کے علاوہ اور کوئی امر ہے جیسے حسن صورت وغیرہ تو وہ عام محبوبیت کا سبب نہ ہوگا چنانچہ مسلم و مشہور ہے معشوق من ست آنکہ بہ نزدیک تو زشت ست۔ بخلاف اسباب تعلیم فرمودہ شریعت کے کہ اوس میں یہ اثر عام ہے البتہ جس کے مدرکات ہی ٹھیک نہ رہے ہوں یا اُسکی کوئی غرض فوت ہوتی ہو اُسکا اعتبار ہی نہیں یہ مضمون آئندہ مقصوداً بھی آتا ہے۔ اور ہیجیے ایک سبب محبت کا خوش معاملگی و خوبی معاشرت ہے جو مفہوم کلی کمال میں داخل ہو سکتی ہے شریعت نے اسکی یہانتک تعلیم کی ہے کہ دور دور تک کے احتمالات تک پر نظر فرمائی ہے کہ کسی کے مال میں بلا اجازت تصرف نہ کرو کسی کے خلوت خانہ میں بلا اجازت نہ جاؤ اگر جاؤ تو اجازت لیکر جاؤ اور اُسکا طریقہ کیسا اچھا تعلیم فرمایا کہ دروازہ پر کھڑے ہو کر کہو السلام علیکم ا ادخل یعنی میں آؤں تین بار کہنے پر اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے آؤ کواڑ مت کھٹ کھٹاؤ ممکن ہے کہ اسوقت ملنے سے کچھ عذر ہو سوتا ہو یا جی نہ چاہتا ہو اوسکو معذور سمجھکر واپس چلے آؤ اور اگر اندر سے یہ کہدیا جاوے کہ اسوقت واپس جاؤ تو واپس چلے آؤ برا مت مانو چنانچہ ارشاد ہے

ہوا زکی اِلکم کہ یہ زیادہ صفائی کی بات ہے شاہ عبدالقادر صاحب اسکی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی اس میں ملاقات صاف رہتی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لیگئے وہ عوالی میں رہتے تھے بعض عوالی کئی کئی میل کے فاصلہ پر تھے اور السلام علیکم أ أدخل تین بار فرمایا جب تینوں مرتبہ جواب نہ آیا تو آپ واپس تشریف لیجانے لگے حضرت سعد بن عبادہ دوڑے کہ یا رسول اللہ آپ کہاں چلے فرمایا کہ تین مرتبہ کے بعد انتظار کرنا نہ چاہئے سعد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں تو برابر سنتا رہا مگر اسلئے نہیں بولا کہ اچھا ہے یہ دعائیہ کلمات جو اس زبان مبارک سے نکل رہے ہیں جتنے مل جائیں غنیمت ہیں افسوس ہے کہ آجکل بجائے السلام علیکم کے جو تمام دعاؤں اور ادب کو جامع ہے آداب کورنشات نکلا ہے آداب کے معنی تو میرے نزدیک یہ ہیں کہ آیا ؤن داب یہ ادب ہوا کہ دوسرے کو حکم پاؤں دابنے کا کر رہے ہیں بعض لوگ بندگی کرتے ہیں میں جب کانپور اوّل اوّل گیا تو وہاں مسلمانوں میں بھی اس لفظ بندگی کا رواج دیکھا ہو اب جو کوئی مجھ سے ملنے آتا ہے تو وہ بندگی کہتا ہے مجھے غصہ آیا کہا کہ میں کیا ہنود ہوں جو بندگی مجھکو کہتے ہیں وہاں کے لوگوں نے کہا کہ یہاں کا رواج ہی یہ ہے یاد رکھو یہ لفظ سب خرافات ہیں السلام علیکم سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہے تمام دعاؤں کو جامع ہے لیکن خدا تعالیٰ کو ان لوگوں کو اسکی برکات سے محروم کرنا ہے اسلئے انکو توفیق ہی اسکی نہیں ہوتی غرض حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضور کو پھر لائے دیکھئے حضور نے بھی خود اپنے اوپر اس قانون کو جاری کیا اور پھر کمال اخلاق یہ ہے کہ شکایت حکایت نہیں یہاں تو کوئی ادنیٰ آدمی بھی ہو تو کہنے لگتا ہے کہ تم بڑے مغرور ہو ہم پکارتے رہے چلاتے رہے سنا ہی نہیں اور اس باب میں شرع نے یہاں تک رعایت کی ہے کہ ارشاد ہے لایتناجی اثنان دون الثالث یعنی اگر تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آپس میں سرگوشی نکریں اسلئے کہ اسکا دل دکھے گا کہ بس میں ہی غیر تھا مجھ سے چھپانا منظور تھا کہاں ہیں تمدن کے مدعی میں بقسم کہتا ہوں کہ شریعت نے تمدن کی اس قدر رعایت کی ہے کہ آج تک کوئی کرتا تو کیا اوسکے دقایق اور اوسکی علل سمجھنے کے لئے بھی بڑے دماغ کی ضرورت ہے افسوس شریعت جیسے دلبر رعنا کو لوگ ڈائن سمجھتے ہیں ارے شریعت تو وہ محبوب ہے کہ جیسا کسی نے کہا ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم ٭ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست ٭

جس ادا کو دیکھو دل کھینچتا ہے اے صاحبو اپنے گھر کی دولت چھوڑ کر کیوں دوسروں سے بھوٹی کوڑیاں مانگتے ہو تمہاری معاشرت تمہارے کھانے پینے تمہارے اخلاق تمہاری سیاست وانتظام شریعت نے کسی بات کو بھی تو نہیں چھوڑا افسوس ہے کہ اور ہزار افسوس ہے کہ ایسی محبوبہ کو چھوڑ کر مُحرِّ طلیون پر گرتے ہو کیونکہ شریعت کے سامنے تہذیب جدید کو بالکل یہی نسبت ہے اور طرفہ یہ کہ شریعت میں دین کی راحت تو ہے ہی دنیا کی بھی پوری آسائش ہے اور اسیطرح اس تہذیب مخترع میں دین کا تو جو کچھ بھی ضرر ہو خود دنیا کی بھی کلفتیں ہیں چنانچہ مقابلہ اور امتحان ہی کے طور پر دیکھ لو مثلاً آجکل ہمارے ترقی یافتہ بھائی آزادی کا بہت دم بھرتے ہیں اور شریعت کو قید بتلاتے ہیں ہم تو اسکا برعکس دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ مقید ہیں اور ہم آزاد ہیں ایک صاحب کانپور میں کوٹ پتلون بوٹ سوٹ سے کسے کسائے میرے پاس آئے وہ بیٹھنا چاہتے تھے کرسی پر تو وہ سہولت سے بیٹھ جاتے لیکن ہم غریبوں کے پاس کرسی کہاں ہمارے لئے تو چٹائی پر بیٹھنا فخر ہے اب وہ کھڑے ہیں لیکن کھڑے کھڑے بات کیسے کریں ہاتھ میں ایک چھڑی بھی تھی چھڑی پر سہارہ دیکر اور تاک لگا کر بعد سے گر پڑے مجھے بڑی ہنسی آئی بتلائیے یہ تہذیب ہے یا تعذیب یہ آزادی ہے یا قید ہے بیٹھنا تو مصیبت تھا ہی اور اٹھنا اور بھی زیادہ مصیبت ہوا اور اگر چلتے چلتے گر پڑیں تو بس وہاں ہی پڑے رہتے ہونگے اور لیجئے اگر جنگل میں کھانیکا وقت آجاوے تو ہم تو دانہ بھی چبا سکتے ہیں اور روٹی ہو وہ بھی آدمیوں کی طرح بیٹھکر کھا سکتے ہیں اور انکے لئے میز ہو کرسی ہو کانٹا ہو چھری ہو جب یہ کھانا تناول فرمائیں کپڑوں میں ہماری یہ حالت ہے کہ پاجامہ ہو لنگی باندھ لینگے اچکن نہ ہو کرتہ کافی ہے عمامہ نہ ہو ٹوپی ہی سہی پھر ٹوپی بھی خواہ کسی کپڑے کی ہو بجز حدود شرعیہ کے کوئی قید نہیں اگر وہ بھی نہ ہو تو ننگے سر رہیگے اور پھر اچکن اگر بانات کا ہو تو اسکی قید نہیں کہ پاجامہ کشمیرہ کا ہو لٹھ کا ہو گاڑھے گزی کا ہو کسی قسم کا ہو نہ ہو لنگی بھی کفایت کرتی ہے اُن کو یہ مصیبت ہے کہ اگر پتلون کسی خاص کپڑے کا ہو تو کوٹ بھی اُسکے مناسب ہو قمیض بھی اوسکے مناسب ہو ورنہ فیشن کے خلاف ہے کیوں صاحبو یہ آزادی ہے تو بڑی بھاری قید ہے میں اُنکی آزادی کی حقیقت عرض کرتا ہوں کہ یہ لوگ صرف خدا اور رسول سے آزاد ہیں باقی نہ کھانے میں آزاد نہ پینے میں آزاد نہ پہنے

ہیں آزاد ہر بات میں مقید ہیں اگر آزاد ہیں تو خدا اور رسول سے آزاد ہیں تو خاک پڑے ایسی آزادی پر اور بہاڑ میں جائے ایسی مطلق العنانی اور مبارک رہے ہمکو یہ قید اگر ہم مقید ہیں تو ہماری قید کی تو حالت یہ ہے ؎ اسیرش نخواہد رہائی زبند ❊ شکارش نجوید خلاص از کمند اور وہ قید ہے ؎ گر دو صد زنجیر آری بگسلم ❊ غیر زلف آن نگار مقبلم ❊

اور ہماری ایسی قید ہے کہ مدتوں کے بعد محبوب کسیکو ملا ہو اور وہ اپنے لطف و کرم سے اوسکا ہاتھ زور سے پکڑ کر عاشق کو اپنے پاس بٹھلائے اور اوسکو نچھوڑے تو اُس عاشق کی اُسوقت کیا حالت ہوگی اُسکی تو غیبت میں یہ حالت تھی کہ کہا کرتا تھا ؎

اگرچہ دور افتادم بدین امید خرسندم	کہ شاید دست من بار دگر جانان من گیرد

بھلا اب کیا حال ہوگا بلکہ اگر وہ محبوب یہ کہے کہ اگر تمکو زور سے ہاتھ پکڑنے میں تکلیف ہو تو تمہارا ہاتھ چھوڑ دوں تو وہ عاشق یہ کہیگا کہ میرا ہاتھ کیا جان بھی نچھوڑو اور یہ کہیگا ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ❊ سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی ❊

پس جن کو خدا اور رسول کے ساتھ اس درجہ محبت ہے کیا وہ اس قید کو ناگوار قید سمجھے گا ہرگز نہیں جسکو کسی سے کبھی محبت ہوئی ہوگی وہ ہی اُسکا لطف جانتا ہے ہاں جس قلب میں محبت کا مذاق ہی نہو وہ کیا جانے کہ اس میں کیا لطف ہے نامراد اصلی کیا جانے کہ عورت میں کیا لطف ہوتا ہے ورنہ اگر مذاق ہے تو خدا جانتا ہے کہ ساری قیدیں آسان ہیں وہ چولھے میں ڈالیگا ان قیدوں سے آزاد ہونے کو اور بہاڑ میں ڈالیگا ایسی عقل کو اور سر پر رکھہ لیگا دیوانگی کو ایسی دیوانگی کی نسبت مولانا رح فرماتے ہیں ؎

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم	مست آن ساقی وآن پیمانہ ایم

ایسے شخص پر جو حالت بھی ہو ناداری ہو بیماری ہو افلاس ہو اُسکو سب گوارا ہیں اور اول تو ایسے شخص کو کوئی بھی مصیبت نہیں ہوتی اور بالفرض اگر ہوں بھی تو اُسکو اس حالت میں بھی چین ہے سکون ہے اطمینان ہے اُسکی زندگی لطف کی زندگی ہے خواہ کسی حالت میں ہو حقتعالے اسی حیات کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں من عمل صالحا من ذکر او انثی فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ یعنی جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اُسکو ہم پاکیزہ زندگی عطا فرماتے ہیں اُن کی ہر وقت تسلی کیجاتی ہے اونکے قلب میں سکون اور چین کا افاضہ ہوتا رہتا ہے اور اُن کو ہر حال میں یہ کہا جاتا ہے ؎ سوئے نومیدی مرو کامید ہاست ❊ سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست ❊

بس اس قید میں اگر اُن کو کچھ تعب بھی ہو تو کچھ پروا نہیں اور ایسی قید کے مقابلہ میں جو آزادی ہے وہ نری جہل ہے اور سراسر خسران ہے حرمان ہے اور یہ آزادی بس خدا ورسول سے آزادی ہے ورنہ یہ لوگ سراپا مقید ہیں۔ دیکھا آپ نے کہ اسلام نے ہم کو کیسی آشائش کی معاشرت سکھلائی ہے اور حقوق کی کہاں تک رعایت کی ہے اور دیکھئے اسلام کی تعلیم ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہو اور یہ جڑ ہے محبوبیت باہمدگر کی چنانچہ ارشاد ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ مسلمان وہ ہے کہ جسکی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں یعنی کسیکو اُس سے ضرر واذیت نہ پہونچے یہ تو کلیہ ہے پھر اسکی جزئیات کی عملی اور علمی طور سے ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ انتہا کو پہونچا دیا ہے چنانچہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی بھائی مسلمان سوتا ہو اور تمکو اُٹھنے اور کہیں جانے کی ضرورت ہو تو آہستہ سے اُٹھو اور آہستہ سے جوتے پہنو آہستہ سے کواڑ کھولو اگر بات کرو آہستہ سے کرو یہ سب حضور نے کرکے دکھلا دیا جیسا نسائی میں حضرت عائشہ رضہ سے لیلۃ البراۃ کے قصہ میں مذکور ہے وقت کم ہے ورنہ ایک ایک جزئی کے متعلق میں قصے بیان کردیتا میں نے ایک کتاب آداب المعاشرت[ع۵] لکھی ہے اُس میں یہ دکھلا دیا ہے کہ دوسروں کو تکلیف نہ دینے کی شارع نے کتنی رعایت کی ہے آجکل جو دیندار کہلاتے ہیں وہ دینداری کو ان چند باتوں میں منحصر سمجھتے ہیں کہ پائنچے ٹخنے سے اُپر کرلئے ڈاڑھی بڑھا لی نماز پڑھ لی بس دیندار ہوگئے باقی نہ اخلاق کو جزو دین سمجھتے ہیں نہ معاشرت کا دین سے کچھ تعلق جانتے ہیں نہ معاملات اُن کے شریعت کے موافق ہیں کسی کو ستا لیا کسی کی غیبت کرلی کسی کو حقیر سمجھ لیا کسی کی آبروریزی کرلی اور پھر دیندار کے دیندار اس کی وہ مثال ہے جو مولانا یا اور کوئی مصلح فرماتے ہیں ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل	واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید ؎ وز درونت ننگ میدارد یزید

ایسے دینداروں کو دیکھکر لوگ سمجھتے ہیں کہ بس دیندار ایسے ہی ہوتے ہیں اور شریعت یہی تعلیم ہے صاحبو یاد رکھو کہ دین نام صرف ظاہر ہی کے درست کرنیکا نہیں گو ظاہر کی اصلاح بھی دین میں مامور بہ ہے مگر صرف اُس سے پورا دیندار نہیں ہوتا پورا دیندار وہ ہے جو شریعت کے ہر ہر حکم پر

عـ۵ الحمدللہ لکھنؤ چھپ گئی ہے ۱۲ منہ

عمل کرے ظاہر کے متعلق بھی اور باطن کے متعلق بھی حسین اوسکو کہینگے جو سر سے پاؤں تک
حسین ہو اور اگر سب اعضا خوبصورت ہوں اور آنکھیں پھوٹی ہوئی ہوں تو وہ حسین نہیں ہے
پس جس کے اندر ایک بات بھی دین کے خلاف ہو گو وہ ہم سے اچھا ہے لیکن اُسکو نمونہ دین
کیوں سمجھتے ہو۔ اور دیکھئے شریعت کی تعلیم ہے کہ سفارش سے بھی کسی کو تکلیف نہ ہو
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضہ سے حضرت مغیث کی سفارش کی جو اول اُن کے شوہر
تھے اور اُنہوں نے خیار عتق کی بناء پر تفریق کر لی تھی اُن سے نکاح کرنیکے لئے فرمایا وہ
پوچھتی ہیں کہ آپ کیا حکم فرماتے ہیں یا سفارش آپ نے فرمایا سفارش کہنے لگیں مجھکو منظور
نہیں آپ ناخوش نہیں ہوئے اس سے ثابت ہوا کہ سفارش وہی ہے جس میں کسی پر زور نہ
ڈالا جاوے تو اتنی تکلیف بھی کسی کی گوارا نہیں کی گئی اسی طرح دین کے اندر صفائی کا حکم ہے
دیکھئے اگر معاملات کو صاف رکھیں تو ممکن نہیں کہ دلوں میں فرق آوے بہر حال شریعت کا
جو حکم معاملہ و معاشرت و اخلاق کے متعلق ہے اُوسکی تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس تمام
کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ ہو۔ الحاصل جو اسباب محبت کے ہیں نوال جمال
کمال شریعت نے اُنکی بابلغ وجہ تعلیم فرمائی ہے پس جو شخص شریعت پر عمل کریگا جو کہ عملوا الصلحت
کا مدلول ہے وہ بالطبع محبوب ہو جائیگا اور اپنی قوم میں تو محبوب ہو ہی گا غیر قوم میں بھی اُسکا اعتبار
ہو گا اس سے بعض اعمال صالحہ کا دوستی میں دخل ہونا ہو سمجھ میں آگیا ہو گا جو کہ باب معاملہ و معاشرت
و اخلاق سے ہے اب یہ بات رہ گئی کہ ایمان اور نماز روزہ کو کیا دخل ہے محبوبیت میں سو اُسکی نسبت
سنو کہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ کوئی کام ہو اول اُسکا قلب میں ارادہ پیدا ہوتا ہے پھر اُسکا جوارح سے
ظہور ہوتا ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ کسی امر پر نباہ بغیر اسکے نہیں ہو سکتا کہ اُسکا تقاضا شدید
قلب میں راسخ ہو جائے اور اُسکے اضداد و موانع قلب سے مرتفع ہو جائیں ورنہ ارادہ ہو گا مگر غیر راسخ
جب راسخ نہیں تو اکثر ارادہ بھی نہ ہو گا تو عمل بھی نہ ہو گا پس ثابت ہوا کہ مداومت و استقامت بدون
تقاضائے قلب کے نہیں ہوتا پس اس قاعدہ کے موافق اخلاق و معاملات و معاشرت کی درستی
بھی جسکا دخیل ہونا محبوبیت میں مسلّم ہو چکا ہے جب ہی ہو سکتی ہے کہ ان چیزوں کا قلب
میں تقاضا اور رسوخ ہو اور وہ تقاضا و رسوخ بغیر ایمان اور روزہ نماز کے نہیں
ہو سکتا اس لئے کہ تمام قواعد متعلقہ بصدق و معاملات اللہ و رسول نے ہی
ہم کو تعلیم فرمائی ہیں تو جب تک تصدیق اللہ و رسول کی قلب میں راسخ ہو گی

تو اُن تعلیمات پر استقامت نہ ہوگی یہ تو ایمان کا دخل ہوا اور روزہ نماز کو یہ دخل ہے کہ یہ کیفیت قلبی تقاضے کی موقوف ہے قلب کی صفائی پر اور قلب کی صفائی بغیر روزہ نماز کے نہیں ہوتی روزہ سے تو اس طرح کہ اس سے قوت بہیمیہ کا انکسار ہوتا ہے اور نماز سے تواضع پیدا ہوتی ہے تکبر ٹوٹتا ہے اور تکبر و بہیمیہ ہی اصل ہے بہت سے اخلاق ذمیہ کی پس صوم و صلوٰۃ سے اُسکی اصلاح ہوگی اور اُسکی اصلاح سے معاملات وغیرہ درست ہو جو مدار ہے محبوبیت کا اور سبب کا سبب سبب ہوتا ہے پس نماز روزہ سبب ہو امحبوبیت کا مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ایمان اور صلوٰۃ و صوم کا موضوع لہ صرف یہی ہے اصلی موضوع لہ تو اُن کا قرب الٰہی ہے لیکن یہ محبوبیت بھی اوسپر خاصہ لازمہ کے طور پر مرتب ہو جاتی ہے چونکہ یہاں بیان تھا محبوبیت و مودۃ کا اسلئے اسکا بھی اوس میں دخل بیان کر دیا گیا۔ اب دو سوال رہ گئے ایک سوال تو یہ ہے کہ ہم بعضے دیداروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ شریعت کے پورے پابند ہیں اور ساری دنیا کو نصیحت کرتے ہیں لیکن سب سے اُنکی لڑائی رہتی ہے لوگ اُن کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے ہیں وہاں محبوبیت کا ترتب کیوں نہیں ہوتا جواب اسکا یہ ہے غ

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

یہ سوال آپ کا کم فہمی سے پیدا ہوا ہے۔ صاحبو نصیحت کا بھی شارع نے قانون مقرر کیا ہے جب کوئی شخص اُس قانون کے خلاف کرے گا تو اُس نے کمال ایمان و عمل صالح ہی میں خلل ڈالا۔ اس لیے لامحالہ وہ ایمان و عمل صالح کے اس ثمرہ مودت و محبوبیت سے ضرور محروم رہے گا۔ اس سے وہ شبہ جاتا رہا اور وہ قانون یہ ہے کہ نصیحت خیر خواہی اور محبّت اور ہمدردی سے ہو نفسانیت کا اُس میں شائبہ نہ ہو تو جو شخص اس قانون کے موافق عمل کرے گا اُس کی کسی سے مخالفت ہو ہی نہیں سکتی شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ نے مجلس وعظ میں ایک شخص کو دیکھا کہ اُس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہے۔ کوئی اور مولوی صاحب ہوتے تو بلا کر ملامت کرتے۔ بُرا بھلا کہتے۔ سچ یہ ہے کہ ہم لوگ نام کے مولوی ہیں۔ اور حرف کے الفاظ پرست ہیں۔ حالانکہ الفاظ یاد کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک حال نہ ہو مولانا رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو	پیش مرد کاملے پامال شو

پس اگر کوئی نرا مولوی ہوتا تو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آیات و احادیث پر اسطرح عمل کرتے۔ کہ بلا کر اسکو برا بھلا کہتے اب عداوت و نفرت جانبین میں ہوتی اور اسکو دیکھکر بیشک یہ شبہ پیدا ہوتا کہ تم تو کہتے ہو کہ شریعت پر عمل کرنے سے محبوب ہو جاتا ہے اور اس پر لوگ یہ دونوں کیطرح عمل کرتے ہیں لیکن ہم تو دیکھتے ہیں کہ بجائے دوستی کے اور الٹی عداوت اور نفرت ہوگئی۔ لیکن شاہ صاحب نے یہ نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ آپ ذرا ٹھہر جائیے آپ سے کچھ مشورہ کرنا ہے وہ ٹھہر گیا بعد فراغت کے فرمایا کہ بھائی اپنا عیب آدمی کو معلوم نہیں ہوتا مجھے اپنے اندر ایک عیب کا شبہ ہے وہ یہ کہ مرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک جاتا ہے اور اس پر ایسی ایسی وعیدیں آئی ہیں تو آپ ذرا دیکھ لیں کہ واقعی میرا شبہ صحیح ہے یا نہیں وہ شخص پانی پانی ہوگیا اور عرض کیا کہ حضرت آپ کا پاجامہ کیوں لٹکتا میرا البتہ لٹک رہا ہے اور اسی وقت اسکو جاکر درست کر لیا۔ اور ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی پس اگر محبت اور حکمت عملی سے کہا جاوے تو ممکن نہیں ہے کہ کوئی برا مانے اسی واسطے امر بالمعروف۔ اور وعظ عام کی ہر شخص کو اجازت نہیں ہے حق تعالے کا ارشاد ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر یعنی چاہیئے کہ ایک جماعت تم میں سے ایسی ہو کہ جو خیر کیطرف داعی ہوں اور نیک بات کا حکم کریں اور بری بات سے منع کریں دیکھئے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب امر بالمعروف کرو بلکہ یہ فرمایا کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہونا چاہیئے مگر اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف کا ہر شخص اہل نہیں ہے ہر شخص کو اجازت نہیں ہے کہ وہ وعظ عام اور خطاب عام کرے البتہ جن پر بوی قدرت ہے جیسے اپنے اہل و عیال وہاں اصلاح کا ہر شخص مکلف ہے یا ایہا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا۔ غرض ہر کام تدبیر سے ہوتا ہے میرا معمول ہے جب میں کہیں سفر میں ہوتا ہوں مجھ سے فرمائش ہوتی ہے کہ وعظ میں فلاں بات کا ذکر کرنا میں صاف انکار کر دیتا ہوں بعضے ایسے بھولے بھالے ہوتے ہیں کہ ممبر پر بیٹھ کر وہی سبق سنا دیتے ہیں جو انکو پڑھایا جاتا ہے لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کہلایا ہوا کر رہے ہیں اس سے اثر ضعیف ہو جاتا ہے اور لوگوں کو ناگوار بھی ہوتا ہے میں ایسی فرمائش پر ہرگز عمل نہیں کرتا حتے کہ نواب صاحب ڈھاکہ نے مجھکو بلایا تھا میں نے پہلے یہ شرط کر لی تھی کہ آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ آپ مجھ سے کسی خاص بات کے وعظ میں بیان کرنیکی فرمائش کریں چنانچہ انہوں نے موافق شرط کے کسی بات کی فرمائش نہیں کی میں نے وعظ میں جو چاہا بیان کیا کسی نے

بھی برا نہیں مانا میں نے اس کا تجربہ کیا ہے کہ فرمائشی وعظ کا اور رنگ ہوتا ہے اور خود کہنے میں اور بات ہوتی ہے پس شریعت کا قانون ہے کہ نصیحت وتدبیر میں آداب احتساب کی رعایت کرو اور اگر کوئی باوجود آداب کے رعایت کرنے کے برا مانے اسپر شبہ واقع نہیں ہوسکتا اس لیئے کہ صفراوی کو مٹھائی کڑوی معلوم ہوہی گی اس لیئے کہ اس کا مزاج ہی خراب ہے امر بالمعروف کی خاصیت میں کچھ خرابی نہیں اس کا خاصہ تو یہ ہے کہ ممنون ہونا چاہیئے ہمارے امراض اس شخص نے معلوم کرائے ایک اعتراض تو یہ تھا جس کا جواب ہو گیا دوسرا سوال یہ ہے کہ بعض دیندار بھی نہیں ہوتے اور پھر بھی وہ محبوب ہوتے ہیں تو پھر محبوبیت صرف دینداری کا خاصہ کیا ہوا اس کا راز بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب کوئی محبوب ہو اور وہ دیندار نہ ہو تو یہ دیکھو کہ علتِ اسکی محبوبیت کی کیا ہے علت اس کی اکثر تو وہی شئے نکلیگی جس کا شریعت نے حکم کیا ہے مثلاً کوئی کافر سخی ہے یا عادل ہے تو اس سے اسکی سخاوت اور عدل کیوجہ سے محبت ہوتی ہے اور سخاوت اور عدل دونوں کی شریعت نے تعلیم کی ہے کفر کے ساتھ ملکر بھی انہوں نے اپنا اثر دکھلایا سہ

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند	صاف گر باشد ندانم چوں کند

شراب کا گھونٹ مٹی ہیں مگر جب مست بنا دیتا ہے تو خالص شراب تو کیا کچھ نہ کریگی اسیطرح اعمال شرعیہ کفر کی نجاست کی آلودگی کے ساتھ بھی جب اپنا کام کر رہے ہیں اگر ایمان کے ساتھ ملینگے تو دیکھو کیا رنگ لاتے ہیں ایک جواب تو یہ ہوا دوسرا جواب یہ ہے کہ محبوبیت مطلقہ یعنی من کل الوجوہ میں گفتگو ہے جو ہر شخص کے نزدیک محبوب بنا دے یہ بجز مومن کامل کے کسیکو نصیب نہیں اگر کوئی کافر کسی خلق حسن کیساتھ متصف ہے تو وہ بعض کے نزدیک محبوب ہے اور بعض کے نزدیک نہیں بلکہ کفر یا بعض اخلاق ذمیمہ کیوجہ مبغوض ہے اب شبہ جاتا رہا اور اگر حسن وغیرہ علت ہو تو اسکا جواب اوپر آچکا ہی اب ایک اعتراض اور باقی رہا وہ یہ ہے کہ ایک مومن جو شریعت کا پورا پابند ہو اس کا کسی سے مقدمہ ہو اور اس میں وہ مومن ہی حق پر ہے تب بھی فریق مقابل اسکو نظر غیظ سے دیکھتا ہے نظر محبت سے ہرگز نہیں دیکھتا اب وہ خاصہ کہاں گیا جواب اس کا یہ ہے کہ ہر شئے کی خاصیت کے ظاہر ہونیکی شرط یہ ہے کہ اسکا کوئی معارض نہو اگر معارض

ہو تو یوں کہینگے کہ شے اپنے اثر سے متخلف ہو گئی تو یہاں یہ معارض ہے کہ اسکو اوسکے زعم میں ضرر پہنچ رہا ہے اسلئے یہ شخص اگر نظر غبط سے دیکھے تو ہمارے دعوے کے کچھ منافی نہیں ہے ہاں عام طور سے دیکھو کہ دوسرے لوگ کس نظر سے دیکھتے ہیں سو یقینی بات ہے کہ ایسے موقع پر عام طور پر سب یہی چاہا کرتے ہیں کہ خدا کرے یہ جیت جاوے اسیطرح اگر غیر مومن اگر مظلوم ہو تو سبکی خواہش ہوتی ہے کہ اسکی فتح ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفر سبب مودۃ کا ہے یہاں اسکی مظلومیت اسکی مبغوضیت کے معارض ہو رہی ہے دراصل وہ مبغوض ہی ہے پس خلاصہ یہ ہوا کہ محبوبیت اعمال صالحہ اور ایمان میں منحصر ہے اس سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوئی کہ جو اتفاق اور محبوبیت و مودت کو اس راہ سے طلب نہیں کرتے ؎

ترسم کہ نرسی بکعبہ لئے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

چنانچہ جو لوگ اتفاق اتفاق پکار رہے ہیں اور شریعت کے خلاف کر رہے ہیں انکو آجتک تو کامیابی ہوئی نہیں اگر کوئی کہے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بعض جگہ ان میں اتفاق ہے صاحبو وہ اتفاق نہیں اسلئے کہ آپ کو واضح ہو گیا ہے کہ اتفاق ہوتا ہے باہمی الفت سے اور انمیں الفت نہیں وہ عارضی اور اتفاق کی صورت ہے بہت جلدی زائل ہوتا ہے کیونکہ منشاء اس اتفاق کا اتحاد اغراض ہے جب تک اغراض متحد ہوتے ہیں وہ اتفاق کا ڈھانچہ قائم رہتا ہے اور جب اغراض میں اختلاف ہوتا ہے فوراً وہ اتفاق ٹوٹ جاتا ہے بخلاف مومن کے اتفاق کے اسلئے کہ اسکی غرض اور مطلوب ہمیشہ اللہ رسول کی رضا ہے اور اسمیں تزاحم محتمل ہی نہیں اسلئے اسکا اتفاق قائم رہتا ہے دو مومن اگر جنوب و شمال میں بھی ہیں اور انمیں کوئی سابقہ تعلقات بھی نہیں اون میں بھی اتفاق ہے پس عقلی طور سے ثابت ہو گیا کہ اتفاق اگر ہے تو مومنین میں ہے اور اگر باقی رہ سکتا ہے تو انہی کا اتفاق باقی رہ سکتا ہے اور اسی پر قیاس کر لیجئے اسکی ضد کو کہ بغض اور عداوت جب ہو گا خلاف شریعت کے کرنے سے ہو گا اور بغض اگر قائم رہنے والا ہے تو وہ انمیں ہی ہے جو ایمان یا عمل صالح میں خلل ڈالتے ہیں پھر بھی مومنین میں جتنا بھی ایمان ہے اسی مقدار کے موافق۔ اونمیں مودت و محبت لازم ہے پس اگر آپ محبوب بننا چاہتے ہیں اور اپنے آپس میں

؎ اس کا ظہور جب کسی غیر قوم سے مخالفت ہو ۱۲ جامع

آپس میں اتفاق قائم رکھنا چاہتے ہیں، تو خدا اور رسول کی اطاعت کیجیے ورنہ مبغوضیت کیلئے طیار ہو جائیے - لیکن خدا کے لیے ایمان اور عمل صالح کو اس نیت سے نہ کیجیے کہ ہم محبوب بنیں - بلکہ قصد تو اطاعت حق کا ہونا چاہیے - ہاں اس پر یہ ثمرہ بھی مرتب ہو جاتا ہے - جیسے جب خانہ کعبہ کا ارادہ ہو تو بمبئی کی سیر کا ارادہ نہ کرو - نیت تو ہونا چاہیے حج کی ہاں راستہ میں بمبئی بھی آوے گی اور سیر بھی کر لوگے - اور یہاں سے یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ بعض لوگ جو نماز کی حکمت، یا حج کی حکمت یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ نماز سے صفائی حاصل ہوتی ہے اور جماعت کی حکمت یہ کہتے ہیں کہ پانچ وقت جب محلہ کے مسلمان ملیں گے تو آپس میں اتفاق ہوگا اور جمعہ میں شہر کے مسلمانوں میں اتفاق ہوگا اور حج میں تمام عالم کے مسلمانوں میں اتحاد ہوگا میری تقریر کا اونکی تقریر سے متحد ہونے کا شبہ نہ کیا جاوے کہ وہ بھی ان اعمال صالحہ کو مورث اتفاق بتلاتے ہیں اور یہی میں نے کہا - سو اُن کی اور میری تقریر میں بہت بڑا فرق ہے - اُنکی غرض تو یہ ہے کہ مقاصد اصلیہ ان احکام کے یہی اتحاد و اتفاق ہیں اور میرا مقصود یہ ہے کہ موضوع لہ اصلی تو ان طاعات کا قرب الٰہی ہے اور خدا تعالیٰ کا راضی کرنا - ہاں جو ثمرہ اُن پر بلا قصد مرتب ہو جاتا ہے وہ یہ بھی ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں - گو اُن کے لیے یہ اعمال موضوع نہیں - پس میری تقریر کو اُن کی تقریر کا ہمرنگ ہرگز نہ سمجھا جاوے ؛

الحاصل اتفاق کا اتباع شریعت میں اور نااتفاقی کا شریعت کے خلاف کرنے میں منحصر ہونا ثابت ہو گیا - اور جس طرح سے اس تقریر سے اتفاق کے اسباب معلوم ہو گئے - جن کا حاصل اطاعت حق ہے اسی طرح اس سے نااتفاقی کے بھی اسباب معلوم ہو گئے ہونگے کہ معصیت حق ہے - اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ توفیق عمل کی عطا فرماویں - آمین ثم آمین ؛

تمت

حِفظ اللسان

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

خطبۂ ماثورہ امابعد مایلفظ من قول الالدیہ رقیب عتید اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایسے امر پر تنبیہ فرمایا ہے جسکا عقیدہ تو سب کو ہے لیکن بوجہ غفلت کے خیال نہیں ہوتا انسان جو کچھ منہ سے نکالتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں سب حرف بحرف لکھا جاتا ہی ہر مسلمان جانتا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے رہتے ہیں یک نیکیوں کا لکھنے والا دوسرا بدی کا خواہ قولی ہوں یا فعلی فرشتے برابر لکھ لیتے ہیں غرض یہ ایسا امر ہے جسکو تمام عوام و خواص جانتے ہیں باوجود اسکے اکثر زبان کو انہیں باتوں میں صرف کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے اور اعضاء سے اسقدر گناہ نہیں سرزد ہوتے جتنے یہ زبان کرتی ہے وجہ یہ ہے کہ اور سب گناہوں میں کچھ دقت و مشقت بھی ہوتی ہے کچھ مقدمات و اسباب بھی ہوتے ہیں بخلاف زبان کے گناہ کے اس میں کچھ مشقت و خرچ نہیں۔

اور گناہوں کی صورت نمایاں ہوتی ہے مثلاً بدکاری کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے چلتا پھرتا بات کرتا معلوم ہوگا اسی طرح شراب وغیرہ کے آثار معلوم ہو جاتے ہیں لیکن زبان کا کوئی اثر معتد بہ نہیں معلوم ہوتا چونکہ یہ امر بہت بڑی غفلت کا تھا اللہ تعالیٰ نے فرما دیا۔ دو قسم کی باتیں ہیں جنمیں زبان استعمال کیجاتی ہے ایک وہ جن کے واسطے پیدا کیگئی ہے۔ دوسری وہ باتیں ہیں جن سے زبان کو بچانا چاہئے حق سبحانہ تعالیٰ نے طاعت و عبادت کیواسطے زبان کو پیدا کیا ہے جیسے چمچہ فیرنی دودھ کے واسطے بنایا گیا ہے بجائے اسکے کوئی اس سے غلاظت اٹھانے لگے۔ لیکن اگر کوئی شخص چمچہ کو اسطرح استعمال کرے تو ہم اسکو بڑا احمق سمجھیں۔ حالانکہ زبان کے چمچہ سے ہم ہر وقت غیبت و جھوٹ جمع کر رہے ہیں فرق اسقدر ہے کہ چمچہ ایک لوٹے پانی سے پاک صاف ہو سکتا ہے لیکن وہ غلاظت جو ہمنے زبان کے چمچہ سے جمع کی ہے سات سمندروں کے پانی سے بھی نہیں دہل سکتی کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ توبہ جب چاہیں گے جب کر لیں گے سب گناہ معاف ہو جائینگے اللہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ توبہ بہت دشوار ہے حدیث شریف میں ہے التوبۃ ندم یعنی توبہ گناہوں کے بعد دل کی سوزش و دکھن کا نام ہے اور یہ سوزش بیقراری پیدا کرنا انسان کے قابو میں نہیں۔

چونکہ ہم لوگوں کو توبہ کی حقیقت ہی نہیں معلوم ہے اس وجہ سے سہل سمجھ لیا ہے

اکثر باتیں جو زبان سے نکلتی ہیں بری ہیں صبح سے شام تک اسمیں بڑا مشغلہ ہے ایک بڑی مہلک چیز جھوٹ ہے بعض جھوٹ بولنے پر اپنے آپکو مضطر و مجبور سمجھتے ہیں لیکن جب انہیں کو یہ معلوم ہوجائے کہ ہمارا حاکم جھوٹ سے بہت ناخوش ہوتا ہے اور یہ امر اس سے چھپا نہیں رہیگا۔ تو اسکی رضامندی کے واسطے اچھا پیسہ کا نقصان اور باز رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اتنا بھی خیال نہیں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہمارے دلمیں بسی نہیں ہے۔ جب دیکھا کہ دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہوتا تو دین کا کام کر لیا جہاں چار پیسہ کا نقصان ہوا فوراً چھوڑ بیٹھے یہ کیا دینداری ہے حالانکہ اصلی ضرورت کا شریعت نے خود لحاظ فرمایا ہے اور بعض موقعوں پر جھوٹ بولنے کی اجازت دیدی ہے مثلاً دو شخصوں میں رنجش ہے انکی صلاح کرانے کی غرض سے اگر کوئی جھوٹی باتیں کرے تو جائز بلکہ ثواب ہے ایک سے کہدے کہ وہ تمہارے ملنے کے بہت مشتاق ہیں ہر وقت آپکی تعریف کرتے رہتے ہیں اسیطرح دوسرے سے کہے کہ جب سے آپ سے مفارقت ہوئی ہے ان کو نہایت بے چینی ہے اسی طرح بی بی کی رضامندی کیلئے شارع علیہ السلام نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے سچی اشتہا میں طبیب کھانیکی اجازت دیتے ہیں ور کاذب میں منع کرتے ہیں بڑے افسوس کی بات ہے کہ طبیب کے منع کرنے سے خوش ہوں اور طبیب مطلق نے جہاں ممانعت فرمائی ہے اس سے ناراضی ہو جب ماں سے یہ نہیں ہوسکتا کہ تمہارے نفع کی چیز ضرورت کیوقت تمکو نہ دے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ تو ماں سے بدرجہا زیادہ شفیق ہیں تمہارے نفع کی چیز دینے تمکو کیوں روکتے اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقعوں پر شریعت نے اجازت فرمائی ہے مگر ضرورت وہی ہے جسکو شریعت نے ضرورت سمجھا اسمیں تمہارے خیال کا اعتبار نہیں ہے جہاں ممانعت فرمائی ہے وہ موقع نفع کا نہیں ہے۔ اپنے آپ کو مضطر و مجبور سمجھنا عین حماقت ہے افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں میں علماء سے پوچھنے کی عادت جاتی رہی ورنہ یہ نوبت نہ آتی۔

انسان جب کثرت سے جھوٹ بولتا ہے تو ایک روز اللہ کے یہاں جھوٹوں کے دفتر میں اسکا نام درج کر لیا جاتا ہے۔ جیسے اقوال میں جھوٹ ہوتا ہے اسیطرح افعال میں بھی ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص لوگوں کے دکھلانیکو خیرات کرے اور ثواب کی نیت نہ ہو تو وہ قولاً جھوٹا ہے جھوٹ میں جسقدر خداع و فریب زیادہ ہوگا اس کا گناہ بھی زیادہ ہوگا۔

جھوٹ تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جسمیں کسی کی حق تلفی نہو بلکہ اصلاح ہو یہ جائز ہے۔ دوسری وہ کہ دوسروں کو ضرر پہنچے یہ حرام ہے۔ تیسری وہ جسمیں نہ کوئی ضرر ہو نہ نفع یہ لغو ہے اسکو بھی چھوڑنا چاہیے کیونکہ اس سے دل سیاہ ہوجاتا ہے

علاوہ جھوٹ کے ایک زبان کا گناہ غیبت ہے اسکی حقیقت یہ ہے کہ کسیکی پیچھے ایسی بات کہی جاے جس سے اسکی توہین ہو۔ خواہ وہ برائی اسکی ذات کے متعلق ہو یا اسکی کسی چیز کا عیب ہو۔ مکان۔ یا گھوڑے یا کپڑے کی مذمت بھی غیبت میں داخل ہے لیکن افسوس ہے کہ اس میں ہمکو ذرا بھی احتیاط نہیں ہے کوئی وقت ایسا نہیں جسمیں دوچار لوگوں کی غیبتیں نہ کرتے یا سنتے ہوں ہم لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو پھانسی کا حکم ہو گیا ہو اور ایک اسکے پڑوسی کا مقدمہ دیوانی میں پیش ہو تو اسکے اوپر افسوس کرے اور اپنی مصیبت کو بھول جائے یہ نہ خیال کرے کہ میں تو کل کو لٹکتا ہونگا اسکی کیا فکر کروں — دوسروں کے ذرا ذرا سے عیبوں پر نظر ہے اور مجمعوں میں بیان کئے جاتے ہیں اور اس سے بڑے بڑے عیبوں میں خود مبتلا ہیں ان کا کچھ ذکر نہیں اگر اپنے عیبوں کا ذکر تو کیا خیال بھی ہوتا تو کبھی اصلاح کی بھی ہو جاتی۔ مگر اپنے آپ کو تو ہر شخص نے بالکل بیگناہ سمجھ لیا ہے غیبت سننے سے جب منع کیا جاتا ہو تو بعض شخص یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ صاحب اگر ہم کسیکی بات نہ سنیں۔ تو اپنے دلمیں وہ برا مانے لیکن ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اوپر سے کسی پر پیشاب کردے اور وہ اس خیال سے کہ اگر میں ہٹونگا تو یہ برا مانینگے پڑا ہوا پیشاب کراتا رہے لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اسطرح سے کوئی اپنے آپ اوپر پیشاب کرانے سے کبھی راضی نہ ہوگا پھر غیبت تو اس سے بھی زیادہ ناپاک و نجس ہے پیشاب سے اگر کپڑا ناپاک ہوتا ہے اور اس سے دل ناپاک و نجس ہو جاتا ہے گناہوں میں مزا پانا دلکی بیماری کی علامت ہے جیسے سانپ کے کاٹے ہوئے کو نیم کے پتے میٹھے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ مٹھائی موت کا پیام لاتی ہے ابتدا میں اگر اصلاح کی کوشش کیجائے تو سنبھل سکے ورنہ پھر تو مثل بخار کے مریض کے ہے جسکو بدپرہیزی سے دق ہو گئی ہو اور پھر بھی اسنے کچھ پرواہ نکی آخر کو درجہ رابع میں پہنچ کر لاعلاج ہو گئے اسی طرح جو لوگ گناہ پر برابر اصرار کرتے ہیں اور مالک کی طرف رجوع نہیں کرتے انکے دلوں پر مہر ہو جاتی ہے جسکے سبب سے پھر توبہ کی توفیق نہیں ہوتی ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں فرمایا ہے ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاوۃ اگرچہ گناہ فی الوقت مزیدار معلوم ہوتا ہے لیکن وہ مزہ فوری و فانی ہے اور اسکی سزا دائمی و باقی ہے دنیا کے مزے بالکل خواب و خیال ہیں انسان کو چاہئے کہ ان کیواسطے اپنی آخرت کی دولت و عزت کو نہ برباد کرے جیسے کسیکی حکایت ہے ایک شخص کی عادت تھی کہ سوتے میں ہمیشہ پیشاب نکل جاتا تھا اسکی بی بی نے کہا یہ کیا حماقت ہے اسنے کہا کہ خواب میں شیطان آتا ہے اور کہتا ہے چلو سیر کو چلیں لیکن پہلے پیشاب کر لو میں سمجھتا ہوں پاخانہ ہے پیشاب کو بیٹھ جاتا ہوں اور پیشاب نکل جاتا ہے اسکی بی بی نے کہا آج شیطان سے کچھ روپیہ کی فرمایش کرنا اس نے کہا اچھا۔ اگلے روز جب خواب میں پھر شیطان سے ملاقات ہوئی تو کہا یار تم روز بستر پر پیشاب تو کرا دیتے ہو لیکن ہماری کچھ مدد نہیں کرتے۔ شیطان نے کہا کس چیز کی ضرورت ہے کہا غریبی کی شکایت

کی۔ اُس نے کہا آپ اگر پہلے سے ذکر کرتے تو اُسکا ضرور خیال کیا جاتا۔

شیطان نے اُسکو ساتھ لیکر ایک بادشاہ کے یہاں جاکر نقب لگایا اور بہت سے توڑے روپیوں کے اُس کی کمر پر لادد یے یہانتک کہ پاخانہ خطا ہوگیا۔ صبح کو جب آنکھ کھلی تو روپیہ ایک بھی ہاتھ نہ آیا لیکن بستر آلودہ تھا۔ اُس کی بی بی نے کہا یہ کیا ہوُا۔ سب قصہ بیان کیا۔ بی بی نے کہا۔ ایسے روپیوں سے باز آئے۔ آیندہ معاف رکھو۔ پیشاب ہی کر لیا کرو۔ یہی حال دنیا کی لذتوں اور مزوں کا ہے

حال دُنیا را بپرسیدم من از فرزانۂ گفت یا خوابی ست یا بادی ست یا افسانۂ

بازگفتم حال آنکس گو کہ دل دروے ببست گفت یا غولے ست یا دیوے ست یا دیوانۂ

عرصہ تک گناہ کرنے سے دل میں سیاہی ہوجاتی ہے۔ اور پھر گناہ کی بُرائی محسوس نہیں ہوتی ابتدا میں جب کوئی رشوت لیتا ہے تو دل میں بہت رنج رہتا ہے اور شرماتا ہے کہ یہ مجھ کو بڑا لالچی سمجھیگا۔ جب دو چار مرتبہ لیتا ہے تو پھر شرم وحیا نہیں رہتی۔ یہانتک پھر خود منھ سے مانگ کر لیتا ہے۔ اور جس روز کچھ نہیں آتا بہت رنج وصدمہ ہوتا ہے۔ اور جس روز کچھ ملگیا عید ہوگئی۔ اصرار سے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ ایک شرابی سے توبہ کیواسطے کہا گیا تو اُس نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اُمید ہے اور آخر وقت شراب پی کر مرگیا +

تمّت

اطلاع

دیگر تالیفات حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ مہاجر مکی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولنا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور نیز کتب درسیہ دینیہ ہمارے ہاں سے طلب فرماویں +